گھامڑ گورے
مائیکل مور
ترجمہ: حسن عابدی

#1 New York Times BESTSELLER
STUPID WHITE MEN
...and Other Sorry Excuses for the State of the Nation!
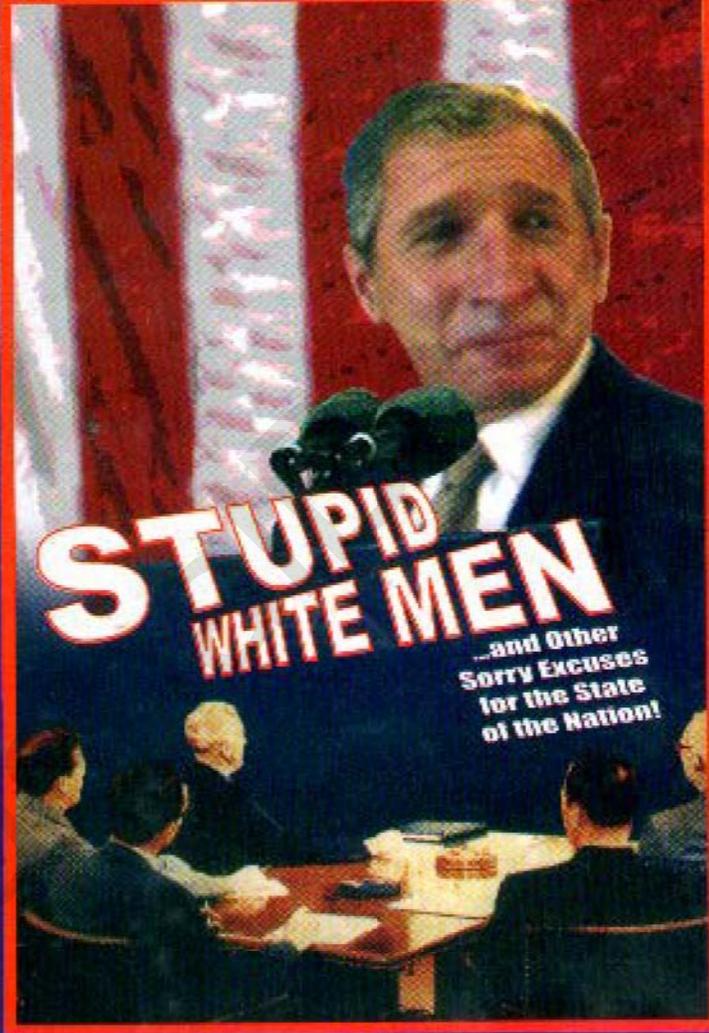
مشعل

گھامڑ گورے

مائیکل مور

اُردو ترجمہ: حسن عابدی

مشعل

آر- بی 5 ' سیکنڈ فلور' عوامی کمپلیکس

عثمان بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن' لاہور54600 ' پاکستان

کچھ اس کتاب کے بارے میں

اس کتاب کے مصنف میں قاری کو اپنا دوست بنالینے کی غیر معمولی صلاحیت ہے۔ اپنی ذہانت، دیانت اور صاف گوئی سے وہ فوراً آپ کا اعتماد حاصل کر لیتا ہے اور ایک اچھے دوست کی طرح مایوس نہیں کرتا۔ وہ آزردہ ہو، پھر بھی اپنے مخاطب کو آزردہ ہونے نہیں دیتا۔

مجھے مائیکل مور کی جس بات نے متاثر کیا وہ اس کے سیاسی اور تہذیبی رویے ہیں۔ وہ امریکہ کی سیاہ فام نسل کا حمایتی اور کالوں کا سچا دوست ہے۔ اسے ان گوروں سے نفرت ہے جو کالوں کے ریاکار سرپرست ہیں اور ان کا استحصال کرتے ہیں۔ اسے نادار لوگوں سے، بچوں سے اور نوجوانوں سے محبت ہے۔ وہ امریکہ کے کارپوریٹ کلچر کا نہایت کڑا نقاد ہے، یہ ٹرانس نیشنل کمپنیوں کے اجارہ دار اور دنیا کی بیشتر دولت پر بیٹھے ہوئے خزانے کے سانپ، مزدوروں اور اپنے ماتحت ملازموں کو بے روزگار کرتے ہیں اور مستقل طور پر بیماری، بے زاری اور بے روزگاری کے خوف میں مبتلا رکھتے ہیں۔ سرکاری خزانے کو لوٹتے ہیں، ٹیکس چوری کرتے ہیں اور آکٹوپس کی طرح دنیا بھر میں پھیل رہے ہیں۔

مصنف عمر قید اور پھانسی کی سزاؤں کا سخت مخالف ہے۔ وہ ایک ایسے معاشرے کا خواب دیکھتا ہے اور اب تو خواب سے بیدار ہو کر میدان عمل میں نکل آیا ہے، جس میں نوجوانوں کو اپنی صلاحیتوں کو ابھارنے اور استعمال کرنے کا پورا موقع ملے، جس میں دانش کی قدر ہو اور سرمایہ دارانہ لوٹ مار کا سلسلہ ختم ہو جائے۔

مصنف نے موجودہ امریکی صدر بش کو منتخب صدر تسلیم نہیں کیا کیونکہ اس نے عدالت کی ایما سے صدارت کا منصب ہتھیا لیا ہے۔ بش کی جارحانہ سیاسی حکمت عملی کے نتائج ہمارے سامنے ہیں اور ہم مصنف کی بصیرت کی داد دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اس

نے حکمراں ٹولے کے عزائم کو پہلے ہی بھانپ لیا تھا۔ لیکن اس کتاب کو آپ کوئی سیاسی دستاویز نہ سمجھیں۔ یہ ایک شگفتہ اور باغ و بہار قسم کی کتاب ہے جس میں امریکی معاشرے کے ہر پہلو پر تبصرہ کیا گیا ہے، یہاں تک کہ باتھ روم کو استعمال کرنے کے آداب بھی لوگوں کے گوش گزار کیئے گئے ہیں جو کوتاہ اندیش ہی نہیں، کاہل اور عجلت پسند ہیں اور صفائی کو بس کفایت کی حد تک ضروری سمجھتے ہیں۔

مائیکل مور ایک نامور فلم ساز اور آسکر ایوارڈ یافتہ ہے۔ اس کتاب کے مسودے میں بھی اس نے جذیات نگاری سے کام لیتے ہوئے قلم کو کیمرے کی طرح استعمال کیا ہے جس میں جگہ جگہ کامک سین بھی آتے ہیں اور قاری کھلکھلا کر ہنس پڑتا ہے۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ بش امریکہ کے منتخب صدر نہیں ہیں۔ ایک عدالتی فیصلے کے تحت انہیں صدر بنا دیا گیا ہے۔امریکہ کی نام نہاد جمہوری تاریخ میں یہ بھی ایک مثال ہے کہ وہائٹ ہاؤس میں وہ شخص مہمان ہے جسے عام لوگوں نے منتخب نہیں کیا۔ مائیکل مور نے بھی انہیں ''صدر'' تسلیم نہیں کیا اور نہ کہیں ان کے نام کے آگے پیچھے ''صدر'' لکھا ہے، وہ بش کی کچھ دوسری باتوں سے ہراساں ہیں کیونکہ بش کی انگلی اب اس بٹن پر آ کر ٹک گئی ہے جو کرۂ ارض کو ایک دھماکے سے اڑا سکتا ہے۔ مور کا یہ اندیشہ عراق پر ان کی فوجوں کے سفا کانہ حملے سے، میزائلوں اور کلسٹر بموں کی اندھا دھند بارش سے اور شہری بستیوں کے انہدام سے صاف ظاہر ہے۔

بش سے مخاطب ہوتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے ''مجھے تو ایسا لگتا ہے اور دوسرے بھی یہی محسوس کرتے ہیں کہ تم عملاً ان پڑھ ہو۔ ویسے اس میں شرمندہ ہونے کی کوئی بات نہیں لاکھوں امریکی چوتھی جماعت کی استعداد سے اوپر نہ پڑھ سکتے ہیں اور نہ لکھ سکتے ہیں۔ لیکن میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم جو بیشتر آزاد دنیا کے سربراہ ہو اگر تمہیں پیچیدہ نوعیت کی دستاویزات پڑھنے کے لئے مل جائیں تو پھر کیا ہوگا؟ کیونکہ تمہیں ان معاملات کو سمجھنے میں پریشانی ہوتی ہے۔ اس صورت میں ہم ایٹمی راز جیسے معاملات تمہارے حوالے کیسے کر سکتے ہیں۔

''تمہارے ان پڑھ ہونے کے سارے شواہد میرے سامنے ہیں۔ پہلا اشارہ تو اس وقت ملا جب تم سے اپنے بچپن میں پڑھی ہوئی پسندیدہ کتاب کے بارے میں پوچھا گیا

اور تم نے جواب دیا ''دی ویری ہنگری کیٹر پلر'' بدقسمتی سے جب تم گریجوایشن کر کے کالج سے نکلے اس کے ایک سال بعد تک وہ کتاب شائع ہی نہیں ہوئی تھی۔ پھر صدارتی مہم کے دوران جب تم سے ان کتابوں کے بارے میں پوچھا گیا، جو اس وقت تمہارے زیر مطالعہ تھیں، تو تم نے بڑے مزے سے ان کے نام بتا دیئے لیکن جب یہ پوچھا گیا کہ ان میں کیا لکھا ہے تو تم بغلیں جھانکنے لگے''۔

غرضیکہ مصنف اپنے بیان میں نہ صرف صداقت کو پیش نظر رکھتا ہے بلکہ کوئی بات ثبوت اور ناقابل تردید ثبوت کے بغیر نہیں کہتا۔ بش کی انتظامی پالیسیوں اور خاص طور پر مالی فیصلوں میں جو مجرمانہ کوتاہیاں پائی گئی ہیں اور ان میں عوام کے مفادات کو جس بے رحمی سے پامال کیا گیا ہے، مور نے ان کا بے کم وکاست ذکر کیا ہے۔ ان تفصیلات کے مطالعہ سے آج کے امریکی ذہن کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور یہ بہت ضروری ہے اس لئے کہ امریکہ واحد سپر پاور ہے اور ایک دنیا دم سادھے بیٹھی ہے اور سوچ رہی ہے کہ عراق کے بعد اس کی افواج قاہرہ اب کدھر کا رخ کرتی ہیں۔

بش چینی اور ان کے نائبین اپنی اپنی ذات میں تنہا نہیں ہیں بلکہ امریکہ کے کارپوریٹ کلچر کے محافظ ہیں اور ان کے کاروبار مفادات کے ترجمان ہیں۔ مور نے اس امن دشمن ٹولے کا پول کھول کر ہمیں حقیقت حال سے باخبر کیا ہے۔ اس کا لہجہ تلخ ضرور لیکن حقیقت کا بیان تلخ ہی ہوتا ہے۔ یہ اور بات کہ ایک منجھے ہوئے انشاپرداز کی طرح اس نے الاؤ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے بھی مارے ہیں، تلخی میں مزاح کی ملاوٹ بھی شامل کی ہے۔ طنز سے مرہم کا کام بھی لیا ہے کہیں کہیں لہجہ سوقیانہ ہو گیا ہے، لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ یہ دو تہذیبوں کا فرق ہے۔ مائیکل مور مشرق کے پر تکلف، شائستہ اور تہذیب کے مصنوعی آداب کا پابند نہیں۔ اس کی معصومانہ صدق بیانی میں بھی ایک لطف ہے، جسے کچھ لوگ خلاف وضع اور پھکڑ پن سے تعبیر کریں گے۔ لیکن بیان کی صداقت پر اگر شائستگی کا دبیز پردہ ڈال دیا جائے تو آپ اسے کیا کہیں گے۔

حسن عابدی
کراچی

تعارف

حیرت ہے کہ میں جیت گیا، میں امن خوشحالی اور اپنی
اہلیت کے خلاف مقابلہ کر رہا تھا۔
جارج ڈبلیو بش ۱۴ جون ۲۰۰۱ء
سویڈن کے وزیر اعظم گوران پرسن سے گفتگو کے دوران
اس بات سے بے خبر کہ ٹی وی کیمرہ ابھی چل رہا تھا۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ ۷ نومبر ۲۰۰۲ء کی رات کے بیان سے شروع ہوا جب بش نے اپنے بھائی جارج جونیئر کو کرسمس سے ذرا پہلے فلوریڈا کی ریاست تحفے میں پیش کر دی۔

دوسرے لوگوں کے لیے جن پر خوش بختی کے پورے دس سال اترے تھے، بتدیلی کا موڑ اس طرح آیا کہ ڈاؤ کو اتنا بڑا سالانہ نقصان ہوا جو بیس سال کے نقصان کے برابر تھا۔

ان بیشتر لوگوں کے لیے جن کے لیے موسیقی مر گئی تھی، آخر وہ رات آئی جب ہمیں بتایا گیا کہ پلوٹو کوئی سیارہ نہیں اور زندگی جیسا کہ ہمیں علم تھا، اب اتنی ہی دور تھی، جتنی دور نئے ''صدر'' کی آنکھوں سے بصارت۔

عین وہ لمحہ جب سب کچھ ہماری آنکھوں کے آگے زمین بوس ہو گیا تھا۔ اس لمحے کی نشاندہی تم جیسے چاہو کرو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اہم بات بس ایک ہی ہے جو ہم سب امریکیوں کے اجتماعی شعور میں ہے کہ کسی شخص نے ہمارے جشن کی ساری رات پر اندھیرا تان دیا۔ امریکہ کی صدی؟ وہ تو گئی۔ ۲۱ ویں صدی، اپنی ۲۱ ویں صدی کی بھیانک رات کی آمد ایک وہ شخص جسے کسی نے بھی منتخب نہیں کیا۔ وائٹ ہاؤس میں بیٹھا ہے۔

کیلیفورنیا کے پاس تو اتنی بجلی بھی نہیں کہ اس سے اپنے جوسر چلا سکے، یا اپنے قیدیوں کو موت کے کنارے لگا دے۔ ٹھیک اس وقت جب ہم نے اپنی آخری ایٹمی پناہ گاہ بھی توڑ دی، چین اور روس نے ایک نئے معاہدے پر دستخط کر دیئے ہیں۔ ڈاٹ کام اب ناٹ کام ہوگئے ہیں، کمپیوٹر، ریونیو کے عقبی کرے میں کھیلے جانے والے گولیوں کے کھیل بن کر رہ گئے ہیں۔ ریگن کے نشاۃ الثانیہ نے جس طرح ملک کو تباہ کیا تھا، اس کے بعد سے گزشتہ دو سال کے اندر ملازمتوں سے برطرفیاں بہت بڑے پیمانے پر ہوئی ہیں۔ ڈیٹرائٹ بھی اپنے نارتھ ویسٹ رابطوں کے بجائے اتوار کی صبح اس کا زیادہ امکان ہے کہ ڈیٹ کے لیے تم کو کیتھرائن ہارس یا ٹوم ڈیلر قتل کر جائے۔

کیا کہا تم نے؟ کسٹمر سروس پر تم سچ مچ کے انسانی پیکر سے ملنا چاہتے ہو؟ ہا ہا ہا 4 کا بٹن دباؤ اور اس کو رخصتی سلام کہو۔

اوہ، اور کیا تم خوش نصیب نہیں ہو، تم دو دو نوکریاں کر رہے ہو اور اس طرح تمہاری بیوی ہے اور وہ تمہارا بیٹا جمی ہے، جو میکڈونلڈ میں بھی کام کر رہا ہے پھر ایک نیا مکان حاصل کرنا تمہارے بس میں ہے جو تین قطاروں والی گلی میں واقع ہو، جس میں ایک خوبصورتی سے ترشا ہوا لان ہو اور چھوٹی چھوٹی سفید باڑ ہو اور......وہ دیکھو، دادا میاں کے خیر مقدم کے لیے اسپاٹ ذرا ٹوائے پر آگے بڑھ رہا ہے اور تمہیں آئندہ مہینے طالب علمی کے زمانے کے قرض کی آخری قسط ادا کرنی ہے۔ جو تم نے گزشتہ بیس سال سے نہیں دی تھی، لیکن پھر اچانک ادا کرنی ہے۔ لیکن پھر اچانک تمہاری کمپنی میکسیکو منتقل ہونے کا اعلان کرتی ہے اور تمہارے بغیر، تمہاری بیوی کو آج فیصلہ مشیر کے خیال میں تین افراد کا کام ایک آدمی آسانی سے کر سکتا ہے۔ اور ننھا جمی کسی نامعلوم بیماری میں مبتلا ہو گیا ہے۔ کیونکہ اس نے میک نگٹ فرائٹر سوے کچھ لے کر کھا لیا تھا اور تمہارا میڈیکل افسر کہتا ہے کہ علاج کے مصارف میں جمی کا آپریشن نہیں آتا۔ اگرچہ وہ بیرونی مریض کے طور پر اس کا علاج بخوشی کریں گے۔ بشرطیکہ تم ہفتے میں دوبار تیجوانا جانے پر رضامند ہو جاؤ کیونکہ وہ فری ٹریڈ (آزاد تجارت) کی مہربانی سے سرحد سے ذرا ہی فاصلے پر بیرونی مریضوں کے لیے ایک نیا کلینک کھولیں گے۔ جمی نے جو آدھا میگنٹ کھا گیا تھا، جس میں سے وہ کپڑا نکل آیا تھا اب معلوم نہیں کہ کلینک اس کی ذمہ داری لے گا یا نہیں۔ معاف کیجئے گا واجبات وصول کرنے والی ایجنسی نے ابھی

فون پر کہا ہے کہ تمہاری نئی سلیکا کار واپس لینا چاہیں گے کیونکہ تم نے ایک قسط ادا نہیں کی اور سنو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب تم تجوانہ جاؤ اور جمی کو وہاں چھوڑ کر واپس ہو تو پھر گلی میں اپنی پرانی نوکری کے لیے درخواست دے بیٹھو، جہاں تمام شراکت کاروں کو دینے کے لیے اپنی اپنی کوٹھریاں ملتی ہیں اور جب وہ صبح پانچ بجے کام پر پہنچتے ہیں تو ناشتے میں ایک ایک موٹی روٹی مفت ملتی ہے۔

معاف کیجئے گا اگر میں یہ کوئی خواب دیکھ رہا ہوں لیکن کیا ایک ہی سال پہلے حالات کچھ اس طرح کے نہیں تھے؟ کیا ہمیں یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ ہم ''اپنی تاریخ کی سب سے وسیع اقتصادی ترقی کے دور سے گزر رہے ہیں، کیا ایسا نہیں تھا کہ حکومت ۵۵ سال تک خسارے میں چلتی رہی اور بالآخر بڑے فخر سے یہ اعلان کیا گیا کہ سرمایہ اب ''ضرورت سے زیادہ'' آ گیا ہے۔ اتنا زیادہ کہ اب امریکہ میں ہر سڑک، ہر پل اور ہر دانت کی مرمت ہو سکتی ہے۔ ہوا اور پانی میں کثافت کم سے کم رہ گئی ہے جو پچھلے عشروں میں کبھی نہیں تھی۔ نو عمری میں اسقاط حمل کی شرح اب اتنی گر گئی ہے کہ نظر نہیں آتی۔ ہائی اسکولوں اور کالجوں سے پہلے سے کہیں زیادہ تعداد میں نوجوان فارغ ہو کر نکل رہے ہیں۔ بوڑھوں کی عمریں بڑھ گئی ہیں، اب تم کھٹمنڈو کو ایک منٹ کی جون کال بارہ سینٹ میں کر سکتے ہو اور انٹرنیٹ ساری دنیا کو ایک دوسرے سے بہت قریب لا رہا ہے۔ سوائے ان دو بلین لوگوں کے جو بغیر بجلی کے زندگی گزار رہے ہیں۔ فلسطینی اسرائیلیوں کے ساتھ کھانے میں شریک ہونے لگے۔ شمالی آئرلینڈ میں کیتھولکس نے پروٹسٹن کے ساتھ مشروب میں شرکت کی۔ جی ہاں، زندگی میں پہلے ہی بہت بہتر ہو گئی ہے اور یہ تو ہمیں خود بھی محسوس ہو رہا ہے۔ لوگوں میں اب پہلے سے زیادہ دوستانہ جذبات بڑھ گئے ہیں۔ راہ چلتے اجنبی بھی اس دن کا وقت بتا دیا کریں گے اور ریکس نے اپنے سوالات اتنے آسان بنا دیئے ہیں کہ اب ہمارے یہاں کروڑ پتی لوگوں کی تعداد بہت بڑھ جائے گی۔ پھر کچھ ہو گیا۔ سرمایہ لگانے والوں کے لاکھوں ڈالر سٹاک مارکیٹ میں ڈوب گئے۔ پچھلے دس سال میں پہلی بار کار جرائم کی شرح بڑھ گئی۔ بیروزگاری آسمان سے باتیں کرنے لگیں۔ امریکہ کے مثالی ادارے مونٹگمری وارڈ اور ٹی ڈبلیو اے غائب ہو گئے۔ اچانک ہمارے ہاں ۲۵ لاکھ بیرل تیل کی یومیہ قلت پیدا ہو گئی۔ اسرائیلیوں نے ایک بار پھر فلسطینیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا اور فلسطینیوں نے اس مہربانی کا جواب دیا

کہ ۲۰۰۱ء تک دنیا کے ۳۷ ممالک ایک دوسرے کے خلاف برسر جنگ نظر آئے۔ اقوام متحدہ نے اپنے حقوق انسانی کے کمیشن سے ہمیں ٹھوکر مار کر باہر نکال دیا اور یورپین یونین نے ہم کو یہ الزام دیا کہ ہم نے یکطرفہ طور پر سٹار وار شروع کر کے اے بی ایم معاہدہ (میزائل کے خلاف معاہدہ) کی خلاف ورزی کی ہے۔ ایک ایسی فلم کی تلاش دشوار بلکہ انتہائی دشوار ہو گئی۔ لاکھوں افراد نے نیٹ ورک ٹیلی ویژن دیکھنا چھوڑ دیا اور جس ریڈیو اسٹیشن کو بھی لگاؤ وہی خرافات سنائی دے گی۔

مختصر یہ کہ بالکل اچانک طور پر ہر چیز ناپسندیدہ اور ناگوار ہو گئی۔ خواہ اس کا سبب متزلزل معیشت ہو، انرجی کی گرتی ہوئی فراہمی ہو۔ امکان سے دور ہوتا ہوا عالمی امن ہو سب کچھ ختم ہو گیا۔ صحت کے کوئی اسباب نہیں یا رائے دہی کا وہ عمل ہے جسے برتنا ممکن نہیں تھا اور ہم سے کہا گیا کہ ایک صدر چن لو اور یہ بات بیشتر امریکیوں پر بہت اچھی طرح کھل گئی ہے کہ کوئی بھی تدبیر کارگر ہوتی نظر نہیں آتی۔ فائر اسٹون کے ٹائر کام نہیں کر رہے ہیں اور ان پر چلنے والے فورڈ ایکسپلورر بھی نہیں چل رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم سے کچھ بھی نہیں ہو رہا ہے۔ اس لیے کہ تم مر چکے ہو، ہاتھ پاؤں سے معذور ہو چکے ہو اور ڈنکن ڈونٹس کے باہر کسی کھڈ میں پڑے ہیں۔

۹۱۱ کام نہیں کر رہا ہے۔ ۴۱۱ بھی کام نہیں کر رہا ہے۔ سیل فون کام نہیں کرتے اور اگر کام کر رہے ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کوئی احمق ساتھ کے میز پر بیٹھا اپنے دلائل سے بحث کر رہا ہے اور تم کھانا کھانے کی کوشش کر رہے ہو۔

انتخاب کی آزادی اب بھولی بسری بات ہوئی۔ اب چھ میڈیا کمپنیاں، چھ فضائی کمپنیاں، ڈھائی عدد کا بنانے والے اور ایک ریڈیو اور اس کے ساتھ دوسرے ادارے باقی رہ گئے ہیں۔ ہر وہ چیز جس کی تمہیں کبھی ضرورت ہوگی ساتھ والی مارٹ میں ہے۔ تم دو سیاسی پارٹیوں میں سے جو ایک ہی جیسی لگتی ہے ایک کا انتخاب کر سکتے ہو، ووٹ بھی ویسا ہی دے سکتے ہو اور بالکل ویسے ہی دولت مند عطیہ دہندگان فنڈ بھی دیں گے۔ تم زردی مائل معمولی لباس پہن سکتے ہو اور چاہو تو مارلن مینس کی ٹی شرٹ پہن لو، اس کے ساتھ ہی لات مر کر اسکول سے باہر نکال دیئے جاؤ گے، اسکول چاہے پر یٹنا ہو یا کرسٹاناڈبلیو بی ہو یا یوپی این اور وہ ریاست فلوریڈا کی ہو یا ٹیکساس کی۔ اس میں ذرا بھی فرق نہیں، بس ایک ہی بات

ہے، ایک ہی بات ہے۔

یہ سب کچھ ہوا کیسے؟ صرف تین مختصر الفاظ

گھامڑ سفید آدمی

ذرا سوچو تو سہی۔ بش کے چھوکرے، جنہیں پاپا کے سیاسی ذہن کی لاغری وراثت میں ملی ہے (ذاتی خصوصیات کا کیا تذکرہ) اور اسے انہوں نے اور بھی نحیف پا کر اپنے درمیان تقسیم کیا ہے۔ ڈک چینی، ڈونلڈ رمسفیلڈ اسپنر ابراہیم اور دیگر ضعیف العقل، جنہیں بش نے نئے سرے سے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے لیے سہارا دیا۔ فارچون 500 کی سربراہی، ہالی وڈ کے پس پردہ جادوگر۔

500 چینل ٹی وی، پروا نہیں اگر ایک اوسط امریکی اپنی نئی کار کو پندرہ میل فی گیلن چلاتا ہے اور سوچتا ہے "برا نہیں ہے"۔اورادھر اوزون کے بادل اس کے سر پر منڈلاتے ہیں۔

میں سچ کہہ رہا ہوں۔ پورے کرۂ ارض کو کچلا جا رہا ہے اور مجھے یہ یقین ہے کہ اب اس نے دفاعی حملہ کرنا شروع کر دیا ہے۔ ایک روز گزشتہ فروری میں شکاگو میں درجہ حرارت 70 ڈگری تک پہنچ گیا اور پھر کیا ہوا؟ ہر شخص اس طرح لگ رہا تھا جیسے کہہ رہا ہو۔ واہ کیا زبردست بات ہے۔ لوگ نیکر پہنے پھر رہے تھے اور ایک لیگ مشیگن کا ساحل غسل آفتابی لینے والوں سے پٹا پڑا تھا۔ سڑک پر چلتے چلتے ایک خاتون مجھ سے کہنے لگیں۔ "لڑکے یہ موسم مجھے پسند ہے"۔

میں نے کہا کہ آپ اسے پسند کرتی ہیں؟ میں آپ سے پوچھوں گا کہ سورج اگر آج اچانک آدھی رات کو نکل آئے تو اس وقت کیا آپ یہی کہیں گی۔ واہ کیا خوبصورت وقت ہے۔ یہ مجھے پسند ہے۔ دن کو اور بھی روشن ہونا چاہئے؟ نہیں، یقیناً آپ یہ نہیں کہیں گی۔ آپ اس وقت حادثاتی طور پر حرارت کے اس درجے کو پہنچ جائیں گی جس کی کبھی پیمائش نہیں ی گئی۔ اس وقت آپ چیخ رہی ہوں گی۔ لوگو، قتل ہو گیا، زمین گھومتے گھومتے قابو سے باہر ہوگئی۔ یہ تو ایک سیکنڈ میں دس لاکھ میل رفتار سے سورج کی طرف بھاگ رہی ہے۔ مجھے اس میں شک ہے کہ اس وقت سورج کی طرف سے بونس میں ملنے والی آفتابی شعاعوں کی خاطر ساحل کی طرف بھاگ رہا ہو گا۔ ٹھیک ہے ابھی اتنا برا حال نہیں ہوا۔ ممکن ہے اس وقت کسی نے ملوا کی پر ایک ہزار وار ہیڈز پھینکے ہوں اور یہ جو شمال میں تیز روشنی نظر

آ رہی ہے تو یہ ایٹمی تجربے کی چمک ہوگی جو کنارے پر واقع شراب کی فیکٹریوں سے ٹکرا رہی ہوگی لیکن آپ ''ہیل میری'' (Hail Mary) اور گاڈ ہیومرسی (خدا رحم کرے) کہتی ہوئی عالم برزخ کی سزا سے دس سال پہلے ہی فارغ ہو چکی ہوں گی۔

پھر ہم کس طرح سوچتے ہیں کہ سال کے سرد ترین موسم اور امریکہ کے سرد ترین شہر میں 70 درجہ حرارت کا موسم ایسا ہے کہ اس پر خوش ہو کر بات کی جائے۔ ان موسمی تبدیلیوں کے لیے تو ہمیں اپنے نمائندوں کے خلاف کارروائی کا مطالبہ کرنا چاہئے اور جو لوگ اس کے ذمہ دار ہیں ان کو جلد سزا دی جانی چاہئے۔ دوستو! یہ ٹھیک بات نہیں ہے، کوئی خوفناک قسم کی خرابی ہے اور اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں تو اس مردہ جراثیم زدہ گائے سے پوچھو جسے تم گہرے پانی میں ڈبو رہے ہو۔ تمہارے سوال کا جواب اسے معلوم تھا لیکن اس سے پہلے کہ ہم اس کا جواب اس کے منہ سے سنتے، تم نے اسے ہلاک کر دیا۔

لیکن ہمیں دھرتی ماں کے لیے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ اس سے بھی بدتر حالات میں سلامتی کے ساتھ گزر رہی ہے جو لوگ درختوں کو سینوں سے لگاتے ہیں، وہ بے شک ان پر اپنی راتوں کی نیندیں حرام کریں۔ ہم پیسہ بنانے میں بہت مصروف ہیں۔

ہائے پیسے، کامیابی کی میٹھی سی بد بو، دو سال پہلے میں ایک شخص سے جو تھوک مال کا دلال تھا بار میں باتیں کر رہا تھا، اس نے مجھ سے میری سرمایہ کاری کے بارے میں پوچھا۔ میں نے جواب دیا، میرے پاس کوئی سرمایہ نہیں اور بیچنے کے لیے کوئی شیئر نہیں، وہ تو ششدر رہ گیا، بولا تمہارا مطلب ہے کہ تمہارے پاس کوئی پورٹ فولیو نہیں، میاں تم اپنی رقم کہاں رکھتے ہو۔

میں نے جواب دیا ''میں نہیں سمجھتا کہ'' اپنی رقم پورٹ فولیو میں رکھنا کوئی اچھی بات ہے یا بریف کیس میں حتیٰ کہ تکیے کے نیچے دبا کر رکھنا بھی کوئی اچھی بات نہیں۔ اگر میری کوئی بچت ہوتی ہے تو اس جگہ رکھ دیتا ہوں جسے بینک کہتے ہیں جہاں ''پرانے لوگوں کے بقول میرا سیونگ اکاؤنٹ ہے''۔

وہ کچھ خوش نہیں ہوا۔ کہنے لگا۔ تم اپنے آپ کو اذیت دے رہے ہو اور اپنے ساتھ غیر ذمہ داری برت رہے ہو۔ مجھے یاد رہے کہیں پڑھا تھا کہ تم نے اپنی فلم سے خاصی کمائی کی تھی۔ میں ٹھیک کہتا ہوں نا؟ وہی رقم اس سال پہلے اگر تم اسٹاک مارکیٹ میں لگا دیتے تو معلوم ہے، آج تمہارے پاس کتنی بڑی رقم ہوتی؟ غالباً تین کروڑ ڈالر۔

تین کروڑ ڈالر، اور وہ میرے ہوتے؟ افوہ، میرا ذہن کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔

اچانک مجھے ابکائی آنے لگی۔ مجھے محسوس ہوا جیسے میرے سارے اصول اور عقائد زمین بوس ہو جائیں گے۔ میں نے اس سے معذرت کی اور باہر آ گیا۔ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد اس نے میرے گھر کا پتہ معلوم کر لیا اور مجھے ہفتے کے ہفتے مارکیٹ اپ ڈیٹ اور پروپیگنڈے کا دوسرا مواد اس امید پر بھیجتا رہا کہ میں اپنے بیٹے کے کالج کا فنڈ اسے دے دوں گا کہ وہ اسے اسٹریٹ میں جوئے پر لگا دے۔

سرمایہ کاری کے واقع والے خبر نامے میرے پاس آنے بند ہو گئے۔ پچھلے اٹھارہ مہینوں میں مائکروسوفٹ 120 ڈالر ہو گیا۔ ڈل 5 ڈالر سے 16 ڈالر رہ گیا۔ اور ٹپس کام اور پیارا پیارا اسٹاک سپورٹ اپنی آخرت کو پہنچا۔ نس ڈیک کی قیمت تقریباً 40 فیصد گر گئی۔ اور اوسطاً امریکی عوام جو اپنی چھوٹی بچتوں کے ساتھ مارکیٹ میں کھیل رہے تھے۔ اس دیوانگی کے نتیجے میں اربوں ڈالر ڈبو بیٹھے۔ پہلے جو ہم جلد ریٹائرمنٹ کے بارے میں سوچتے رہتے تھے تو اب یہ خیال خواب ہو گیا۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہوگی اگر ہماری محنت کے اوقات 82 گھنٹے پورے یا رفع حاجت کا وقت آنے تک جو پہلے آجائے کم کر کے دوبارہ 40 گھنٹے کر دیئے جائیں۔

دراصل ہم سب تو نہیں لیکن ملک میں تقریباً 56 ہزار لکھ پتی ہیں اور یہ ڈاکو ملک کے اندر سے نکلے ہیں، انہوں نے مال بنایا ہے کیونکہ ابتداء کرنے کے لیے ان کے پاس اچھی خاصی رقم تھی، وہ رقم انہوں نے کمپنیوں میں لگائی۔ یہ کمپنیاں مزدوروں کو بیروزگار کر کے بچوں سے محنت لے کر اور دوسرے ملکوں کے ناداروں کی مشقت کی بدولت اور اپنے ٹیکسوں میں بھاری تخفیف کے ذریعے دولت مند ہو گئیں۔ ان کے لیے محض لالچ کافی نہ تھی۔ یہ تو لازمی تھی۔ دراصل وہ لالچ کا موسم تیار کرنے میں ہوشیار تھے یہاں تک خود لفظ لالچ بھی متروک ہو گیا۔ اب اس کا نام ''کامیابی'' ہے۔ وہ مقررہ وقفے سے آتی ہے۔ اس پر فوری کوئی غلط اور فاش غلطی نہیں ہوئی یہاں تک کہ وہ ہماری زندگی کا اس حد تک حصہ بن گئی کہ جب یہ کردار حریص ہو گیا اور الیکشن میں آ گیا تو وہ جیت نہ سکا اور ہم پیچھے کھڑے ہو گئے اور کامیابی اس کے حوالے کر دی۔ وہ لالچ میں نہیں آ گیا تھا بس ذرا چالاک بن گیا تھا جس طرح بڑی زراعتی کمپنی کی پرفریب اسکیمیں ہوتی ہیں کہ آپ جو دلیہ کھاتے ہیں اس

کے گندم کی جینیاتی ساخت کو تبدیل کر دیں، یہ کوئی مجنونانہ، حرص پر مبنی حرکت نہیں ہوتی بلکہ اسے ترقی کہتے ہیں۔ جس طرح آپ کا ہمسایہ وہ بڑی سے بڑی گاڑی حاصل کرنا چاہتا ہے جواب تک بنی ہو، اسے لالچ نہیں کہتے۔ وہ گاڑی میں زیادہ سبقت چاہتا ہے۔

یہ گھامڑ گورا جرثومہ اتنا قوی ہے کہ اس کا چھوت کولن پاول، سیکرٹری داخلہ گیل نوٹن اور قومی سلامتی کے مشیر کونڈا لیزا رائسن جیسے گھوڑوں کو بھی لگ گیا ہے اور اس نے گہرا خوف و ہراس پھیلا رکھا ہے۔ بڑے پیمانے پر قومی خوف کہیں بھی تم جاؤ، یہ خوف تمہیں محسوس ہوگا، یہ ہمارے وجود میں اتنی گہرائی تک پیوست ہوگیا ہے کہ ہم غالباً اس سے کبھی شفایاب نہ ہوسکیں گے۔

جی ہاں! ہم شدت سے یہ کوشش کر رہے ہیں کہ اس ساعت کو بھول جائیں جب اس مکروہ تہذیبی تبدیلی نے عام لوگوں پر اثر ڈالا اور شر کی قوتوں نے غلبہ پالیا۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ کیا ہے اور تم بھی جانتے ہو کہ وہ کیا ہے۔ یہاں تک کہ ہم جیسا احمق بھی جانتا ہے کہ وہ کیا ہے۔ یہ وہی مسروقہ الیکشن ہے۔ مسروقہ چھن جانے والا، اغوا شدہ اور امریکی عوام کے ہاتھوں سے اور دلوں سے نوچ کر لیا جانے والا، اس بات پر کوئی اختلاف نہیں کہ سب سے زیادہ ووٹ کس نے لیے اور اب تو اس پر بھی سوال کرنے کی ضرورت نہیں کہ فلوریڈا میں کیا چالبازی ہوئی لیکن جس نے اسے جیتا یہ وہ شخص نہیں جس کے ساتھ ہم آج سہ پہر فٹ بال جنوبی لان میں کھیلیں گے۔

جی ہاں، ہم سب اپنے آپ کو یہ نہیں بتا رہے ہیں کہ واقعی کتنی بڑی بات ہوئی۔ اب اس پر قابو پالو، ہمیں یہ مشورہ دیا گیا تھا لیکن ان 36 دنوں کے اندر رونما ہونے والے واقعات نے ہمیں اسے بری طرح جھنجوڑ دیا کہ ہمارے اندر کا سارا غرور نکل گیا۔ ہم ادھر ادھر ٹھوکریں کھا رہے ہیں اور تکلیف سے ہمارے چہرے نیلے پڑ گئے ہیں اور سوچ رہے ہیں کہ ہمیں کبھی نجات بھی ملے گی۔ کیا میری ملازمت آئندہ سال باقی رہے گی؟ ریٹائرمنٹ کے بعد میرے فنڈ کا کیا ہوگا؟ کیا غذائی میں برف کے ٹکڑے بھی شمار کیے جائیں گے۔

تم اسے شمار نہیں کرتے۔ اس سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ وہ ساری باتیں جن پر تمہیں عمل کرنے کے لیے کہا گیا ہے، یعنی ووٹ دو، قانون کی پابندی کرو۔ اپنی شراب کو ٹھنڈا رکھنے والی بوتلوں کو دوبارہ استعمال کرو۔ یہ باتیں بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ تم چاہو تو اپنی کھڑکی پر پردے تان لو اور فون کو بند کر دو۔ کیونکہ تم اور تمہارے دیگر امریکی بھائی لالچی

بے مصرف قرار دے دیئے گئے ہیں۔ میں افسوس کے ساتھ آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ بطور شہری آپ کی خدمات کی ضرورت نہیں رہی۔

چنانچہ اب انتشار کی خبر سال رواں ہے اور قوم کی مایوسی کی صورت میں تمہارے قوموں کے نیچے جنبش کرنے لگی ہے۔ لوگوں کا گلہ شکوہ کم نہیں ہو رہا ہے بلکہ ہر دن کے ساتھ بڑھتا جا رہا ہے، الیکشن کے آٹھ ماہ بعد ٹھیک 2001ء میں فاکس نیوز نے اپنے پول کے نتیجے میں یہ اعلان کیا کہ امریکہ 60 فیصد رائے عامہ اب تک یہ نہیں کہہ سکی کہ بش نے وائٹ ہاؤس پر کیسے قبضہ جمالیا ہے۔ یعنی وہ لوگ اب تک خفا ہیں۔ ہمارے لیڈر کے خلاف اس جارحانہ عناد کو پلتے ہوئے خاصہ زمانہ ہو گیا ہے، یعنی ایک موڑ ہے جو ایک ہی جست میں بے قابو ہو جانے کو ہے۔ اس میں کسی نفیس شکریا اور اوپر کی ترغیب ضروری نہیں ہوگی۔ یہ وہ موڑ ہے جو تاریخ کا رخ بدل سکتا ہے۔ سیاسی میدان کے مختلف الخیال لاکھوں امریکی اپنے آپ کو متزلزل، بے یقین اور الگ تھلگ محسوس کرنے لگے ہیں۔ باقی جو رہ گئے، وہ جیل میں ہیں۔

ملک کے قلب میں عام خیال یہ پایا جاتا ہے کہ ملک کا جہاز دھوئیں پر چل رہا ہے اور کوئی شخص اسے چلانے کے لیے وہیل پر موجود نہیں کیونکہ جو ڈرائیور اس کام پر مقرر ہے اسے کسی نے مقرر نہیں کیا۔ خود ساختہ ڈرائیور ہے اور نشے میں دھت ہے۔

ری پبلکن پارٹی میں کٹر قسم کے ارکان بدحواسی کی حالت میں یہ امید لگائے بیٹھے ہیں کہ ڈک چینی ابھی مزید نصف درجن ہارٹ اٹیک جھیل جائے گا اور اس وقت تک زندہ رہے گا کہ وچیٹ (Wichih) کے مغرب میں جو کچھ بھی ہے، اس کی بے حرمتی اور لوٹ مار کو اپنی نگرانی میں ہوتا ہوا دیکھے۔ جو بات وہ لوگ نہیں سمجھتے یہ ہے کہ اس شخص نے ملک کو پہلے ہی بندش قلب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اس دوران میں وہ اور اس کے ٹولے کے افراد دہری تیز رفتاری کے ساتھ مصروف ہیں کہ ماحول کو، آئین کو اور تلابیسی کی شہادتوں کو، جس قدر غارت کر سکتے ہوں کر لیں۔

ایک بات جس کا مجھے کامل یقین ہے، یہ ہے کہ مرض کی تشخیص اور ترجیحی بنیاد پر اس کے علاج کا وقت قریب آ رہا ہے۔ انتظامیہ کو سہارا دینے کے لیے امریکی عوام نے جو اعانتی طریقہ وضع کیا ہے، اب وہ رعایت واپس لے لیں گے اور اتنی تیزی سے کہ تم بھی ''جیک نے کیور کیان پر تھوکا'' کے الفاظ منہ سے ادا نہ کر سکو گے۔

لہٰذا مسز نورٹن پھرتی نظر آوَ۔ آخری بار میں نے سنا تھا درخت دوبارہ اگ آتے ہیں اور تم مسٹر رمسفیلڈ اور کولن پاول دھاکے کے ساتھ دفعان ہو جاوَ۔ اب ہمارے پاس سارجنٹ چیک وائزنہیں رہا جو تمہارے سینوں پر تمغے سجائے اپنی راہ نکالو مسٹر ابراہیم اس سے پہلے کہ تمہیں خبر ہو، ہم گروز پونٹی باٹ کلب کے سامنے تمہارے لیے گیس چھوڑ دیں گے۔

اپنے سینٹ جیفورڈ آف ورمورلٹ کی وجہ سے جلد ہی ہاتھی ڈوبتے ہوئے جہاز سے باہر کودنے لگیں۔ باقی رہے ہم لوگ تو آرام سے بیٹھے تماشہ دیکھیں گے اوراس پر غور کریں گے کہ آئندہ ماہ گھر کا کرایہ کیسے دیں گے اوراس وقت کہاں پناہ لیں گے جب انتونن اس کا لیا کی باقیات ہم پر اس طرح برسنی شروع ہوں گی جیسے جنوری کی بارش لیکن ذرا ٹھہریئے جنوری میں بارش کی توقع نہیں کی جاتی۔

دیکھیے خوف و ہراس کیسے بڑھتا ہے، میڈیا ''ابلاغ کے ذریعے'' اپنے منتر پھر لیں اور عقل کے پتلے اپنے جھوٹ کو بیچنے کی کوشش کرتے رہیں جنہیں وہ اتنی بار دہراتے ہیں کہ سچ معلوم ہونے لگیں لیکن آپ لاکھوں امریکی ان کے فریب میں آنے والے نہیں۔ اسٹاک مارکیٹ اب فطری انداز سے گردش میں نہیں ہے، جینیاتی طور پر زائد گوشت میں کوئی بات فائدے کی نہیں۔ مدد دینے کے لیے بینک تمہارے ساتھ کام کرنا نہیں چاہتا تاکہ تم آگے بڑھ سکو، اور کیبل والا صبح آٹھ سے پانچ بجے شام کے درمیان نہیں آتا بلکہ درحقیقت کسی بھی وقت نہیں آتا۔ یہ سب محض خرافات ہے۔ سر پاؤں تک بکواس اور جونہی وہ سمجھ لیں گے کہ ہم ان کے درپے ہیں اور ان تک پہنچنے ہی والے ہیں اس قدر جلد ہمارا ملک ہمیں واپس مل جائے گا۔

آج میں اپنی ایک سال پرانی گاڑی جسے چلے ہوئے چار ہزار میل ہوئے لے کر ڈیلر کی ورکشاپ پہنچا، جہاں سے میں نے اسے خریدا تھا؟ کیوں؟ مجھے کچھ یوں لگتا تھا کہ جب میں اسے اسٹارٹ کرنے کی کوشش کرتا اسٹارٹ نہ ہوتی، میں نے اس کی ہر چیز بدل دی، اسٹارٹر، بیٹری، فیوز اور کمپیوٹر چپ لیکن کسی سے بھی مسئلہ حل نہیں ہوا، جب میں نے یہ ماجرا سروس منیجر سے بیان کیا تو وہ مجھے ڈھٹائی کے ساتھ خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگے۔ اس نے کہا کہ یہ نئی بیٹری جب تک تم انہیں روزانہ نہ چلاوَ اسٹارٹ نہیں ہوتیں۔

میں نے خیال کیا کہ شاید مجھے سننے میں غلطی ہوئی۔ بہرحال وہ ٹھیک ٹھاک انگریزی، بول رہا تھا لہٰذا میں نے ایک بار پھر پوچھا کہ اس میں مسئلہ کیا ہے؟

اس نے مجھ پر ترس کھاتے ہوئے اپنا سر ہلایا اور بولا۔ دیکھو جی، یہ فاکس ویگن گاڑیاں ایک کمپیوٹر سسٹم سے چلتی ہیں اور اگر کمپیوٹر نے کسی طرح کی حرکت نہیں دیکھی یعنی یہ کہ تم نے اسے نہ اسٹار کیا اور نہ ہر روز چلایا تو کمپیوٹر یہ فرض کرے گا کہ گاڑی کی بیٹری ختم ہو گئی ہے یا ایسی ہی کسی اور بات ہوئی ہے لہٰذا وہ گاڑی کو بند کر دیتا ہے۔

تو کیا ایسا کوئی طریقہ ہے کہ تم خود یا کوئی اور شخص جو تمہارے علم میں ہو، گاڑی کو گیراج میں لے جائے اور ہر روز اسے اسٹارٹ کرے؟

میں نہیں جانتا مجھے کیا کہنا چاہئے۔ اگر تم روزانہ کار کو اسٹارٹ نہیں کرو گے تو وہ مر جائے گی۔

تو کیا یہی میری بد دماغی ہے کہ ایک کار پر بیس ہزار ڈالر خرچ کرنے کے بعد میں توقع کرتا ہوں کہ جب میں اگنیشن میں چابی لگاؤں تو وہ اسٹارٹ ہو جائے؟ آج کی دنیا میں بہت کم چیزیں یقینی رہ گئی ہیں۔ سورج مغرب میں اب بھی ڈوبتا ہے۔ پوپ اب بھی کرسمس میں نصف شب کا دعائیہ ادا کرتا ہے۔ اسٹرام تھرمنڈ میں اب بھی جان پڑ جاتی ہے، جب قریب میں کوئی سجن خاتون اول نظر آ جاتی ہے، میں نے سوچا تھا کہ میں کم از کم ایک آخری چیز کو اپنے عقیدے کی حد تک درست سمجھ کر اس پر قائم رہوں گا۔ ایک برانڈ نیو (نئی نکور) گاڑی ہمیشہ اسٹارٹ ہوتی ہے۔

جی ہاں، ہم جانتے ہیں شہر میں ہر روز کوئی گاڑی نہیں چلاتا۔ لوگ سب وے سے سفر کرتے ہیں واقعی یہ شرم کی بات ہے۔ کبھی آپ نے فاکس ویگن والوں کو خط لکھنے کی کوشش کی؟ کیا آپ کے پڑوس میں کوئی لڑکا ہے جو ہر روز آ کر چند منٹ کے لیے گاڑی چلا دیا کرے؟

بس ایک گاڑی لے کر پھنس گیا ہوں جو نہیں چلتی اور ایک ایسے ملک میں جہاں کچھ بھی نہیں چلتا۔ ہر شے چوسنے کے درپے ہے اور یہاں ہر مرد، عورت اور بچہ سب اپنے لیے ہیں۔ سلامتی انہی کے لیے ہے جو سب سے زیادہ دولت مند ہیں، جانیں بچانے والی کشتی تمہارے لیے نہیں، تمہارے لیے یا تمہارے لیے،

تو پھر کوئی بہتر راستہ نکالنا پڑے گا۔

گاؤدی گورے
ایک خالص امریکی انقلاب

اقوام متحدہ کی فوجوں نے ۹ جنوری ۲۰۰۱ء کو چھ بجے براعظم شمالی امریکہ کے اندر کہیں سے آنے والا درج ذیل پیغام پکڑا۔

''میں ایک امریکی شہری ہوں۔ ہماری حکومت کا تختہ الٹا گیا، ہمارے منتخب صدر کو جلاوطن کر دیا گیا ہے۔ گوری چمڑی والے بوڑھوں نے جوڈ کی پہنے، کاک ٹیل لنڈھا رہے ہیں، ہمارے قومی دارالحکومت پر قبضہ کر لیا ہے۔ ہمارے محاصرے میں ہیں، ہم امریکہ کی جلاوطن حکومت ہیں۔

ہماری تعداد معمولی نہیں۔ ہمارے درمیان پندرہ کروڑ ۴۰ لاکھ سے زائد بالغ افراد ہیں اور ۸ کروڑ بچے ہیں، یعنی ۲۳ کروڑ ۴۰ لاکھ افراد، جنہوں نے ان کو ووٹ نہیں دیئے اور جن کی وہ نمائندگی نہیں کرتے، وہی حکومت پر قابض ہونے والے لوگ۔

الگور امریکہ کا منتخب صدر ہے۔ اس نے جارج ڈبلیو بش سے زیادہ یعنی ۵۳۹،۸۹۸ ووٹ لیے لیکن ایوان صدر میں آج رات وہ نہیں بیٹھا ہے۔ اس کی بجائے ہمارا منتخب صدر کسی مقصد یا فریضے کے بغیر ملک میں گشت لگا رہا ہے اور جب کالج کے طلباء کو خطاب کرتا ہے وہ اس وقت نمودار ہوتا ہے، اپنے لٹل ڈیبی اسنیک کیک کی کہی کو پورا کرنے کی خاطر۔

الگور جیت گیا تھا، الگور جلاوطن صدر، پریذیڈنٹ الگور زندہ باد۔

تو پھر وہ شخص کون ہے جو ۱۶۰۰ پنسلوانیا ایوینو میں براجمان ہے؟ میں آپ کو بتاتا ہوں، کون ہے، یہ ہے جارج ڈبلیو بش امریکہ کا ''صدر''۔ چوروں کا سرغنہ

اب تک معمولی تو یہ تھا کہ سیاستدان عہدے تک پہنچنے، یعنی عیار بننے تک، انتظار

کرتے تھے۔ یہ تو ایک طے شدہ منصوبے کے تحت آ گیا۔ اب وفاق کی سرزمین پر وہ ایک مداخلت کار ہے۔ اوول آفس (ایوان صدر) میں ایک ناجائز قابض۔ اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ وہ گواٹے مالا سے آیا ہے، تو آپ کا دل نہیں دھڑکے گا اور آپ فوراً یقین کر لیں گے۔ خواہ آپ کے سیاسی عقائد کچھ بھی ہوں لیکن جبکہ تختہ الٹنے کی یہ کارروائی امریکی پرچم میں لپیٹ کر کی گئی ہے۔ آپ کے پسندیدہ سرخ، سفید اور نیلے رنگوں میں، اس لئے کارروائی کرنے والوں نے باور کر لیا کہ وہ بچ نکلیں گے۔

یہی وجہ ہے کہ ۲۳ کروڑ ۴۰ لاکھ امریکیوں کی جانب سے جنہیں یرغمال بنالیا گیا ہے، میں آپ سے درخواست کرتا ہوں وہی کام نیٹو کو یہاں بھی کرنے دیجئے جو اس نے بوسنیا اور کوسوو میں کیا، جو امریکہ نے ہیٹی میں کیا، جو لی مارون نے ''ڈرٹی ڈزن'' میں کیا۔ اپنا بحری بیڑہ بھیجو، سکڈ میزائل مارو، ہمیں اینٹونن اسکالیا کا سر چاہئے۔

میں نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کوجی عنان کو ایک نجی پیغام بھیجا ہے کہ وہ ہماری درخواست کی سماعت کریں۔ اب ہم اس قابل نہیں رہے کہ خود حکومت کریں یا آزادانہ اور منصفانہ انتخابات ہی کرالیں۔ ہماری ضرورت ہے، اقوام متحدہ کے مبصرین، اقوام متحدہ کے فوجی دستے، امریکہ کی قرار دادیں۔

دفع کرو یہ سب کچھ، ہمیں چاہئے جمی کارٹر۔

اب ہم تیسرے درجے کی ایک ''بنانا ری پبلک'' (بے وسیلہ ریاست) سے کچھ زیادہ نہیں رہے۔ اب ہم اپنے سے یہ سوال کرنے لگے ہیں کہ آخر ہم میں سے کسی کو کیا پڑی ہے کہ صبح تڑکے اٹھے اور جان کھپا کر اشیاء تیار کرے اور خدمات بجا لائے، محض مٹھی بھر حکمرانوں اور تجارتی اجارہ دار امریکہ کی ذریات کے لیے (یہ تاجر ایک الگ ہی خود مختار حکومت ہیں جو کچھ عرصے سے بطور خود کام کر رہے ہیں۔) ہم اپنے ٹیکس دے کر حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے ان کی مالی مدد کیوں کریں؟ کیا ہم آئندہ پھر اپنے بیٹوں کو جنگ کرنے کے لیے بھیج سکیں گے کہ اپنی جان دے کر ''ہماری طرز زندگی'' کا دفاع کریں، جبکہ اس کا مطلب دراصل ان بوڑھوں کا طرز زندگی ہے جو ہیڈ کوارٹر کے اندر گھس کر بیٹھ گئے ہیں، جس پر پوٹو میک نے قبضہ کر لیا؟

اوہ جیسس میری اور جوزف۔ بس اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتا، کوئی مجھے

عالمگیرقسم کا ریموٹ دے دے، میں بٹن دبا کر پریوں کی وہ کہانی واپس لانا چاہتا ہوں جس میں، میں ایک ایسی جمہوریہ کا شہری ہوں جسے زندگی میں آزادی اورمزیدار کھانے کے حصول کے لیے ناقابل تنسیخ استحقاق حاصل ہو۔ اس کہانی کی رو سے میں بچہ ہوتے ہوئے اپنی جگہ اہم ہوں اوراپنے ہم وطنوں میں سب کے برابر کا شہری۔ اورہم میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی مختلف یا غیر منصفانہ نہیں ہوتا اور نہ کوئی فرد دسرے لوگوں پر ان کی منشا کے بغیر اپنا حکم چلاتا ہے۔عوام کا حکم چلتا ہے۔ امریکہ بہت خوبصورت ہے، وہ سرزمین جس سے مجھے پیار ہے،غروب آفتاب کی مدہم روشنی کی آخری چمک، کیا آپ دیکھ رہے ہیں، کیا بلجیم کے امن دستے راستے میں ہیں؟ ذرا جلدی کیجئے!

سن دو ہزار میں الیکشن والے دن جو گھپلا کیا گیا تھا، یہ سازش تو اس سے بہت پہلے شروع ہو چکی تھی۔ کیتھرین ہیرس ایک عزت مآب گھامڑ گوری جو جارج ڈبلیو بش کی صدارتی مہم کی شریک چیئر ویمن اورفلوریڈا کی نائب وزیر، اس کے علاوہ انتخابات کی نگراں بھی تھی، اس نے ۴۰ لاکھ ڈالر کمپیوٹر کے ریکارڈ میں ردوبدل کر دیئے تاکہ فلوریڈا کے ووٹروں کی فہرست کا نام جو بدمعاشی کا مرتکب رہ چکا ہے۔ اس نے یہ کام فلوریڈا کے گورنر ڈبلیو بش کے بھائی جیب بش کے آشیر باد سے کیا، جس کی خواہ اپنی بیوی ۱۹ہزار ڈالر کے زیورات، ٹیکس سے بچنے کے لیے چوری چھپے راہداری کے عملے کی نظروں سے بچ کر ملک کے اندر لاتی ہوئی پکڑی گئی۔ یہ اپنی جگہ خود ایک بدمعاشی تھی لیکن چھوڑیئے اس بات کو، یہ امریکہ ہے، بدمعاش اگر پیسے والا ہو یا شادی کے تعلق سے گورنر بش کے حوالے کا کوئی رشتہ دار ہو، تو اسے سزا نہیں ہوتی۔

قانون کا تقاضا ہے کہ کوئی سابق بدقماش فلوریڈا میں ووٹ نہیں دے سکتا لیکن ہے تو افسوس کی بات مگر مجھے یقین ہے کہ فلوریڈا کا نظام عدل ہمیشہ کسی شک وشبہ کے بغیر منصفانہ رہا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ فلوریڈا کے سارے اکتیس (۳۱) فیصد کالوں کو ووٹ دینے سے منع کر دیا جائے گا کیونکہ ان کے دفترعمل میں بد قماش درج ہے۔ ہیرس اوربش جانتے تھے کہ رائے دہندوں کی فہرست سے سابق بدقماش افراد کے نام نکال دینے سے ہزاروں کالے شہری ووٹنگ سے روک دیئے جائیں گے۔

فلوریڈا کے سیاہ فام لوگ کثیر تعداد میں ڈیموکرنٹ ہیں۔ الگور نے ۷نومبر ۲۰۰۰ء

کے انتخابات میں ان کے ۹۰ فیصد سے زیادہ ووٹ حاصل کیے یعنی وہی ۹۰ فیصد جنھیں ووٹ دینے کی ''اجازت'' تھی۔ کچھ یوں نظر آتا ہے کہ فلوریڈا کی ریاست میں بہت بڑے پیمانے پر فراڈ کیا گیا تھا۔ بش، ہیرس اور ان کے ساتھیوں نے رائے دہندوں کی فہرست سے نہ صرف ان ہزاروں بدقماش کالوں کو نکال دیا بلکہ ان ہزاروں سیاہ فام باشندوں کو بھی نکال باہر کیا جنھوں نے اپنی زندگی میں کوئی جرم نہیں کیا اور ان کے ساتھ وہ ہزاروں جائز ووٹر بھی، جن سے کبھی کوئی معمولی خطا سرزد ہوئی تھی۔

یہ سب کیسے ہوا؟ ایک ڈیٹا بیس (کمپیوٹر میں اعداد وشمار رکھنے والی) فرم کو جس کے ری پبلکن پارٹی سے گہرے روابط تھے، ہیرس کے دفتر سے یہ ہدایت ملی ان ووٹروں سے نجات پانے کے لیے جتنا بڑا جال پھینک سکتے ہو پھینکو۔ ان کے فدویوں نے تو کمپنی کو یہ بھی تاکید کر دی کہ جو اصل بدمعاش ہیں ان سے ''ملتے جلتے'' ناموں کے لوگوں کو شامل کر لیں۔ انہوں نے ڈیٹا بیس سے اصرار کیا کہ جو جانے پہچانے بدمعاش ہیں، ان کی تاریخ پیدائش اور سوشل سکیورٹی نمبر کے ساتھ ملتے جلتے کوائف کے لوگوں کی بھی چھان پھٹک کر لیں۔ اگر وہ کوائف ۸۰ فیصد تک ملتے جلتے ہوں تو الیکشن آفس کو ہدایت تھی کہ نااہل ووٹروں کے ناموں کی فہرست میں ان کے نام بھی ڈال دیئے جائیں۔

یہ ہدایات بہت ہولناک تھیں حتیٰ کہ بش کے دوست ڈیٹا بیس والوں کے لیے بھی۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ان ہزاروں جائز ووٹروں کو انتخاب کے موقع پر محض اس لئے ووٹ دینے سے روک دیا جائے گا کہ ان کے نام کچھ دوسرے لوگوں کے ناموں سے ملتے جلتے ہیں یا ان کی تاریخ پیدائش کسی نامعلوم بینک ڈکیت کی تاریخ پیدائش سے مشترک ہے۔ ڈیٹا بیس کے پراجیکٹ منیجر مارلین تھوروکہ نے کیتھرین ہیرس کے انتخابی شعبے کے قانونی مشیر اسمٹ ''بکی'' مچل نے ای میل کے ذریعے تنبیہ کی کہ ''بدقسمتی سے اس طرح کی پروگرامنگ کے نتیجے میں جھوٹے مثبت نتائج حاصل ہو سکتے ہیں'' یا پھر شناخت میں غلطیاں ہوں گی۔

خرانٹ بکی نے جواب دیا پرواہ نہیں ''ظاہر ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ مشابہہ نام پھانسنا چاہتے ہیں لہٰذا انتخابی علاقے کے نگرانوں سے کہہ دو کہ خاص ناموں کو خارج کرنے کی بجائے اس بارے میں حتمی ارادہ کر لیں۔ ڈیٹا بیس نے وہی کیا جو اس سے کہا گیا تھا اور

زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ فلوریڈا میں ایک لاکھ۳۷ ہزار ووٹروں کو انتخابی فہرست سے ہمیشہ کے لیے خارج کر دیا گیا۔ میامی ڈیڈ فلوریڈا کی سب سے بڑی کاؤنٹی ہے وہاں کے ٦٦ فیصد ووٹروں کو جو سیاہ فام نسل سے ہیں فہرست سے صاف کر دیا گیا۔ ٹمپا کاؤنٹی کے وہ ۵۴ فیصد ووٹر جنہیں ۷ نومبر ۲۰۰۲ء کو رائے دہی کا حق استعمال کرنے سے روک دیا جائے گا، وہ سب بھی کالے ہیں لیکن ہیرس اور اس کے محکمے کے لیے فلوریڈا کے ریکارڈ سے محض نام اکٹھا کر لینا کافی نہ تھا۔ فلوریڈا کے مزید آٹھ ہزار باشندے ووٹروں کی فہرست سے محض اس بنا پر نکال باہر کئے گئے کہ کسی اور ریاست نے انہیں غلط فہرست بھجوادی۔ اس ریاست کا دعویٰ تھا کہ فہرست میں ان سزا یافتہ بدقماش افراد کے نام درج ہیں، جو نقل مکانی کر کے فلوریڈا آ گئے تھے۔

پھر یہ معلوم ہوا کہ فہرست میں ایسے بدقماشوں کے نام درج ہیں، جنہوں نے ایک مدت گزار لی تھی اور اب انہیں رائے دہی کا استحقاق واپس مل گیا تھا اور فہرست میں کچھ دوسرے لوگوں کے نام رہ گئے تھے جن سے معمولی کوتاہیاں سرزد ہوئی تھیں مثلاً غلط پارکنگ اور سڑک پر کوڑا کرکٹ ڈال دینا۔ سوال یہ ہے کہ وہ کون سی ریاست تھی جس نے جیب اور جارج کو وہ جعلی انتخابی فہرست فراہم کرنے میں مدد دی تھی؟ جواب ہے ٹیکساس۔

اس سارے واقعے کی خبر عالم بالا تک جا پہنچی لیکن امریکی ذرائع ابلاغ نے اسے نظر انداز کر دیا۔ بالآخر برٹش براڈ کاسٹنگ کارپوریشن (بی بی سی) نے اس خبر کو اندر تک کھنگالا اور اپنے خاص نشریاتی پروگرام کے تحت پندرہ منٹ کے دورانیے میں ساری شرمناک تفصیلات بیان کر دیں اور اس فریب کاری کی ذمہ داری گورنر جیب بش پر ڈال دی۔ یہ کتنی اندوہناک بات ہے کہ ہمیں خود اپنے انتخابات کے بارے میں حقائق جاننے کے لیے پانچ ہزار میل دور بیٹھے ہوئے ملک کی طرف دیکھنا پڑے (بالآخر لاس اینجلز ٹائمز اور واشنگٹن پوسٹ نے وہ خبر شائع کی لیکن کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی۔)

اقلیتوں کے حق رائے دہی پر اس جارحانہ حملے کو دور تک محسوس کیا گیا تھا کہ لنڈا ہوول جیسی خاتون بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔ لنڈا کو اس مضمون کا ایک خط ملا کہ بدقماش وہ بھی ہیں لہٰذا انہیں مشورہ دیا گیا تھا کہ انتخابات کے دن پولنگ کے لیے جانے کی زحمت نہ کریں کیونکہ انہیں ووٹ ڈالنے دیا جائے گا لیکن مسئلہ یہ تھا کہ لندا ہوول بدقماش

نہیں تھیں اور حقیقتاً فلوریڈا میں میڈیسن کاؤنٹی کے انتخابات کی نگران تھیں۔ انہوں نے اور مقامی انتخابی عملے نے بھی اس مسئلہ کو حل نہ کرنے کی کوشش کی لیکن ہر درخواست سنی ان سنی کر دی گئی۔ ان سے کہا گیا کہ ہر وہ فرد جسے رائے دہی سے روکے جانے کی شکایت ہے اسے اس بات کے لیے تیار رہنا چاہئے کہ اس کی انگلیوں کی چھاپ لی جائے گی۔ اس کے بعد ہی ریاست یہ فیصلہ کرے گی کہ وہ بدقماش ہیں یا نہیں ہیں۔

۷ نومبر ۲۰۰۰ء کو فلوریڈا کے سیاہ فام باشندوں کی ایک بڑی تعداد ہجوم در ہجوم ووٹ دینے کے لیے پہنچ گئی۔ ان میں سے بہتوں کو جو بیلٹ باکس تک جا پہنچے تھے، ڈپٹ کر کہا گیا کہ ''تم ووٹ نہیں دے سکتے'' فلوریڈا میں اندرون شہر پولنگ کی جگہوں پر پولیس کی زبردست ناکہ بندی تھی تا کہ ہر اس فرد کو ووٹ دینے سے روک دیا جائے جس کا نام کیتھرن اورجیب کی ''فہرست بدقماشاں'' میں درج ہے۔ قانون کے پابند ایسے ہزاروں شہری جو آئینی طور پر اپنا حق رائے دہی استعمال کرنے کے منتظر تھے اور جن میں بیشتر کالے اور ہسپانوی بولنے والے لوگ تھے، واپس بھیج دیئے گئے۔ ساتھ ہی دھمکی دی گئی کہ اگر احتجاج کیا تو گرفتار کر لیے جاؤ گے۔

جارج ڈبلیو بش کو فلوریڈا میں الگور کے خلاف ۵۳۷ زیادہ ووٹ ملنے کا سرکاری اعلان ہوا۔ کیا یہ ماننا درست نہ ہوگا کہ وہ ہزاروں سیاہ فام اور ہسپانوی نژاد تسلیم شدہ ووٹر جنہیں ووٹ دینے سے روک دیا گیا تھا اگر انہیں ووٹ دینے دیا جاتا تو بڑا فرق پڑتا اور اس کی قیمت الیکشن میں بش کی ناکامی ہوتی؟ اس میں تو کوئی شک ہی نہیں۔

الیکشن کی رات میں جب پولنگ بند ہوگئی تو اس سال پر بڑا خلفشار پیدا ہو گیا کہ فلوریڈا میں ووٹروں کی گنتی پر کیا ہو رہا ہے؟ آخر کار انتخابات کی رات میں، رات کے ڈیسک کے انچارج کو فاکس نیوز چینل کے لیے ایک فیصلہ کرنا پڑا۔ اس نے یہ طے کیا کہ فاکس کو یہ بیان نشر کرنا چاہئے کہ بش فلوریڈا میں انتخابات جیت گئے ہیں اس طرح وہی منتخب ہوئے ہیں چنانچہ وہی ہوا فاکس نے رسمی طور پر بش کی کامیابی کا اعلان کر دیا لیکن ادھر تلاہیسی میں ووٹوں کی گنتی ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ درحقیقت ایسوسی ایٹڈ پریس نے تو اس پر اصرار کیا کہ ان کے ووٹ گنتی میں اتنے قریب ہیں کہ کچھ کہنا ممکن نہیں لہٰذا اس نے فاکس کے بیان کی تائید سے انکار کر دیا۔

دیگر نشری اداروں نے ایسا نہیں کیا۔ وہ فاکس کا اعلان سنتے ہی اس اندیشے سے ناروے کے چوہوں کی طرح دوڑ پڑے کہ انہیں کہیں پھسڈ اور دائرے سے باہر نہ سمجھ لیا جائے حالانکہ ان کے اپنے رپورٹر جو اس میدان میں تھے برابر اصرار کر رہے تھے کہ انتخابی نتیجے کا اعلان ابھی قبل از وقت ہوگا لیکن رپورٹر کی ضرورت بھی کیا تھی جب لیڈر کی پیروی ہی ٹھہری اور اس معاملے میں لیڈر کون؟ لیڈر جان ایلس انتخابی کوریج (خبروں کی فراہمی) کے انچارج۔

یہ جان ایلس کون ہے؟ یہ شخص جارج ڈبلیو بش اور جیب بش کا چچا زاد بھائی ہے۔

ایلس نے ایک بار اعلان کر دیا تو ہر ایک نے اس کی پیروی کی، اس سے پھر جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور یہ کہ الگور کی کامیابی کے امکانات بھی تھے، نفسیاتی طور پر اس سے زیادہ تباہ کن کوئی بات نہیں ہوسکتی تھی اور پھر بالکل اچانک اس خیال کا پیدا ہونا کہ دوبارہ گنتی کا مطالبہ کر کے سارا کھیل اس نے بگاڑا۔ اس کی شکست کی رعایت واپس لے کر اور عدالتوں میں وکیلوں کے ساتھ قانونی چارہ جوئی کی کوشش کرتے ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سارے مرحلے میں گور آگے آگے تھا، بیشتر ووٹ اس کے تھے لیکن ابلاغ کے ذرائع نے وہی کر دکھایا جو دراصل ہرگز نہیں تھا۔

انتخابات کی رات میں، اوائل شام سے پہلے وہ ایک لمحہ میں کبھی فراموش نہیں کروں گا، جب نشری اداروں نے پہلے اور بالکل بجا طور پر فلوریڈا میں گور کی کامیابی کا اعلان کیا۔ ٹی وی کیمروں نے ٹیکساس کے ہوٹل کا ایک کمرہ دکھایا۔ وہاں جارج ڈبلیو بش اپنے والد سابق صدر اور والدہ باربرا کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ بڑے میاں تو کھیرے کی طرح ٹھنڈے نظر آرہے تھے حالانکہ صاحبزادے نے پردہ ڈال رکھا تھا۔ جواں سال بش سے ایک رپورٹر نے نتیجے کے بارے میں پوچھا۔

صاحبزادے زیر لب بڑبڑاتے ہوئے قدرے ناقابل فہم انداز سے بولے۔
''میں نہیں ......ابھی فلوریڈا کے لیے میں کچھ نہیں کہوں گا۔ میں جانتا ہوں کہ تمہارے پاس سارے شواہد ہیں لیکن لوگ تو ووٹ گنتے ہیں......'' نشرتوں نے یہ بات خاصی پہلے کہہ دی لیکن جو لوگ ووٹ گن رہے ہیں، ان کا خیال مختلف ہے۔ اس لئے......وہ بے ڈھب

رات، انتخابی نتائج کی کوریج کی رات، سبھی بش اپنی پرسکون مسکراہٹوں کے ساتھ جیسے بلیوں کی برادری نے چوہوں کا شکار کر کے ڈال رکھا ہے، جیسے انہیں وہ کچھ معلوم ہو جو ہمارے علم میں نہیں۔

انہوں نے اپنا کام کیا۔ انہیں معلوم تھا کہ جیب اور کیتھرین نے مہینوں پہلے اپنا کام کر لیا تھا۔ انہیں یہ بھی علم تھا کہ عم زاد جان نے فاکس کے انتخابی مرکز میں قلعہ پر قبضہ کر لیا ہے اور اگر ساری ترکیبیں ناکام ہو گئیں تو بھی ایک حمایتی دستہ تو بہرطور پر موجود ہے، وہ ہے امریکہ کی عدالت عالیہ۔

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے آئندہ ۳۶ دنوں میں عین وہی کچھ ہوا۔ سلطنت کی افواج نے جوابی حملہ کر دیا اور بے رحمی سے کیا۔ ادھر الگور اپنی حمایت میں بعض انتخابی حلقوں کے ووٹوں کی دوبارہ گنتی پر نظریں جمائے ہوئے تھے، ادھر بش کے حواری ایک مقدس فریضے کی ادائیگی کا اہتمام کئے بیٹھے تھے یعنی سمندر پار کے غیر حاضر ووٹ۔ ان میں بہت سے ووٹ تو فوج کی طرف سے آئیں گے جو ری پبلکن کو ووٹ دیتی آئی ہے اور آخر میں بش کو کامیاب کرادے گی۔ یعنی ہزاروں کالے لوگوں کو رائے دہی کے حق سے محروم کرنے سے بھی جو کام نہیں ہوا اور جو یہودی دادیوں اور نانیوں سے بھی ممکن نہ ہوا، وہ کام کر دکھائے گی۔

گور کو اس کا علم تھا اور انہوں نے پوری کوشش کی کہ ووٹوں کی گنتی سے پہلے ان کی پڑتال کو یقینی بنا دیا جائے۔ اگرچہ جب انہوں نے دوبارہ گنتی کا مطالبہ کیا تھا، تو یہ بات ان کی اس درخواست دکے منافی تھی کہ ''ہر ووٹ شمار کیا جائے'' لیکن فلوریڈا کا قانون تو اپنی جگہ موجود تھا جس سے انہی کی تائید ہوتی تھی۔ اس قانون کے مطابق سمندر پار سے آنے والے غیر حاضر ووٹ صرف اس صورت میں شمار کئے جا سکتے ہیں کہ الیکشن کے دن یا اس سے ایک دن پہلے ووٹوں پر دستخط کر دیئے گئے ہوں اور ڈاک میں بھیجے جا چکے ہوں اور ان پر متعلقہ ملک کی ڈاک کا ٹھپہ لگ چکا ہو لیکن ادھر جم بیکر یہ وظیفہ پڑھ رہے تھے کہ ''یہ بات درست نہیں ہوگی کہ ووٹوں کی گنتی اور دوبارہ گنتی کے قوانین اس وقت بدل دیئے جائیں جب یہ نظر آنے لگے کہ ایک فریق کے لیے مطلوبہ تعداد میں ووٹ حاصل کرنے کا یہی طریقہ رہ گیا ہے'' لیکن اس دوران میں وہ ان کے کارندے بالکل یہی حرکت کر رہے تھے۔

نیویارک ٹائمز نے جولائی ۲۰۰۱ء کی ایک تفتیشی خبر میں بتایا کہ انتخابات کے مستند نتائج میں سمندر پار سے آنے والے ۲۴۹۰ ووٹ شامل کئے گئے۔ ان میں سے ۶۸۰ ووٹ ناقص اور مشکوک تھے۔ بش کو یہ بیرون ملک سے آنے والے ووٹ ۴ اور ۵ کی نسبت سے ملے۔ اس فیصد حساب سے وہ ۵۴۴ ووٹ جو بش کو ملے ان کو تو خارج کر دیا جانا چاہئے تھا۔ کچھ حساب کیا؟ ۵۳۷ ووٹوں سے اچانک ''کامیابی'' صرف ۷ ووٹ خلاف آئے۔ سوچ کر ہی کپکپی آجاتی ہے۔

پھر سوال ہے کہ آخر میں آنے والے ووٹ بش کے حق میں کس طرح شمار ہوتے؟ الیکشن کے آغاز میں چند ہی گھنٹوں کے اندر بش کی انتخابی ٹیم حملہ آور ہوگئی۔ پہلا قدم یہ تھا کہ ممکن حد تک زیادہ سے زیادہ ووٹ شامل کئے جائیں۔ ری پبلکن پارٹی کے کارکنوں نے نیوی کے جہازوں کو ای میل سے پیغامات بھیجنے شروع کر دیئے کہ آس پاس بھولا بھٹکا جو بھی ووٹ ہو اسے کھود کر نکالیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے کلنٹن کے سیکرٹری دفاع ولیم ایس کوہن (ری پبلکن) کو بھی اس مضمون کا پیغام بھجوایا کہ سرحدوں پر متعین فوجی چوکیوں پر دباؤ ڈالیں۔ انہوں نے تو معذوری ظاہر کی لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ووٹوں کا تانتا بندھ گیا حتیٰ کہ وہ ووٹ بھی جن پر یوم انتخاب کے بعد دستخط کئے گئے تھے۔

تو اب ان کے کرنے کو یہی رہ گیا تھا کہ بش کے لیے زیادہ سے زیادہ ووٹوں کی آمد کو یقینی بنائیں۔ پھر اصل چوری شروع ہوگئی۔ ٹائمز کی اطلاع کے مطابق کیتھرین ہیرس نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ اپنے تشہیری ادارے کو یادداشت ارسال کریں، جس میں سمندر پار کے ووٹوں کی گنتی کا طریقے کار درج ہو۔ یادداشت کے مسودے میں اس امر کی یاددہانی بھی شامل تھی کہ انتخابات کے دن تک ''ڈاک کی مہر یا دستخط اور تاریخ'' کا اندراج ضروری ہے۔ جب یہ بات واضح ہوگئی کہ جارج کے ووٹوں کی برتری بتدریج کم ہوتی جا رہی ہے تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ مذکورہ یادداشت اب نہیں جائے گی۔ اس کی بجائے یہ لکھ بھیجا کہ اب ''یوم انتخابات پر یا اس سے پہلے بیلٹ پر ڈاک کی مہر'' کا اندراج ضروری ہے۔ جب یہ بات واضح ہوگئی کہ جارج کے ووٹوں کی برتری بتدریج کم ہوتی جا رہی ہے تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ مذکورہ یادداشت اب نہیں جائے گی۔ اسکی بجائے یہ لکھ بھیجا کہ اب ''یوم انتخابات پر یا اس سے پہلے بیلٹ پر ڈاک کی مہر'' کی ضرورت نہیں ہوگی۔ جی ہاں وہ بات کیا تھی جو اس

نے اپنا ذہن بدلا اورساتھ ہی قانون بھی؟ شاید ہمیں یہ بات کبھی معلوم نہ ہو کیونکہ کمپیوٹر کا ریکارڈ جس میں اسی واردات کی تفصیل محفوظ تھی پر اسرار طور پر حذف کر دیا تھا جوفلوریڈا کے ریزولیشن جیسے قوانین کی خلاف ورزی ہوسکتی ہے اوراب کہ جب گھوڑا تھان سے نکل گیا تھا، ہیرس نے پر زور طور پر کہنا شروع کر دیا ہے کہ ذرائع ابلاغ معائنہ کر لیں لیکن جب ان کے کمپیوٹر کے ''مشیر معائنہ کر لیں'' اس کے بعد یہ وہ عورت ہے، جواب کانگریس کی رکنیت کے لیے انتخاب میں کھڑی ہونے کا منصوبہ بنا رہی ہے۔ کیا یہ لوگ اس سے کچھ اورزیادہ بے شرمی گوارا کر لیں؟

ری پبلکن والوں نے، جنہیں ریاست کے سیکرٹری کی خوشنودی حاصل تھی، اب کے اس یقین کے حصول کے لیے ایک بھر پور مہم چلا دی کہ غیر حاضر ووٹوں کو شمار کرنے کے لیے جس حد تک ممکن ہو ایک کشادہ معیار رکھا جائے مساوی نمائندگی، فلوریڈا سٹائل کا مطلب یہ تھا کہ غیر حاضر ووٹ کی منظوری یا اس سے انکار کا انحصار اس بات پر تھا کہ آپ کا تعلق کس کاؤنٹی (انتخابی حلقہ) سے ہے؟ شاید اس سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ جن کاؤنٹیز (انتخابی حلقوں) میں گور کو کامیابی ہوئی ان کے اندر دس غیر حاضر ووٹوں میں سے صرف دو ووٹ جن پر ڈاک کے نشان غیر واضح تھے، شمار کئے گئے جبکہ بش کے انتخابی حلقوں میں ایسے دس ووٹوں میں سے چھ ووٹوں کو آخری گنتی میں شامل کر لیا گیا۔ ڈیموکریٹک پارٹی کے ارکان نے جب قانون کے منافی ووٹوں کو شمار نہ کیا تو ری پبلکن والوں نے تعلقات عامہ کی ایک زبردست مہم شروع کر دی کہ ڈیموکریٹ ان لوگوں کو ہدف انتقام بنانا چاہتے ہیں، جنھوں نے ملک کے لیے اپنی جانیں خطرے میں ڈال دی ہیں۔ کونسل کا ایک ری پبلکن جس کا تعلق نیپلز سے تھا، مبالغہ آرائی میں اپنی مثال آپ تھا۔ کہنے لگا ''اگر وہ کوئی گولی پکڑ لیں یا کسی دہشت گرد کے بم سے کوئی ٹکڑا برآمد کر لیں تو اس پر ڈاک کا ٹھپہ یا کسی طرح کا اندراج تو نہیں ہوتا''۔

انڈیانا کے ری پبلکن رکن کانگرس نے تو فوج کے عملے کا (ممکن ہے غیر قانونی طور پر) فون نمبر اورای میل کا پتہ بھی لے لیا تھا تا کہ ''اپنے جنگ آما مردوں اورعورتوں کے لیے'' ہمدردی بٹورنے کی خاطر رائے دہی سے ممانعت کی کہانیاں اکٹھا کر لے ''حتیٰ کہ طوفانی نارمن شارزکوف(Norman Shwarzkopt) نے اپنی بصیرت کا وزن اس طرح

ڈالا کہ جب ڈیموکریٹ فوجی ووٹروں کو ہراساں کرنے لگیں تو وہ دن ہمارے ملک کے لیے نہایت اندوہناک ہوگا''۔

ان سارے دباؤں کے حربوں نے ڈیموکریٹک پارٹی کے بودے اور پلپلے ارکان پر کام کیا۔ ان کے تو دم گھٹنے لگے۔ نائب صدارت کے امیدوار جولیبر مین (Joe Lieberman) نے ''پریس سے ملاقات'' میں یہ کہا کہ ڈیموکریٹس شور شغف بند کریں اور اس بات سے پریشان نہ ہوں کہ ہزاروں فوجی ووٹ ڈاک کا ٹھپہ نہ لگنے کے باوجود شمار کر لئے گئے۔

جو لیبر مین اوراسی کی طرح نئی نسل کے ڈیموکریٹس کو چاہئے تھا کہ امیج (قابل قبول شبیہ) کے لیے فکر مند ہونے کی بجائے اصول کے لیے لڑتے لیکن کیوں؟ وہ یوں کہ نیویارک ٹائمنر نے معلوم کیا کہ

☆ ۳۴۴ ووٹوں کے بارے میں ایسا کوئی ثبوت نہ تھا کہ وہ الیکشن کے روز یا اس سے پہلے ڈالے بھی گئے تھے یا نہیں؟

☆ ۱۸۳ ووٹوں پر ڈاک کا نشان امریکہ میں لگایا گیا تھا۔

☆ ۱۶۹ ووٹ ان ووٹروں کے تھے، جن کا اندراج نہیں کیا گیا تھا۔ ان کے لفافوں پر درست طریقے سے دستخط نہیں کئے گئے تھے یا وہ ان افراد کے ووٹ تھے جنھوں نے حق رائے دہی کے لیے درخواست بھی نہیں کی تھی۔

☆ پانچ ووٹ ۱۷ نومبر کی آخری تاریخ کے بعد موصول ہوئے تھے۔

☆ سمندر پار کے ۱۹ ووٹر وہ تھے، جنھوں نے دو جگہوں پر ووٹ ڈالے اور دونوں جگہ کے ووٹ شمار کئے گئے۔

یہ سارے ووٹ فلوریڈا کے قوانین کے منافی تھے، اس کے باوجود وہ شمار کئے گئے۔ تو کیا میں یہ بات پکار کر کہہ سکتا ہوں کہ بش کامیاب نہیں ہوئے گور کامیاب ہوئے؟ اس کا سبب لاعلمی نہ تھی اور نہ یہ فلوریڈا کی افریقی امریکی برادری اوران کے حق رائے سے تھا۔ یہ تو سیدھا سادھا معاملہ قانون شکنی کا تھا۔ سارے مستند شواہد اور دستاویزات تلاہاسی میں موجود تھیں، سب پریشان لگے تھے اور سب کچھ نہایت یا متفقہ طور پر بش کو کامیاب بنانے کے لیے کیا گیا تھا۔

۹ دسمبر ۲۰۰۳ء ہفتے کی صبح، سپریم کورٹ کو یہ خبر ملی کہ ان تمام تدبیروں کے باوجود بش کے حواریوں نے انتخابات میں اپنی پسند کے نتائج حاصل کرنے کے لیے کی تھیں نتائج گور کے حق میں جارہے تھے۔ ۲ بجے سہ پہر غیر سرکاری گنتی سے ظاہر تھا کہ گور بش کے قریب پہنچ گئے ہیں، صرف ۶۶ ووٹ کم ہیں اوروہ برابر ووٹ لے رہے ہیں'' ایک نیوز کاسٹر نے جس کا سانس پھول رہا تھا، اعلان کیا، بش کی سماعت کے لیے یہ الفاظ بڑے ہیجانی تھے کہ ''الگور آگے جا رہے ہیں'' امریکی ٹیلیویژن پر یہ الفاظ کبھی نہ سنے جائیں گے۔ بس اب چند لمحے رہ گئے تھے پھر انہوں نے وہی کیا جو انہیں کرنا چاہیے تھا۔ اسی سہ پہر ٹھیک پونے تین بجے سپریم کورٹ نے ووٹوں کی گنتی روک دی۔

عدالت کی نشستوں پر سانڈرا ڈے اور کوخور بیٹھی تھیں، جن کا تقرر ریگن نے کیا تھا اور چیف جسٹس ولیم وین کوٹسٹ تھے، جنہیں نکسن نے مقرر کیا تھا۔ دونوں ستر برس کے پیٹے میں تھے اور یہ آس لگائے تھے کہ ری پبلکن انتظامیہ کے ہی دور میں سبکدوش ہوں گے۔ اس طرح جو لوگ ان کی جگہ آئیں گے وہ بھی اپنے نظریے میں قدامت پسند ہوں گے۔ جارج ٹاؤن کی ایک ضیافت میں کہ وہ انتخابات کی رات تھی، کوخور کو بڑے دکھ سے یہ کہتے سنا گیا تھا کہ وہ مزید چار سال یا آٹھ سال اپنے منصب پر نہ رہ سکی۔ اب ان کی آخری امید جونیئر بش رہ گئے تھے جن کی بدولت وہ اریزونا کی آبائی ریاست میں نہایت آسودہ حالی کے ساتھ سبکدوش ہوں گی۔

اس دوران میں دو دیگر جج صاحبان نے جو اپنے نظر میں انتہائی دائیں بازو کے لیے اپنے آپ کو متضاد مفادات میں پھنسا ہوا محسوس کیا۔

جسٹس کلیرنس تھامس کی بیوی ورجینیا لیمپ تھامس ہیریٹیج فاؤنڈیشن میں ملازم تھی۔ واشنگٹن میں یہ قدامت پرستوں کا ایک سرکردہ ادارہ دانش ہے۔ خاتون کو حال ہی میں جارج بش نے ملازمت دے دی ہے تاکہ وہ آئندہ انتظامیہ میں خدمات انجام دینے کے لیے اہل افراد کو بھرتی کریں۔ این اسکیلیا ہی، جسٹس اینڈنن اسکیلیا کا بیٹا، گبسن، ڈن اینڈ کروچر میں وکیل تھا۔ یہ وہی فرم ہے جس نے سپریم کورٹ میں جارج بش کی پیروی کی۔

لیکن نہ تو تھامس اور نہ اسکیلیا کو یہ نظر آیا کہ ان کے مفادات ٹکرا رہے تھے،

اورانہوں نے مقدمے سے دستبردار ہونے سے انکار کر دیا۔ دراصل جب آئندہ عدالت نے کارروائی شروع کی تو وہ اسکیلیا میں تھا جس نے یہ بدنام وضاحت پیش کی کہ ووٹوں کی گنتی کو روکا کیوں گیا تھا۔ ووٹوں کی ایسی گنتی جو قانونی طور پر قابل اعتراض ہو، میرے خیال میں درخواست دہندہ (بش) کے لیے اور ملک کے لیے بھی ناقابل تلافی نقصان کا موجب ہو سکتی تھی کیونکہ بش جس بات کو اپنے انتخاب کے لیے جائز قرار دے رہے ہیں، وہی مشکوک ہو رہی تھی۔ باالفاظ دیگر اگر ہم تمام ووٹوں کو شمار کرنے کی اجازت دے دیتے اور وہ سب گور کی حمایت میں ہوتے تو بطور''صدر بش کے تقرر'' کے باوجود، ان کی حکمرانی کی اہلیت پر اس سے یقیناً زد پڑتی۔

عدالت نے فیصلے میں چودھویں ترمیم کے اندر مساوی تحفظ کی شق اپنی چوری کے جواز میں استعمال کی، وہی ترمیم جس سے انہوں نے اس وقت منہ پھاڑ کر اپنی برات کا اعلان کیا تھا جب سیاہ فام باشندے کئی سال تک نسل کی بنیاد پر امتیازی سلوک کو ماننے سے انکار کرتے آئے تھے۔ انہوں نے دلیل یہ دی کہ دوبارہ گنتی کے طریقوں میں اختلاف پایا جاتا ہے اور ووٹروں کے ساتھ تمام اضلاع میں مساوی سلوک نہیں ہو رہا ہے، لہٰذا ان کی حق تلفی ہو رہی ہے۔(مضحکہ خیز لیکن محض اختلاف کرنے والوں نے عدالت میں یہ بیان دیا کہ صرف فلوریڈا کی اقلیتی اور نادار بستیوں میں ووٹنگ کے دقیانوسی آلات کو یا درست پایا گیا اور اس سے نہایت مختلف اور اس سے کہیں زیادہ تشویشناک غیر معیاری نظام وجود میں آیا۔)

بالآخر ہوا یہ کہ پریس نے بطور خود ووٹوں کی دوبارہ گنتی شروع کی اور لوگوں میں پھیلے ہوئے انتشار کو اتنا اچھالا کہ یہ الجھی ہوئی گیند مدار میں گردش کرنے لگی۔ میامی ہیرالڈ کی شہ سرخی یہ تھی۔ ''ووٹوں پر نظر ثانی سے معلوم ہوا کہ انہیں ہاتھ سے شمار کرنے میں بھی بش کی کامیابی ممکن تھی۔'' لیکن اگر آپ پوری خبر پڑھیں تو اس کے اندر کہیں دبی ہوئی عبارت موجود تھی ''ری پبلکن والے جس سخت معیار کا مطالبہ کر رہے تھے اگر انہی کے مطابق دوبارہ گنتی کی جاتی تو بش کی کامیابی رفو چکر ہو گئی ہوتی۔ نظر ثانی سے معلوم ہوا کہ اگر ہر کاؤنٹی میں ہر کینویسنگ (ووٹوں کی پڑتال کرنے والے) بورڈ پر ووٹ کو شمار کیا جاتا (نہایت داخلی معیار کے تحت جس میں تمام لوگوں کی خواہش کو مدنظر رکھنا مقصود ہوتا) تو گور ۳۹۳ ووٹوں سے کامیاب ہو گئے ہوتے۔ ووٹوں پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا تھا کہ یا تو مشین نے

کوئی غلطی کی ہے یا ووٹر اسے صحیح طریقے سے استعمال نہیں کر سکا۔ گو ۲۹۹ ووٹوں سے کامیاب ہو جاتا۔''

میں نے الگوا کو ووٹ نہیں دیا لیکن میرا خیال ہے میرے جیسا بے لاگ شخص اس نتیجے پر پہنچے گا کہ فلوریڈا کے لوگ اسی کی طرف تھے۔ اب خواہ شمار کرنے میں کوئی پگھلا ہوا یا ہزاروں سیاہ فام ووٹروں کے اخراج سے ہو جس سے نتائج میں تحریف ہوئی، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ عوام کا انتخاب گور ہی تھے۔ ہر ووٹر کا یہ حق ہے کہ اس کا ووٹ درست طور پر شمار کیا جائے لیکن پام بیچ کاؤنٹی میں جتنے بڑے پیمانے پر انہیں حق سے محروم کیا گیا، اس سے بدتر مثال کہیں نہیں ملے گی۔ اچھا خاصا فائدہ ''تتلی ووٹ'' سے اٹھایا گیا جس کی بدولت ایک غلط شخص کی خاطر ووٹ دینا آسان ہو گیا، اس لئے کہ امیدواروں کے نام اور پنچ کے سوراخ مقابل کے صفحے پر ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے لگتے تھے۔ ذرائع ابلاغ دور کی کوڑی لائے اور کہا کہ کاؤنٹی کے الیکشن کمشنروں میں سے ایک نے بیلٹ بنائے ہی اس طرح کے تھے، وہ یاک ڈیموکریٹ تھا اور اس کے بنائے ہوئے بیلٹ کو مقامی بورڈ نے جس میں اکثریت ڈیموکریٹس کی ہی تھی منظور کر لیا۔ پھر گور کو شکایت کرنے کا حق کیسے پہنچتا ہے جبکہ اس کی پارٹی ہی ایک ناقص ڈیزائن کا بیلٹ بنانے کی ذمہ دار ہے۔

اگر کسی نے بیلٹ کو جانچنے کی زحمت کی ہوتی تو اسے معلوم ہو جاتا کہ کمیٹی کے ۲ ڈیموکریٹس ارکان میں سے ایک رکن تھیر لینا لی پورا دراصل ایک مصدقہ ری پبلکن تھی۔ اس نے ۱۹۶۶ء میں اپنی وفاداری تبدیل کی اور ڈیموکریٹس سے مل گئی۔ پھر جب بش نے اقتدار سنبھالا تو تین ہی ماہ وہ ڈیموکریٹ پارٹی سے مستعفی ہو گئی اور اپنے ووٹر ہونے کا صداقت نامہ بطور آزاد رکن حاصل کر لیا۔ اخبارات میں کسی نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ وہ سب کیا ہو رہا تھا۔

اس طرح یہ ہوا کہ پام بیچ کی چوکی پر تین لاکھ سے زائد ووٹر جو بیشتر بوڑھے اور یہودی تھے اور جن کا خیال تھا کہ وہ الگور کے لیے ووٹ ڈال رہے ہیں۔ پیٹ بچنان کے لیے غلط سوراخ کو پنچ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ خود بچنان نے ٹی وی پر آ کر یہ اعلان کیا کہ حرام ہو جو یہودیوں نے اسے ووٹ دیئے ہوں۔

۲۰ جنوری ۲۰۰۱ء کو جارج بش اپنے سازشی ٹولے کے ساتھ کیپٹل کی سیڑھیوں پر

تمکنت کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور چیف جسٹس رون کوئسٹ کے روبرو ہی حلف اٹھایا جو ''صدر'' افتتاح کے موقع پر اٹھاتے ہیں۔ تمام دن واشنگٹن پر سرد بارش پر سرد بارش تسلسل کے ساتھ ہوتی رہی۔ سیاہ بادلوں نے سورج کو ڈھانپ رکھا تھا اور پریڈ کے اس راستے پر جہاں وہائٹ ہاؤس تک ہزاروں شہریوں کا ہمہ وقت ہجوم رہتا ہے، ایک پرسرار سناٹا طاری تھا۔

ان بیس ہزار احتجاجیوں کے سوا جو راستے میں ایک ایک چپے پر بش کا مضحکہ اڑا رہے تھے اور جن کے ہاتھوں میں بش کی مذمت کے نشانات تھے کہ اس نے الیکشن چوری کیا ہے، تمام مظاہرین بارش میں شرابور قوم کے ضمیر کی علامت تھے۔ بش کی لیموزین انہیں نظر انداز نہیں کر سکتی تھی۔ بجائے اس کے حامیوں کا ہجوم خیر مقدمی نعرے لگاتا ان کا خیر مقدم لوگوں کی ایک معقول تعداد نے کیا جو اس ناجائز حکمران کو یاد دلانے آئے تھے کہ وہ انتخابات میں کامیاب نہیں ہوا اور عوام اس بات پر اسے کبھی معاف نہیں کریں گے۔

اس روایتی جگہ پر پہنچ کر جہاں جمی کارٹر کے زمانے سے صدر صاحبان اپنی گاڑیاں روک لیتے ہیں اور باہر نکل کر آخری چار بلاک تک پیدل چل کر جاتے ہیں (ہجوم کو یہ جتانے کے لیے کہ ہم وہ قوم ہیں، جن پر کوئی بادشاہ حکمران نہیں بلکہ ہم سب برابر ہیں) بش کی سیاہ بکتر بندگاڑی جس کی کھڑکیوں پر سیاہ شیشے چڑھے ہوئے تھے، ہر جگہ پشت مظاہرین کے خیر مقدم سے بچتی ہوئی اچانک ایک مقام پر آ کر رک گئی، ہجوم کا شور کچھ اور بلند ہوگیا ''خوش آمدید چور'' اس وقت آپ دیکھ سکتے تھے کہ اس برفانی بارش میں خفیہ سروس کے لوگ اور بش کے مشیر جو ذرا سی جگہ میں کنڈلی مار کر کھڑے تھے، ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کیا جائے۔ اگر بش نے گاڑی سے نکل کر چلنا شروع کیا تو لوگ ان پر پھبتیاں کسیں گے، نعرے لگائیں گے اور راستے بھر ان پر انڈوں کی بارش کریں گے۔ لیموزین وہاں کوئی پانچ منٹ تک کھڑی رہی، بارش ہوتی رہی، کار پر انڈے اور ٹماٹر آ آ کر گرتے رہے۔ بش کو یہ حوصلہ نہ ہوا کہ باہر نکلتے اور احتجاجیوں کا سامنا کرتے۔

تب اچانک صدر کی کار ایک جھٹکے سے چل پڑی اور گلی کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔ آخر یہی طے پایا تھا کہ گاڑی کو اسٹارٹ کرو اور جتنی جلد ہو سکے ان اوباشوں کو چھوڑ کر نکل بھاگو۔ خفیہ سروس کے کارندے جو ساتھ ساتھ چل رہے تھے لیموزین کے پیچھے رہ گئے۔

گاڑی کے ٹائر بارش کا گندا پانی سڑک پر دوطرفہ ان لوگوں پر اچھالتے رہے جو اس گاڑی میں بیٹھے ہوئے مسافر (صدر) کی حفاظت کے لیے وہاں متعین تھے۔ واشنگٹن ڈی سی میں سب سے اچھی بات جو میں نے کبھی دیکھی وہ یہی تھی، امریکی تخت حکومت کے ایک جعلی حاکم کو ہزاروں امریکی شہریوں سے جان چھڑا کر اور دم دبا کر بھاگنا پڑا کیونکہ اس وقت مسلح تھے، سچائی کے ہتھیار سے اور سلیت نے نفیس اجزائے ترکیبی سے۔

امریکی جھوٹ نے جب رفتار پکڑی تو چھپنے کے لیے بلٹ پروف جگہ کی طرف بھاگا اور وہائٹ ہاؤ کے سامنے اسٹینڈ پر جا کر رکا، بش کے کنبے کے بہت سے افراد اور مدعوئین اپنے آپ خشک کرنے کے لیے پہلے ہی رخصت ہو گئے تھے۔ جارج بڑے فخر سے جاتے ہوئے باجے والوں کو ہاتھ ہلا ہلا کر رخصت ہو گئے تھے، جن کے باجے بارش میں بھیگ کر بیکار ہو گئے تھے اور طویل پریڈ میں شامل آرائشی سفینے پنسلوانیا ایونیو کے ۱۶۰۰ بلاک تک پہنچنے سے پہلے ہی اجڑ چکے تھے اور ڈھیر ہو گئے تھے۔ ذرا وقفے کے ساتھ کھلی چھت والی خوش نصیب گاڑیاں گزرتی رہیں۔ ان میں اداس اور پژمردہ اکابر بیٹھے ہوئے تھے، جنہیں بش نے اس وعدے سے بلایا تھا کہ انہیں سرفراز کیا جائے گا۔ ان میں کلے گریمر، ڈریوکیری اور چک نوریس شامل تھے۔ پریڈ کے آخر میں بش زینے پر تنہا کھڑے ہوئے تھے۔ یہ بڑا قابل رحم منظر تھا جیسے ایک بیچارہ چھوٹا سا دولت مند بچہ، اپنے انعام کے وعدے کے لیے دوسری بار آیا اور اسے شاباش کہنے کے لیے وہاں کوئی موجود نہ تھا اور سب سے زیادہ کبیدہ خاطر تو ہم پندرہ کروڑ چالیس لاکھ افراد تھے، جنہوں نے اس کو ووٹ نہیں دیئے تھے۔ قوم کے بیس کروڑ ووٹروں سے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ہم ہی اکثریت میں تھے۔

اور جارج بش اس کے سوار اور کیا سوچ رہے ہوں گے۔ ''مجھے کس بات کی پرواہ'' وہائٹ ہاؤس میں تقرر کے لیے بہتیرے کرائے کے لوگ موجود ہیں جو اپنے کٹھ پتلی صدر کی خدمت کے لیے مستعد ہوں گے۔ ڈیڈی کے پرانے لنگوڑئے، مدد کے لیے دوست دارالحکومت میں بلائے جائیں گے۔ بوڑھا جارج خود پیچھے ہو کے بیٹھ رہے گا اور لوگوں سے یہ کہہ سکے گا کہ وہ محض نیابت کر رہا ہے۔ کٹھ پتلی نچانے والا اپنا کام سنبھال لے گا، پھر دنیا کا کاروبار با آسانی اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔

اور بش کے ٹولے میں حب الوطنی کے ستون وہ کون سے نفیس لوگ ہیں؟ یہ لوگ

کاروباری امریکہ کے منکسر مزاج اور ایثار پیشہ فریق کی نمائندگی کرتے ہیں۔ یہاں ذیل میں ان کا حوالہ دیا جاتا ہے تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو اور اقوام متحدہ اور نیٹو کی افواج جب امن اور جمہوریت کی بحالی کے لیے آئیں تو انہیں گھیرنے میں سہولت ہو۔ احسان مند شہری اپنے مکانوں اور گلیوں کے آگے ان کا خیر مقدم کرنے کے لیے صف بستہ کھڑے ہوں گے اور ذاتی طور پر میں اس سے کم کسی بات پر راضی نہیں ہوں گا کہ ان پر کھلا مقدمہ چلایا جائے اور فوری طور پر کسی چھوٹی سی خیراتی ریاست میں جلاوطن کر دیا جائے۔ خدا خیر کرے، امریکہ۔

قائم مقام صدر ''نائب صدر'' ڈک چینی

مجھے نہیں معلوم کہ ترحم آمیز قدامت پرستی میں ترحم کا جذبہ کہاں سے آتا ہے لیکن یہ جانتا ہوں کہ قدامت پسندی کہاں پائی جاتی ہے۔ ڈک چینی چھ مرتبہ کانگریس کے رکن منتخب ہوئے۔ انہوں نے ودمنگ کی نمائندگی کی اور کانگریس کے ۴۳۵ ارکان میں رائے دہی کا سب سے زیادہ قدامت پسندانہ ریکارڈ انہی کا تھا۔ چینی نے مساوی حقوق کے بل میں ترمیم کے خلاف ہیڈ سٹارٹ پروگرام میں رقم دینے کے خلاف اور ایوان کی اس قرارداد کے خلاف جس میں جنوبی افریقہ سے نلسن منڈیلا کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا تھا نیز اسقاط حمل کے ضمن میں وفاق کی مالی امداد کے خلاف، خواہ وہ زنا بالجبر کے نتیجے میں ہی کیوں نہ ہو ووٹ دیئے اور ان کے کارنامے یہیں ختم نہیں ہوتے۔ چینی حالیہ زمانے کی تمام ری پبلکن حکومتوں میں شامل رہے، ان دنوں بھی جب رچرڈ نکسن صدر تھے، اور جب وہ ڈون رمسفیلڈ کے ماتحت وہائٹ ہاؤس (ایوان صدر) میں نائب مشیر تھے۔ وہ رمسفیلڈ کی جگہ صدر کے عملے کے سربراہ مقرر ہوئے۔ وہ جارج بش اول کے ماتحت سیکرٹری دفاع تھے اور حالیہ تاریخ میں ملک کی سب سے بڑی جنگی مہمات میں قیادت کرتے رہے، یہ تھا پنامہ پر حملہ اور عراق کے خلاف جنگ۔

دونوں بش صاحبان کی حکومتوں کے درمیانہ عرصے، چینی ہیلی برٹن انڈسٹریز کے سربراہ اعلیٰ تھے۔ یہ وہ تیل کی کمپنی ہے جو برما اور عراق جیسی جابرانہ حکومتوں سے معاملہ کرتی آئی ہے۔ ۲۰۰۰ء کی مہم کے دوران میں چینی نے اس امر کی تردید کی کہ ہلی برٹن کے صدام

حسین کے ساتھ کاروباری رشتے ہیں۔ پھر جون ۲۰۰۱ء میں واشنگٹن پوسٹ نے یہ انکشاف کیا کہ ہیلی برٹن کی ذیلی کمپنیاں عراق سے تجارت کر رہی ہیں۔ کیا آپ یہ تصور کر سکتے ہیں کہ اگر اس طرح کا انکشاف کلنٹن یا گور کے بارے میں کیا جاتا تو ری پبلکن کے لیے وہ دن کس قدر شادمانی کا ہوتا اورالاسکا واحد مقام نہیں ہے جس کے لیے چینی کا مشورہ تھا کہ یہاں کھدائی ہونی چاہئے۔ ہیلی برٹن نے میکسیکو کی خلیج میں منا کو سنٹر آف شور آئل فیلڈز ایک زبردست تعمیراتی سودا کیا ہے جب چینی کو نائب صدارت کے لیے نامزد کیا گیا تو انہوں نے ہیلی برٹن سے علیحدگی ظاہر کرتے ہوئے خاصے ٹال مٹول اور کیوں ہاں سے کام لیا۔ میرا خیال ہے انہیں علم ہو گیا تھا کہ اچھے دن آنے والے ہیں۔

اٹارنی جنرل جان ایشکرافٹ

ہمارے نظام عدل کا نگران ایک ایسا شخص ہے جس نے اسقاط حمل کی ہر صورت میں مخالفت کی ہے۔ خواہ حمل زنا بالجبر کی صورت میں ہی کیوں نہ ہو۔ وہ اس بات کا بھی مخالف ہے کہ ملازمت کے سلسلے میں ہم جنس پرستوں کے ساتھ امتیاز برتا جائے اورانہیں تحفظ دیا جائے۔ اس نے سزائے موت کی اپیل کے لیے میعاد محدود کرنے کے حق میں ووٹ دیا (اور پھر گورنر کے طور پر سات افراد کو پھانسی لگتے دیکھا) وہ بلا رو رعایت اور بے حساب سزا کا زبردست حامی ہے۔ شاید یہ اسی کے قرطاس عمل کی وجہ ہو کہ موصوف سینٹ میں دوبارہ منتخب نہ ہو سکے اور ایک مردے سے ہار گئے۔ بہر حال اپنی انہی کوششوں کے نتیجے میں ایش کرافٹ کو اے ٹی اینڈ ٹی، انٹر پرائز رینٹ اے کار اور مونسانٹو سے بھاری رقوم کے عطیات ملے۔ شیر لگ پلاؤ دوا ساز کمپنی نے پچاس ہزار ڈالر دیئے غالباً اس مسودہ قانون کے عوض نذرانے کے طور پر جو ایش کیا تھا، منظوری کی صورت میں کمپنی الرجی کے علاج کے لیے اپنی کلیرٹن نامی گولیاں پیٹنٹ کرالیتی۔ (مسودہ بالآخر مسترد ہو گیا) دوا ساز کمپنیوں کی ان مالی اعانتوں سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ ایش کرافٹ نے میڈی کیئر پروگرام کے تحت ادویہ اور ان میں نسخے کے تحت ادویہ بھی شامل ہیں، ان کے خلاف ووٹ کیوں دیا۔ مائیکرو سافٹ نے ایش کرافٹ کو دس ہزار ڈالر، نیشنل ری پبلکن سینی ٹوریل کمیٹی کے اشتراک سے عطیات بٹورنے والی کمپنی کے ذریعے کیوں دیئے۔ یہ تو ان کے لیے اچھا ہی ہوا کہ سینٹ

کیا لیکشن میں ہار گئے اب وہ اپنی پوری طاقت محکمہ انصاف کو چلانے پر زور دے سکیں گے یا جب تک سافٹ ویئر کی دیوہیکل کمپنی جسے عدالتی فیصلے سے رہائی مل گئی ہے بصورت دیگر اور ٹکڑے ہوگئی ہوتی، ان کی نہایت ناقدانہ نظروں کے سامنے الٹی سیدھی حرکتیں بااجازت شروع نہیں کر دیتی۔ کھڑے ہوتے ہیں (اگر ایسی کوئی حرکت ممکن ہے) اٹارنی جنرل کی حیثیت میں بندوق کے متعلق قانون کی حمایت میں ان کا پہلا اقدام یہ اعلان تھا کہ بندوق کی خرید وفروخت کے چوبیس گھنٹوں کے اندر خریدار کے سارے کوائف اور پس منظر کی فائل محکمہ انصاف کی جانب سے تلف کر دیئے جائیں گے (تاکہ حکومت کے پاس بندوق کی قسم اور اس کے خریدار کے متعلق کوئی ریکارڈ موجود نہ رہے۔)

سیکرٹری خزانہ پال اونیل

شراکتی اداروں پر ٹیکس ختم کرنے والے یہ وزیر دنیا کی سب سے بڑی المونیم ساز کمپنی الکووا کے صدر سربراہ رہ چکے ہیں (یہ کمپنی ٹیکساس میں آلودگی پھیلانے میں سب سے آگے ہے۔ اب وہ بش انتظامیہ میں شامل ہے۔ الکووا کی اب اپنی پولیٹکل ایکشن کمیٹی (سیاسی عمل کے لیے کمیٹی) موجود نہیں ہے۔ اس کے بجائے وہ قانون کے ایک ادارے ونسن اینڈ الکنس کے ذریعے اپنی پیروی کے کام چلاتی ہے۔ بش کی انتخابی مہم میں عطیات دینے والی یہ تیسری سب سے بڑی مدد گار رہے۔ کمپنی نے ٹیکساس کے قوانین برائے ماحولیات میں ایک جھول نکال لیا جس کے بعد الکووا کو یہ اجازت مل گئی کہ وہ ہر سال ساٹھ ہزار ٹن سلفر ڈائی آکسائیڈ خارج کر سکتا ہے۔ الکووا نے اونیل کی جیبیں بھرنے میں بھی بڑا کردار انجام دیا ہے۔ اونیل نے حال ہی میں الکووا میں اپنے حصص بیچ دیئے جو ان کے چھ کروڑ بیس ہزار کی املاک کے ایک بڑے حصے کے برابر ہیں لیکن یہ کام انہوں نے بلاجبر واکراہ کیا اور بہت آہستہ آہستہ کیا اور پہلے حصص کی قیمتیں اپنے ہی زمانے میں تیس فیصد شرح سے بڑھتے دیکھتے رہے۔ خزانے کے سربراہ کی حیثیت سے انہوں نے کہہ دیا کہ سوشل سکیورٹی (سماجی تحفظ) اور طبی امداد بالکل فضول ہیں غالباً اس لئے کہ انہیں الکووا سے سالانہ ۹ لاکھ ۲۶ ہزار ڈالر کی پنشن ملتی ہے۔

سیکرٹری زراعت این وینی مین

بش کی کابینہ میں شامل دوسرے کئی افراد کی طرح زراعت کی سیکرٹری نے ری پبلکن انتظامیہ کے ساتھ بڑا طویل عرصہ گزارا ہے۔ انہوں نے رونالڈ ریگن اور بڑے میاں بش دونوں کے لیے کام کیا۔ اس کے بعد گورنروسن کے تحت کیلیفورنیا کے محکمہ خوراک وزراعت میں ڈائریکٹر رہیں۔ کیلیفورنیا میں ان کی پالیسیوں کی بدولت بڑی بڑی کاروباری فرمیں وجود میں آئیں جنہوں نے ایسے فارم کو جنہیں ایک کنبہ مل کر چلاتا تھا، میدان سے نکال باہر کیا چنانچہ اب مثال کے طور پر محض چار کمپنیاں امریکہ میں گوشت کو پرسس (تجارت کے لیے محفوظ) کرتی ہیں۔ وہ کابینہ کے ارکان میں سب سے کم دولت کی مالک ہیں (محض ۶ لاکھ ۸۰ ہزار ڈالر کی مالک) تاہم وینی مین نے بورڈ آف کالگین میں شرکت کر کے اس کی تلافی کر لی۔ یہ وہ پہلی کمپنی ہے جو جینیاتی طور پر تیار شدہ خوراک کو دکانوں میں رکھنے کے لیے ذخیرہ کرتی ہے۔ کالگین کمپنی کو ملک کی سرکردہ بایوٹک (حیاتیاتی) کمپنی مانسٹو نے خرید لیا تھا۔ پھر مانسٹو کو فارمیشیا نے خرید لیا۔ منسٹو نے صدر بش کی انتخابی مہم میں بارہ ہزار ڈالر کا عطیہ دیا تھا۔ اب اس کی یہ کوشش ہے کہ ایسا قانون نہ بننے دے جس کے تحت غذائی اشیاء کے لیبل پر اس کے اندر اجزاء کی نشاندہی ضرور ہو جاتی ہے۔ وینی مین نے زراعت، خوراک اور تجارت کی بین الاقوامی پالیسی کونسل میں بھی کام کیا ہے۔ یہ وہ گروپ ہے جس کو نیلسے اور آر کر ڈینیل مڈلینڈ جیسی خوراک ساز کمپنیاں چندہ دیتی ہیں۔

سیکرٹری تجارت، ڈون ایونز

بش انتظامیہ میں شمولیت سے پہلے ایونز ٹام براوَن کمپنی کے چیف آفیسر تھے۔ یہ ایک اعشاریہ دو بلین مالیت کی تیل و گیس کمپنی ہے۔ وہ ٹی ایم بی آر/شارپ ڈرلنگ (خادم تیل کی دریافت اور کنویں کی کھدائی) کمپنی کے بورڈ کے ارکان میں شامل تھے۔ بش کی انتخابی مہم کے مالیاتی سربراہ کی حیثیت سے انہوں نے چندہ جمع کرنے کا ریکارڈ قائم کرایا اور انیس کروڑ ڈالر سے زیادہ رقم اکٹھا کی۔ بحری اور موسمیاتی ادارہ، جو ملک کے ساحلوں پر دسترس رکھتا ہے، تیل کے اس آقا کی قلمرو میں آتا ہے۔

سیکرٹری دفاع ڈونلڈ رمسفیلڈ

ڈونلڈ رمسفیلڈ ری پبلکن پارٹی کے پرانے دور کا تندمزاج رکن ہے۔ وہ

رچرڈ ڈنکس کا صدارتی مشیر تھا اوران دنوں ڈک چینی کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ صدر فورڈ کے سیکرٹری دفاع اور پھر فورڈ کے عملے کے سربراہ ہوتے ہوئے اس نے تقریباً تن تنہا اس کے ساتھ سالٹ دو کا گلا گھونٹ دیا۔ اس نے بڑی ثابت قدمی کے ساتھ اسلحہ پر کسی بھی پابندی کی مخالفت کی اور ۲۰۰۱ء کی تائید ی ساعت میں اسے ''قدیم تاریخ'' قرار دیا۔ دفاعی اسکیموں میں وہ ''اسٹار وارز'' کا حامی رہا۔ رمسفیلڈ نے ۱۹۹۸ء کے اس کمیشن پر نظر رکھی، جو امریکہ کے خلاف پلاسٹک میزائل کے خطرے کا اندازہ لگاتا رہا۔ رمسفیلڈ عرف ''چکن لٹل'' نے دعویٰ کیا تھا کہ امریکہ بدمعاش قوموں کی طرف سے اس طرح کے خطروں کو پانچ سال تک محسوس کرتا رہے گا۔ (سی آئی اے نے اس کی آدھی مدت کی پیش گوئی کی تھی۔ رمسفیلڈ جب بی ون کے بم اورایم ایکس میزائل چلانے سے فارغ ہوا تو اب وہ جی بی مرلی فامیٹیکل کمپنی کا (جس کی ملکیت اب فارمیسیا کے پاس ہے) چیف ایگزیکٹو ہو گیا، ساتھ ہی جنزل انسٹرومنٹ کا چیف ایگزیکٹو تھا (اب یہ کمپنی موٹورولا کی ملکیت ہے) بش کی حکومت میں شمولیت سے پہلے بہت سے بورڈ سے بطور رکن وابستہ رہا جن میں کیلوگس، سیرس، آل اسٹیٹ اورٹریبون کمپنی شامل ہے۔ (آخرالذکر کمپنی شکاگو ٹریبیون اور لاس انجلز نامی اخبارات شائع کرتی ہے اورکئی ٹی وی سیٹشنوں کی مالک ہے جن میں نیویارک کا چینل دوبھی شامل ہے۔)

انرجی (توانائی) کے سیکرٹری

ابراہیم مشیگن سے سینٹر منتخب ہوئے۔ وہ ماحولیات کے سخت مخالف تھے اوران کا ایسا ریکارڈ تھا کہ اسے صفر تسلیم کر لیا گیا۔ ایسی انرجی جس کے استعمال کے بعد تجدید ممکن ہو،اس میں تحقیق کی انہوں نے مخالفت کی۔ وہ گیس پر وفاقی ٹیکس ختم کر دینا چاہتے تھے اوران کے خیال میں الاسکا میں تیل کے کنوؤں کی کھدائی ایک اچھی تجویز تھی۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ انہوں نے ۲۰۰۰ء میں جس محکمے کو ختم کر دینے کی خواہش کی تھی، آج اسی محکمے کے سربراہ ہیں۔ ابراہیم کو موٹر گاڑیوں کی صنعت سے جتنا ملا، وہ کسی اورامیدوار کو نہیں ملا۔ ان کو سات لاکھ ڈالر ملے تھے۔ سب سے زیادہ چندہ ڈیملر کرنسلر کمپنی نے دیا، جو وہیکل چوائس کے کولیشن (اشتراک) میں شامل ہے۔ یہ تجارتی گروپ ایندھن کی بچت کے معیارات میں

اضافے کو روک دینا چاہتا ہے ڈیملر کونسلر کا اس سال یہ منصوبہ ہے کہ ایک لمبی باڈی والی گاڑی ایس یووی کو بازار میں متعارف کرائے۔ یہ گاڑی ایک گیلن میں دس میل جاتی ہے لیکن کوئی پرواہ نہیں۔ جب ابراہیم سینیٹر تھے اس وقت انہوں نے اس گاڑی یعنی ایس یووی میں ایندھن کے اندر بچت کی مزید تدبیریں اختیار کرنے کی مخالفت کی تھی۔

صحت اور انسانی خدمات کے سیکرٹری ٹومی تھامپسن

وہ شخص ہے جس کا تمباکو کی صنعت سے نپٹنے میں غالباً سب سے بڑا کردار ہوگا اور اس پالیسی کے بارے میں معروضی ہونے میں اسے کوئی زحمت نہیں ہوئی ہوگی۔ بہرطور تھامپسن نے واشنگٹن لیگل فنڈ کے مشاورتی بورڈ میں بھی خدمات انجام دی تھیں اور تب ہی اس نے تمباکونوشی کو فروغ دینے والوں کی جانب سے مفروضات پیش کئے یا شاید اس لئے کہ گورنر کے طور پر اس نے ۵لاکھ۲۷ ہزار ڈالر انتخابی مہم میں فلپ مارس سے لئے یا اس لئے کہ فلپ مارس نے ان کے متعدد غیر ملکی دوروں کے مصارف ادا کئے تاکہ تھامپسن آزاد تجارت کو فروغ دیں، بہرحال کوئی وجہ نہیں جو یہ سوچا جائے کہ صحت کے سوال پر وہ غیر جانب داری کے ساتھ کام نہیں کرسکیں گے۔ کتنا برا ہوا جو انہوں نے حال ہی میں اپنا فلپ مورس سگریٹ کا سارا اسٹاک پندرہ ہزار سے پچاس ہزار ڈالر کے درمیان کسی رقم کے عوض بیچ دیا کیونکہ تمباکو کے بڑے کاروبار کے لیے وہ سال بہت اچھے تھے۔

آہنی تار بنانے والوں کے لیے بھی اچھے دن آنے والے تھے۔ ٹومی ٹی کے نام سے معروف اسے لوگ ''زندگی نواز'' کہتے ہیں جو اسقاط حمل کے سلسلے میں عورت کے اس حق کی راہ میں ہر ممکن رکاوٹ کھڑی کرتا ہے۔ وسکنسن کا گورنر ہوتے ہوئے اس کا عورتوں سے یہ مطالبہ تھا کہ کارروائی شروع کرنے سے پہلے انہیں نفسیاتی مشورے حاصل کرنے اور تین دن تک انتظام کرنا ہوگا۔

سیکرٹری داخلہ گیل نورٹن

گیل نورٹن اپنے سرپرست اور پیش رو جیمس واٹ کے نقش قدم پر پہلے ہی چل پڑی ہیں۔ انہوں نے قانون کے پیشے میں اپنی ابتداء ماؤنٹین اسٹیٹس لیگ فاؤنڈیشن سے کی۔ یہ ایک قدامت پرست ماحولیاتی ادارہ ہے جس کی مالی امداد تیل کمپنیاں کرتی ہیں۔ اس

کی بنیاد واٹ نے رکھی۔ نورٹن نے اس گروپ کے ساتھ گہرا رابطہ رکھا ہے۔ انہوں نے الاسکا کی ریاست کو مدد دی جس کی بدولت الاسکا نے محکمہ داخلہ کے ماہی گیری کے قوانین کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کردی۔ نورٹن نے خطرے میں مبتلا نوع حیات کے حفاظتی قانون کو غیر آئینی قرار دے دیا ہے اور قومی ماحولیاتی قانون کے خلاف قانونی رائے قلم بند کی ہیں۔ براؤنسٹین، حیات اینڈ فارپر کے ساتھ بطور وکیل انہوں نے این ایل (جسے پہلے نیشنل لیڈ کہا جاتا تھا) کی پیروی کی اور ساتھ ہی بچوں کے متعلق مقدمے میں اپنا دفاع کیا۔ مقدمہ یہ تھا کہ بچوں کے لیے رنگ میں لیڈ (ایک زہریلی دھات) شامل کی جاتی ہے۔ نورٹن ری پبلکن پارٹی کے ماحولیاتی ادارے کے اشتراک کی قومی چیئر مین بھی تھیں۔ وکلاء کے اس گروپ کی بنیاد فورڈ موٹر اور بی پی آرمو کو نے رکھی تھی۔

محنت کے سیکرٹری ایلیسن چاؤ

چاؤ نے ابتداء میں یونائیڈوے اور پیس کوز میں کام کیا جو غیر منافع بخش شعبے ہیں لیکن دو اداروں ڈول فورڈ، کلوروکس اور حفظ صحت سے وابستہ کمپنیوں سی آر بارڈ اور بہت وسیع دور تک پھیلے ہوئے ہاسپٹل کارپوریشن آف امریکہ کے بورڈ کی رکن ہیں (سی آر بارڈ نے ۱۹۹۰ء کے عشرے میں اس خطا کا اقرار کر لیا تھا کہ اس کے ادارے نے ناقص کیتھیٹرز (Catheters قلب کی اصلاح کے آلے) بنائے اور اس پر غیر قانونی تجربے کئے۔ وہ نارتھ ویسٹ ایئر لائنز کے بورڈ کی بھی رکن تھیں۔ ان کی شادی قدامت پسند سینیٹر میچ میسکونل سے ہوئی ہے۔

سیکرٹری آف اسٹیٹ کولن پاول

جن دنوں انہیں جنگ لڑنے سے فراغت تھی، وہ گلف اسٹریم ایرواسپیس اور اے او ایل کے بورڈ پر براجمان رہے۔ گلف اسٹریم جیب طیارے ہالی وڈ کے منتظمین اور غیر ملکی حکومتوں مثلاً کویت اور سعودی عرب کے لیے بھی تیار کرتی ہے۔ پاول کے زمانے میں اے او ایل ٹائم وارنر میں ضم کر دی گئی تھی، پھر تو پاول کی قسمت نے انہیں ۵ کروڑ چالیس لاکھ ڈالر کا آدمی بنا دیا۔ اس وقت کولن پاول کا بیٹا میکائیل پاول وفاق کے مواصلاتی کمیشن کا واحد رکن تھا جس نے کہا تھا کہ "اے او ایل اور ٹائم وارنر کے ادغام پر کوئی پوچھ گچھ نہیں

ہونی چاہئے۔ جارج ڈبلیو بش کی ذمہ داریوں میں یہ بات بھی شامل ہونی چاہئے کہ اے او ایل اور ٹائم وارنر کی سرگرمیوں پر نظر رکھیں۔ وہ یہ بھی دیکھتے رہیں گے کہ آیا ''فوری پیغام رسانی'' کی تکنیک پر اے او ایل کی اجارہ داری کا کوئی ضابطہ ہوگا۔''

رسل ورسائل کے سیکرٹری نورمن وانی مینٹیا

یہ واحد ''ڈیموکریٹ'' ہیں جو کلنٹن انتظامیہ میں شمولیت سے بچ رہے تھے اور بش کی کابینہ میں شامل تھے۔ مینٹیا کے کاروبار کے شعبے میں اپنے مراسم ہیں، جب وہ سیلیکون ویلی سے کانگریس میں نمائندگی کر رہے تھے۔ اس زمانے میں انہوں نے انتخابی مہم کے دوران میں نارتھ ویسٹ ایئر لائنز یونائیٹڈ ایئر لائنز گرے ہاؤنڈ، یونگ اور یونین پیسفک سے عطیات وصول کئے۔ ایوان سے فارغ کئے جانے کے بعد انہوں نے لاک ہیڈ مائن کے ساتھ کام شروع کیا۔ کابینہ کے محکمے میں جہاں ان سب پر ''نظر'' رکھی جاتی ہے کام کرنے کے لیے اس سے بہتر جگہ کیا ہوگی جہاں انہوں نے اب ڈیرہ جمایا ہے۔

وہائٹ ہاؤس (ایوان صدر) کے عملے کے سربراہ اینڈریو ایچ کارڈ جونیئر

بش انتظامیہ میں کام کرنے سے پہلے کارڈ جنرل موٹرز کے خاص لابی اسٹ (ترغیب کار) تھے۔ وہ امریکی آٹو موبائل مینوفیکچررز ایسوسی ایشن کے بھی چیف ایگزیکٹو تھے۔ اب یہ ادارہ بند ہو چکا ہے۔ اس نے کثافت کے اخراج کے معیارات کے خلاف لابی کی اور تجارت کے امور پر جاپان سے خوب آویزش کی۔ کارڈ نے امریکی ایوان صنعت کے لابی انگ گروپ کی جانب سے پسنجرز لاسم آف رائٹز (مسافروں کے حقوق کا قانون) کے خلاف بیان دیا۔ انہوں نے جان ایش کرافٹ اور اسپنر ابراہم کے لیے تھیں، ایک ایک ہزار ڈالر اپنی جیب خاص سے دیئے۔

دفتری نظم ونسق اور بجٹ کے ڈائریکٹر مچ ڈینلیز جونیئر

ڈینلیز اب سے پہلے ای یسلی فارنیکلز کے سینئر وائس پریذیڈنٹ تھے۔ اپنے موجودہ منصب کی بنا پر ٹینلیز وفاقی بجٹ کے متن کی تیاری پر نظر رکھیں گے۔ اس میں یہ بات بھی شامل ہوگی کہ اگر ضرورت ہوئی تو) کسی قدر رقم میڈی کیئرز کے مریضوں کی مقررہ

ادویہ کے لیے الگ رکھی جائے گی۔ یہ ایسی قانونی شق ہے جس کی الی بیلی اور دوسری ادویہ ساز کمپنیاں مخالفت کر رہی ہیں۔ ڈینیلز جی ای، گروپ ٹاؤن اور میرک میں پچاس ہزار ڈالر سے لے کر ایک لاکھ تک کے ملکیتی ذخائر کے مالک ہیں۔ مقرر کردہ ادویہ کے فوائد کو آئندہ سال منتقل کرنے کی اجازت دینا موجودہ انتظامیہ کی جانب سے ایسا ہی ہوگا جیسے میں ادائے رسم کے لیے جلتی ہوئی آگ کے آگے خود کو بھسم کر لوں۔

نیشنل سکیورٹی (قومی سلامتی) کی مشیر کنڈولیزا رائس

شیوران کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کی رکن کی حیثیت سے خدمات کی انجام دہی پر ایک لاکھ تیس ہزار کے آئل ٹینکر کا نام ان سے موسوم کر دیا گیا۔ وہ چارلس شیواب اور ٹرانس میریکا کی ڈائریکٹر بھی تھیں۔ انہوں نے جے پی مارگن کی مشیر کے طور پر بھی کام کی اور بش کی بلڈرز نیشنل سکیورٹی ٹیم (قومی سلامتی کی بزرگوں کی جمعیت) میں بھی کام کرتی رہیں۔

صدر کے سینئر مشیر (مشیر اعلیٰ) کارل روو

روو ایک طویل مدت سے بش کے حمایتی اور دوست چلے آ رہے ہیں۔ ایک بارہ فلپ مارس کے بھی مشیر تھے۔ گورنر بش کی مشاورت کے زمانے میں ایک تمبا کو سگریٹ کمپنی انہیں تین ہزار ڈالر ہر ماہ یہ معلوم کرنے کے لیے دیتی رہی کہ انتخابات میں اندر کیا ہو رہا ہے اور امیدواروں کے معاملات کیا ہیں؟ روو نے جب سے وہائٹ ہاؤس میں اپنا منصب سنبھالا ان پر مسلسل اس الزام کی بوچھاڑ کی جا رہی ہے کہ وہ اپنی منصبی حیثیت سے ان کمپنیوں کے مفادات کو فروغ دے رہے ہیں جن میں ان کے ذخائر رکھے ہوئے ہیں۔ حال ہی میں روو کو یہ الزام دیا گیا کہ وہ ان ٹل کمپنی کے عہدیداروں سے ممکنہ انضمام کے امکانات پر بات چیت کر رہے ہیں اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے ان ٹل کے اسٹاک رکھے ہوئے ہیں (جس کی مجموعی مالیت دس لاکھ ڈالر سے پچیس لاکھ کے درمیان ہے) دو ماہ کی بات چیت اور ملاقاتوں کے بعد انضمام کی منظوری دے دی گئی اس کے ایک ماہ بعد روو نے اپنے ذخائر بیچ دیئے۔

صدر کے شیڈو ایڈوائزر (ظلی مشیر) کینتھ ایل لے

لے این رون کے سربراہ ہیں۔ یہ امریکہ میں بجلی کے سب سے بڑے تاجر ہیں۔ بش کی صدارتی مہم میں سب سے زیادہ عطیہ دینے والے یہی ہیں۔ لے نے صدر کے ساتھ اپنی قرابت اور گہری دوستی کو استعمال کرتے ہوئے بجلی کے وفاقی تنظیمی کمیشن کے چیئر مین پر اس غرض سے مسلسل دباؤ ڈالا ہے کہ انرجی کو ضابطے کی پابندیون سے جلد آزاد کیا جائے۔ بظاہر لے نے کمیشن کے عہدوں کے لیے پسندیدہ امیدواروں کی فہرست بھی بش کو فراہم کی ہے۔ این رون بڑی تیزی سے ایک سو بلین ڈالر کی کمپنی بن گئی۔ اس میں کچھ حصہ کیلیفورنیا میں بجلی کے بحران کا بھی ہے۔ بش اور چینی لے کے مشوروں پر بھروسہ کرتے ہیں اور انتظامیہ میں کسی عہدے پر تقرر کے لیے لے کا ''انٹرویو'' کر لینا ملازمت کے لیے ضروریہ ہوتا ہے۔

دوستو، ہمسایو اور عزیزو! جیسا کہ آپ دیکھ سکتے ہیں، یہ وہ حکومت ہے جس کا مقصد اپنی جیبیں بھرنا ہے اور یہ لڑائی کے بغیر عہدہ نہیں چھوڑیں گے۔ ان کا مشن یہ ہے کہ اپنی اقتصادی طاقت کو اور (نو یافتہ) سیاسی طاقت کو ملک میں حکمرانی کے لیے آپس میں جوڑ دیا جائے اور دوستوں کو مزید دولت مند بننے میں ان کی مدد کی جائے۔

اس بوڑھے گاوَدی گورے کو باز رکھنا ہوگا۔ میں نے کوفی عنان کو بتا دیا ہے کہ وہ مختلف مقامات کون سے ہیں جہاں یہ (زیادہ تر) افراد پائے جاتے ہیں اور اقوام متحدہ کی افواج ان کو پکڑ سکتی ہیں۔ کوفی عنان! میں آپ سے التجا کرتا ہوں۔ آپ نے اس سے کم تر نقصان رساں جرائم پر دوسرے ملکوں کے خلاف کشی کی ہے۔ ہماری بپتا کو نظر انداز نہ کیجئے۔ ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو بچا لیجئے۔ ایک نئے اور صاف ستھرے انتخابات کا مطالبہ کیجئے۔ اس سازشی ٹولے کو رضامندی کے لیے ۴۸ گھنٹے کی مہلت دیجئے اور اگر وہ راضی نہیں ہوتے تو پھر اس کے ساتھ امریکی فضائیہ کے انداز کا سلوک کیجئے یعنی لیزر لائٹ کا استعمال۔

فوجی قبضے کا جواب

ہم عام لوگ ایسی کارروائی کر سکتے ہیں جس سے بش اور چینی کے سازشی ٹولے کا تختہ الٹ جائے گا اس کے لیے ہمیں ہر ہفتے صرف دو گھنٹے ایک عہد کے ساتھ کام کرنا

ہوگا۔ طریقہ یہ ہے:

۱۔ اپنے نمائندوں سے ہر ہفتے ملاقات کیجئے۔ اس کے لیے تین اور دوستوں کو آمادہ کیجئے سینیٹر، کانگریس کے ارکان اور دوسرے منتخب عہدیدار ملاقاتیوں پر اور اس طرح موصول ہونے والے خطوط اور تار پر نہایت احتیاط سے توجہ دیتے رہیں۔ وہ ہر روز اپنے حلقہ انتخاب سے بہت سارے پیغامات وصول کرتے ہیں۔ ہر ہفتے صرف چند منٹ صرف ہوں گے۔ اس طرح تمہارے خیالات ان تک پہنچتے رہیں گے۔ اس طرح کے عوامی احتجاج سے اور موصول ہونے والے صرف چند سو خطوط بھی عوامی احتجاج بن جائیں گے۔ بش کے ارادوں کی رفتار رک جائے گی۔ عوام کی ناپسندیدگی کے نتیجے میں بش کی بہت سی پالیسیاں ملتوی ہو چکی ہیں۔ جی ہاں اس کا اثر ہوتا ہے۔ ہم سب بہت زیادہ گلا شکوہ کرتے ہیں۔ پھر اس کا بہتر استعمال کیوں نہیں کرتے؟ ایک مسئلے کو لے لیجئے جس کے لیے آپ پریشان ہیں اور درج ذیل مشورے پر آج ہی عمل کیجئے۔

(ا) 202-22403121 پر فون کیجئے۔ یہ امریکہ کا دارالحکومت کا سوئچ بورڈ ہے۔ پھر اپنا کوڈ نمبر بتائیے۔ وہ لوگ آپ کی کال کو آپ کے نمائندے سے ملا دیں گے۔

(ب) سینیٹر (یہاں اس کا نام لکھئے) کے دفتر، یونائیٹڈ اسٹیٹس، سینٹ، واشنگٹن ڈی سی 20510 یا نمائندہ (نام) کے دفتر، یونائیٹڈ اسٹیٹس، ایوان نمائندگان، واشنگٹن ڈی سی 2055 کو خط لکھئے۔

(ج) سینیٹرز کے لیے ای میل کا پتہ یہ ہے www.senate.gov نمائندگان کا ایک میل نمبر یہ ہے www.house.gov/writerep

(د) تار کیجئے۔ پتہ ویسٹرن یونین 1-800-325-6000 یا ان کی ویب سے رابطہ کیجئے www.westernunion.com

۲۔ بش جہاں ان کا پیچھا کرتے رہو اگر یہ سنو کہ جونیئر بش شہر میں آنے والے ہیں تو اس واقعہ پر احتجاج کے لیے دوستوں کا ایک گروہ منظم کرو۔ ابلاغ کے ذرائع (اخبار، ٹی وی وغیرہ) کو یاد دلا دو کہ بش حکومت کی خواہش کے تحت حکومت بش کر رہا ہے۔ کھل کر بولو، مسخرہ پن کرو، اشارے کرو، اسٹریٹ تھیٹر اور ماک ٹرائل

(علامتی عدالتی) کارروائی کے طریقوں سے انہیں بتا دو کہ سچ سے بچنے کے لیے چھپنے کی کوئی محفوظ جگہ نہیں۔

۳۔ ڈیموکریٹس کو مجبور کرو کہ وہ اپنا کام کریں۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے جو سازشی کارروائی کی ہے اس کا جواب یہی ہوسکتا ہے کہ ''حزب اختلاف'' خوب ڈٹ کر لڑائی لڑے لیکن یہ آسان نہیں ہوگا۔ آج کل کے ڈیموکریٹس کے پاس ایسے لوگوں کے لیے وقت نہیں ہوتا جو ان کے لیے ایک ہزار ڈالر فی پلیٹ کے عشائیے کا انتظام نہیں کر سکتے۔ چنانچہ یہ ہے ڈیموکریٹک رویے میں چھوٹی سی ترمیم لانے کا پروگرام۔

ایک عہد کیجئے ویب سائٹ پر www.michaelmoore.com ملایئے اور لائن پر یہ عرضداشت بھیجئے جس میں کانگریس کے اندر ڈیموکریٹس کو تاکید کی جائے کہ بش، چینی اوران کے چیلوں کے خلاف ڈٹ کر کھڑے ہو جائیں ورنہ آئندہ برس ڈیموکریٹ اورری پبلکن کے مقابلے میں وہ انہیں کانگریس کی قیادت سے محروم کردیں گے۔

اپنی مقامی ڈیموکریٹک پارٹی پر قبضہ کر لیں۔ بہت سے ملکوں میں مقامی ڈیموکریٹک پارٹی کی قیادت چند لوگ ہی کرتے ہیں کیونکہ بیشتر شہری کبھی سامنے آنے کی زحمت نہیں کرتے۔ دوسری قریبی کاؤنٹی یا ٹاؤن پارٹی میں جایئے اوردس دوستوں کو ساتھ لایئے۔ بیشتر صورتوں میں آپ کا یہ گروہ اکثریت بن جائے گا۔ ریاستی پارٹی کے قوانین اورضوابط کو استعمال کیجئے (یہ اکثر آپ کو ویب میں مل سکتے ہیں) اور پھر اس پر قبضہ کر لیجئے۔

۴۔ آپ کو جی ہاں آپ کو، عہدے کے لیے انتخاب میں حصہ لینا چاہئے۔ یہ ایک حق ہے۔ آپ، یعنی آپ جو اس وقت یہ کتاب پڑھ رہے ہیں۔ یہ ایک ہی طریقہ ہے جس سے تبدیلیاں لائی جاسکتی ہیں۔ جب تک معمولی کے شریف لوگ سرکاری عہدوں کے لیے انتخابات میں حصہ نہیں لیں گے، عہدے بدمعاشوں کے ہاتھوں میں چلے جائیں گے جب تک ہم یہ کام خود نہیں کریں گے، پاجی قسم کے سیاستدانوں کو کس طرح راستے سے ہٹائیں گے۔

اب یہ آپ کا وقت ہے کہ میدان میں نکل آئیں اور دوسرے سال ایسا کر ڈالیں۔ آپ سکول بورڈ کے لیے، سٹی کونسل کے لیے، کاؤنٹی کے خزانچی، نکاسی آب کے

بندوبست کے کمشنر، سٹی یا کاؤنٹی کے کلرک، ریاست کے نمائندے، ریاستی سینٹ، ریاست کے تعلیمی بورڈ، ریاست کے سیکرٹری، گورنر، کانگریس کے رکن، امریکہ کے سینیٹر یہاں تک کتے پکڑنے والے یا متعدد دیگر عہدوں کے لیے انتخابات میں حصہ لے سکتے ہیں لیکن جس عہدے کے لیے آپ کو ضرور انتخابات میں حصہ لینا چاہئے وہ ہے کاؤنٹی کے ذیلی ادارے میں مندوب کا عہدہ۔ امریکہ کی ذیلی کاؤنٹی میں تمام پارٹیوں کے مندوب منتخب ہوتے ہیں۔ یہ سب سے کمتر عہدہ ہوسکتا ہے لیکن یہی وہ بنیاد ہے جس پر تاش کے پتوں کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ منتخب امیدوار، صدارتی امیدواروں کو نامزد کرنے کے لیے نیشنل پارٹی کنونشن میں حصہ لیتے ہیں۔ آپ کو اس میں ضرور شامل ہونا چاہئے۔

اور میں یہ بات محض زبان سے نہیں کہہ رہا ہوں۔ میں اس کے مطابق اس سال بھی کر رہا ہوں۔ میں نے ایک درجن دوست تیار کر لئے ہیں۔ وہ اپنی اپنی ذیلی کاؤنٹی کے انتخابات میں حصہ لیں گے۔ بیلٹ پر آپ کے نام کے اندراج کے لیے کافی تعداد میں دستخطوں کی ضرورت ہوگی۔ اہلیتوں میں فرق ہوتا ہے لیکن ابتدائی مرحلوں میں تو اتنے کم لوگ شریک ہوتے ہیں اور ذیلی کاؤنٹی میں اکثر کوئی امیدوار نہیں ہوتا کہ منتخب ہونا کچھ مشکل نہیں ہوتا، بس موجودگی ضروری ہوتی ہے لہٰذا اپنے انتخابی بورڈ یا کاؤنٹی کلرک کے دفتر میں سر جھکا کر بیٹھ جایئے اور اس سے پہلے کہ مقررہ تاریخ گزر جائے، چند درخواستیں لکھ ڈالئے۔

سازشی ٹولے کا جواب دینے کے لیے ہمارے پاس صرف چند اقدامات رہ گئے ہیں۔ آپ کو چاہئے یہ کام ڈیموکریٹ کی حیثیت سے کریں یا گرین (Green) کی حیثیت سے یا ایک ناراض شہری کی حیثیت سے، عمل کے لیے یہ وقت نہایت مناسب ہے۔

پیارے جارج

''صدر'' جارج ڈبلیو بش کے نام کھلا خط

تم اور میں......ہم ایک خاندان کی طرح ہیں۔ ہمارے ذاتی تعلقات کئی برس پرانے ہیں۔ ہم میں سے کسی نے اس کی تشہیر کی۔ وجہ صاف ظاہر ہے بیشتر اس لئے کہ اس پر یقین نہ کرنا لیکن کسی ذاتی سبب سے بھی، کچھ اس سبب سے جو بش کے خاندان نے کیا اور اس نے میری زندگی پر شدید اثر ڈالا۔

ہمیں چاہیئے کہ صاف بات کریں اوراس کا اعتراف کرلیں۔ یہ تمہارا خالہ زاد کیون تھا جس نے روجراینڈ می(Roger & Me)بنائی۔ جب میں نے فلم دیکھی اس وقت تک مجھے علم نہیں تھا کہ تمہاری ماں اور کیون کی ماں دونوں بہنیں ہیں۔ کیون سے میری ملاقات اس کی اپنی فلم بندی کے زمانے میں ہوئی جب مچیگن میں صلیب کو آگ لگائی جا رہی تھی، اس وقت میرا خیال تھا کہ وہ ایک لاابالی کا آرٹسٹ ہوگا اور مچیگن میں ہی رہتا ہوگا۔ کیون نے ایک زبردست فلم بنائی ''ایٹمک کیفے'' (Atomic Cafe) گپ شپ کے دوران میں نے کہا اگر تم فلنٹ، مچیگن میں آؤ تو مجھے بھی فلم بنانے کا گر سکھا دینا۔ مجھے اس وقت جرات ہوئی جب اس نے کہا ''ہاں'' اور فروری ۱۹۸۷ء میں کیون ریفرٹی اور اینی بوہلن فلنٹ کے قریب و جوار میں میرے ساتھ گھومتے رہے، مجھے یہ بتاتے رہے کہ فلم بندی کے آلات کس طرح استعمال کئے جاتے ہیں۔ دستاویزی فلم کیسے بنائی جاتی ہے، اس بارے میں انہوں نے مجھے بہت قیمتی اورگر کی باتیں بتائیں۔تمہارے خالہ زاد کی اس فیاضی کے بغیر مجھے نہیں معلوم کہ (Roger & Me) کبھی بن بھی سکتی تھی۔

مجھے وہ دن یاد ہے کہ جب تمہارے والد نے صدارت کا عہدہ سنبھالا۔ میں واشنگٹن کے ایک نہایت خراب و خستہ ایڈیٹنگ روم میں فلم کی ایڈیٹنگ کر رہا تھا۔ اس وقت میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے بھی جانا چاہیئے اورانہیں ایوان حکومت کے زینے پر حلف اٹھاتے ہوئے دیکھنا چاہیئے۔

وہ سب کتنا طلسماتی لگ رہا تھا کہ ڈائس پرتمہارے برابرتمہارا خالہ زاد کیون بیٹھا تھا میرا مربی۔ دی مال سے گزرتے ہوئے بیچ بوائز (Beach Boys) کو گاتے ہوئے دیکھنا بھی مجھے یاد ہے وہ تمہارے والد کے اعزاز میں ایک مفت افتتاحی کنسرٹ کی خاطر وڈایٹ بی نائس (Would it be nice) گا رہے تھے۔ واپسی پر میں ایڈیٹنگ روم میں اپنے دوست بن (Bin) کو پردے پر دیکھا۔ خیرمقدم کرنے والوں کی صف میں گھسنے کے لیے پاگل ہو رہا تھا، وہ بھی اس وقت وہی بیچ بوائز کا گیت گا رہا تھا،بکھرے ہوئے مناظر پردے پرآرہے تھے۔

کئی ماہ بعد جب وہ فلم ریلیز ہوئی تو تمہارے والد، صدر صاحب نے یہ ہدایت کی کہ فلم ''روجراینڈ می'' کیمپ ڈیوڈ بھجوادی جائے، کسی چھٹی کے روز دیکھی جائے گی۔

میرے آبائی شہر پر جو تباہی اور بربادی مسٹر ریگن اور تمہارے والد کے احکام کی بدولت ٹوٹ کر آئی تھی، اسے دیکھنا، دیوار پر مکھی کی طرح، جیسا کہ تم سب نے دیکھا وہ کتنا عجیب تھا۔ میری ہمیشہ سے یہ خواہش رہی کہ اس بارے میں تمہارے احساسات معلوم کروں۔ فلم کے آخر میں ڈپٹی شیرف بے گھر بچوں کے تحائف اور کرسمس بڑے جنگلے سے باہر محض اس لئے پھینک رہا تھا کہ ان کے پاس کرائے کی مد میں ۱۵۰ ڈالر کم تھے، تو اس وقت کیا کمرے میں بیٹھے ہوئے کسی کی آنکھوں میں آنسو تھے؟ کیا کسی نے اس بات پر اپنی ذمہ داری محسوس کی؟ یا کیا تم سب نے بس اتنا ہی سوچا ''ہاں، اچھا کیمرہ ورک ہے۔''

خیر، وہ آٹھویں عشرے کے آخری سال تھے۔ ابھی تم نے اپنی بلانوشی ترک کی تھی اور چند سال کے پرہیز کے بعد اپنے والد کی مدد سے ''خود کو تلاش کرنے'' کی کوشش کر رہے تھے۔ کہیں تیل کی تلاشی کی مہم میں، کہیں بیس بال کے ساتھ۔ میرے ذہن میں کچھ عرصے کے لیے یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ تمہارا ارادہ خود صدر بننے کا نہیں تھا۔ ہم سب کے ساتھ یہی ہوتا ہے کہ جو کام کرنا نہیں چاہتے، کبھی نہ کبھی گرتے پڑتے وہیں پہنچ جاتے ہیں۔ بھلا کس نے ایسا نہیں کیا؟ تمہیں البتہ یہ بہت مختلف لگا ہوگا۔ بہرحال اب تم وہاں پہنچ ہی گئے ہو تو ایسا بھی نہیں کہ تم وہاں رہنا نہیں چاہتے ہوگے۔ پھر اس صورت میں کہ چھٹے ہوئے خرانٹ جو دنیا کو اپنے ڈھب سے برت رہے تھے، اب تمہارے گرد جمع ہو گئے ہیں۔ وہائٹ ہاؤس کا پھیرا لگانے والے بچارے لوگ ڈک، الی، کولن ان میں سے کوئی ایک بھی تو تمہارا لنگوٹیا یار نہیں ہے۔ یہ سب پاپی (Poppy) کے پرانے ساتھی ہیں، جو تمہارے گھر اچھے قسم کے سگار اور ووڈ کا کے لیے آتے تھے اور پنامہ کی شہری آبادیوں پر بموں کی بوچھاڑ کرنے کے خواب دیکھا کرتے تھے۔

لیکن تم تو ہم میں سے ہو، ایک بومر، ایک طالبعلم (C Student) ایک رفیق۔ اس گروہ سے تمہارا کیا لینا دینا؟ یہ تو تمہیں کچا چبا رہے ہیں اور خراب گوشت کی موٹی جلد کی طرح منہ سے تھوک رہے ہیں۔ غالباً یہ بات میں نے تمہیں نہیں بتائی کہ انہوں نے ایک دستخط کے لیے ٹیکس میں جو رعایت تمہارے لئے حاصل کی۔ وہ ایک فریب کاری تھی تاکہ رقم متوسط طبقے سے چھین کر سب سے بڑے دولت مندوں کو منتقل کر دیں۔ مجھے معلوم ہے تمہیں زائد سرمائے کی ضرورت نہیں تھی۔ بھلا ہوا، بڑے میاں پریس کاٹ بش کا اور دوسری عالمی

جنگ سے پہلے اور جنگ کے دوران میں نازیوں کے ساتھ ان کے عیارانہ کاروبار کا، تم نے تو اپنے پاؤں زندگی میں جمالئے ہیں۔

لیکن وہ سارے شوقین اور عیاش، جنہوں نے انتخابی مہم چلانے کے لیے ۱۹ کروڑ ڈلر کی گراں قدر رقم مہیا کی (جس میں دوتہائی سرمایہ محض سات سو سے کچھ زائد افراد نے فراہم کیا) اب وہ ساری رقوم کی واپسی چاہتے ہیں بلکہ اس سے کچھ زیادہ کے خواہشمند ہیں۔ وہ بڑی تندی کے ساتھ تمہارے پیچھے کتے کی طرح لگے ہوئے ہیں اور اس بات کا یقین چاہتے ہیں کہ تم وہی کرو جو وہ کہتے ہیں۔ تمہارے پیش رونے لنکن کی خواب گاہ بر براسٹی سنٹر کو کرائے پر دے دیا ہوگا، لیکن یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ اس سے پہلے کہ تمہیں خبر ہو، تمہارا لنگوٹیا یار اور قائم مقام صدر چینی، ایوان صدر کے ویسٹ ونگ کی چابیاں اے ٹی اینڈ ٹی، این رون اور ایکسن موبائل کے چیئر مین کو دے چکا ہوگا۔

تمہارے نکتہ چیں جب یہ کہتے ہیں کہ تم دوپہر میں قیلولہ کرتے ہو اور دفتر تقریباً ساڑھے چار بجے بند کر دیتے ہو تو اس طرح وہ تمہاری حیثیت کو کم کر دیتے ہیں۔ انہیں تو یہ بتانا چاہئے کہ اب تم ایک نئی امریکی روایت کا آغاز کر رہے ہو، کھانے کا وقفہ اور قیلولہ سب کے لیے ہے اور پانچ بجے تک ہر شخص گھر کے لیے روانہ ہوجائے گا۔ تم یہ کرو اور پھر یقین کر لو تم امریکہ کے عظیم ترین صدر کی حیثیت سے یاد رکھے جاؤ گے۔

بھلا ایسی بات تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ تمہاری ماتحتی میں دفتر کے اندر کوئی کام نہیں ہو رہا ہے، یہ ہرگز نہیں ہے۔ میں نے کسی نئے صدر کو تم سے زیادہ مصروف نہیں پایا۔ تمہاری مصروفیت دیکھ کر تو یہ لگتا ہے گویا تم سوچ رہے ہو کہ صدارتی منصب پر تمہارے گنے چنے دن رہ گئے ہیں۔ سینٹ تو پہلے ہی ڈیموکریٹس کے حوالے ہو چکی ہے اور ایوان ۲۰۰۲ء میں خاتمے کی طرف جا رہا ہے، معاملے کے روشن پہلو پر نظر ڈالو۔ اس سے پہلے کہ چوٹ کھاتے ہوئے وہ سارے کامیاب افراد جنہوں نے گور کو ووٹ دیئے تھے، تمہیں ٹھوکر مار کر باہر کریں، ابھی تمہارے لئے دو سال باقی رہ گئے ہیں۔

صدارت کے پہلے ہی چند مہینوں میں تمہارے کارناموں کی فہرست نہایت شاندار ہے۔ تم نے:

☆ وفاق کی طرف سے لائبریریوں کے مصارف پر تین کروڑ نوے لاکھ ڈالر کم کر

دیئے۔

☆ ڈاکٹروں کے لیے بچوں کے امراض اور علاج کے اعلیٰ نصاب کی تربیت کے مصارف تین کروڑ پچاس ڈالر کر دیئے۔

☆ انرجی کے ذرائع کی تجدید نو کے لیے ریسرچ کے مصارف میں پچاس فیصد کمی کر دی۔

☆ پینے کے پانی میں زہر کی ''قابل قبول'' سطح کو کم کرنے کے لیے قوانین کے نفاذ میں تاخیر۔

☆ زیادہ صاف اور زیادہ کارآمد گاڑیوں اور ٹرکوں کی تیاری میں ریسرچ کے مصارف میں ۲۸ فیصد کمی۔

☆ وہ کمپنیاں جو وفاقی قوانین سے انحراف کرتی ہیں، ماحولیاتی قوانین اور کارگاہوں پر حفاظت کے معیارات کو پامال کرتی ہیں، حکومت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ انہیں ٹھیکے دینے سے انکار کر دے لیکن اس اختیار کو مضبوط تر بنانے کے قانون کو ہی منسوخ کر دیا گیا ہے۔

☆ سیکرٹری داخلہ گیل نورٹن کو یہ اجازت دے دی گئی ہے کہ وہ درخت کاری نیز کوئلے، گیس اور تیل کی تلاش کے لیے قومی آثار اور عمارات کی کھدائی کی بابت مشورے طلب کریں۔

☆ انتخابی مہم کے دوران میں، تم نے وعدہ کیا تھا کہ بارش والے گھنے جنگلات کو تحفظ دو گے اور اس کے لیے سالانہ دس کروڑ ڈالر خرچ کرو گے، وہ وعدہ تم نے توڑ دیا ہے۔

☆ اجتماعی بھلائی کے پروگرام میں ۸۶ فیصد کمی کر دی گئی۔ پروگرام کا مقصد پبلک ہسپتالوں، کلینک اور حفظان صحت کے دوسرے اداروں میں ان مریضوں کو تحفظ دینا تھا جنہیں صحت کے بیمے کی سہولت حاصل نہیں۔

☆ کیمیکلز کے پلانٹ میں ہونے والے حادثات کے پیچیدہ عوامل تک رائے عامہ کو زیادہ رسائی ہونی چاہئے لیکن اس تجویز کو روک دیا گیا۔

☆ عوامی رہائشی علاقوں میں گرلز اینڈ بوائز کلبس آف امریکہ (Clubs of

(America Girls & Boys کے پروگراموں کے لیے امدادی رقوم میں تخفیف۔

☆ کرۂ ارض کی تمازت (Global Warming) کے متعلق ۱۹۹۷ء کے کیوٹو پروٹوکول سے انحراف جسے ۱۷۸ دیگر ممالک تسلیم اوراس پر دستخط کر چکے ہیں۔

☆ جراثیمی جنگ کے خلاف ۱۹۷۲ء کے معاہدے کو مسترد کر دینا جبکہ اسے بین الاقوامی طور پر تسلیم کرلیا گیا ہے۔

☆ منتشر اور بے گھر مزدوروں کے تربیتی پروگرام کے لیے بیس کروڑ ڈالر کی تخفیف۔

☆ بچوں کے تحفظ اورنشوونما کے لیے ۲۰ کروڑ ڈالر کی تخفیف۔ اس پروگرام کا مقصد کم آمدنی والے خاندانوں کو مدد فراہم کرنا ہے جونگہداشت کے بجائے کام کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

☆ وفاق کے ملازمین میں امتناع حمل کی تدبیروں کا خاتمہ (اگرچہ ویاگرا پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا)۔

☆ عوامی رہائش گاہوں کی مرمت کے لیے امدادی رقم میں ۷۰ کروڑ ڈالر کی کمی۔

☆ ماحولیات کے تحفظ کی ایجنسی کے بجٹ میں نصف بلین ڈالر کی تخفیف۔

☆ مزدوروں کی صحت اور سلامتی کے لیے جو قوانین ان کی کارگاہوں میں حالات کے مطالعہ کے لیے وضع کیے گئے ہیں، ان قوانین کو مسترد کر دینا۔

☆ گلوبل وارمنگ (کرۂ ارض میں بڑھتی ہوئی حدت) کا ایک بڑا سبب کاربن ڈائی آکسائیڈ کا غیر معمولی اخراج ہے۔ اپنی انتخابی مہم میں اس عنصر کو باضابطہ بنانے کا جو وعدہ کیا تھا، تم نے اسے ترک کر دیا۔

☆ خاندانی منصوبہ بندی کی بین الاقوامی تنظیمیں جو اسقاط حمل، مشاورت، خصوصی معالجے یا دیگر خدمات کا اہتمام اپنے فنڈ سے کرتی ہیں، وفاق کی جانب سے ان کی امداد سے انکار اور بین الاقوامی کوششوں میں عدم شرکت۔

☆ کان کنی کی ایک کمپنی کے سابق عہدیدار ڈان لارسکی کو مائن سیفٹی اینڈ ہیلتھ (کانوں میں مزدوروں کی حفاظت اور ان کی صحت کے شعبے کے لیے اسٹیٹ سیکرٹری مقرر کرنا۔)

☆ ہوا میں کثافت کے صحت کے معیارات اور گلوبل وارمنگ کے ایک مخالف لین اسکارلٹ کو محکمہ داخلہ کے انڈر سیکرٹری مقرر کرنا۔

☆ فلوریڈا کے مشرقی ساحل کے قریبی علاقے جو تیل اور گیس کی تلاش کے لیے تھے انہیں سیکرٹری داخلہ گیل نورٹن کے منظور شدہ اختلافی منصوبے کے مطابق نیلام کر دینا۔

☆ مونٹسا نا لیوس اور کلارک نیشنل فارسٹ میں تیل کی کھدائی کے لیے اجازت نامے کی بابت، اپنے منصوبے کا اعلان۔

☆ وہائٹ ہاؤس کے ایڈز آفس کو بند کر دینے کی دھمکی۔

☆ وفاقی عدلیہ میں تقرر کے لیے یہ فیصلہ کہ اس کی بابت کے لیے امریکن بار ایسوسی ایشن سے رہنمائی حاصل کی جائے گی۔

☆ منشیات کے ضمن میں معمولی غلطیوں کے مرتکب اور سزا یافتہ طلبہ کو کالج کی مالی امداد سے محروم کر دینا (اگرچہ سزا یافتہ قاتل اب تک مالی امداد کے اہل سمجھے گئے ہیں۔)

☆ تمباکو سگریٹ کمپنیوں کے خلاف محکمہ انصاف کے وکلاء کی مسلسل قانونی چارہ جوئی اور اس کے لیے مطلوبہ رقم کے صرف تین فیصد کی منظوری۔

☆ ٹیکس میں کٹوتی کی تجویز کو آگے بڑھانا، جس کا سولہ فیصد فائدہ صرف ایک فیصد امیر ترین امریکیوں کو پہنچے گا۔

☆ ایک بل کی منظوری جس کے مطابق نادار اور متوسط طبقے کو امریکیوں کے لیے دیوالیہ قرار دیئے جانے کی درخواست کو دشوار بنا دیا گیا ہے، خواہ انہیں بھاری میڈیکل بلوں کا سامنا ہو۔

☆ مثبت کارروائی کے مخالف کے کول جیمس کا تقرر کہ وہ پرسانل مینجمنٹ (انتظامی عملے) کو ہدایات دیں۔

☆ بچوں سے مجرمانہ سلوک اور ان سے لاپروائی برتنے سے متعلق پروگرام میں ایک کروڑ ۵۷ لاکھ ڈالر کی تخفیف۔

☆ ریڈنگ از فنڈ مینٹل (خواندگی بنیاد ہے) پروگرام کے تحت نادار بچوں میں کتابوں

کی مفت تقسیم، ایسے پروگرام کوختم کر دینے کی تجویز۔

☆ جوہری اسلحہ کے تجربوں کے خلاف معاہدہ، کمپری ہینسوٹسٹ بین ٹریٹی کی خلاف ورزی جس کے تحت دور افتادہ اہداف کو''ننھے جوہری بموں'' کونشانہ بنانا مقصود ہے۔

☆ چھ کروڑ ایکڑ پر پھیلے ہوئے قومی جنگلات کوسیم زدگی اور سڑکوں کی تعمیر سے بچانے کے لیے جو ضابطہ موجود ہے، اسے کالعدم قرار دینے کی کوشش۔

☆ جون بولٹن کو اسلحہ پر کنٹرول اور بین الاقوامی سلامتی کا نائب سیکرٹری مقرر کرنا جو تجدید اسلحہ کے معاہدے اور انجمن اقوام متحدہ کے مخالف ہیں۔

☆ مانسنٹیو کی ایک عہد یدار لنڈا فشر کو ماحولیات کے تحفظ کی ایجنسی کا ناظم بنا دیا گیا۔

☆ کلیسا اور ریاست کی علیحدگی کے سوال پر ایک سرکردہ ناقد میکائیل میکونل کو وفاق میں جج بنا دیا گیا۔

☆ شہری حقوق کے معروف مخالف ٹیرس بوائل کو جج بنا دیا گیا۔

☆ گاڑیاں بنانے والوں کو۲۰۰۴ء کی آخری تاریخ دی گئی تھی کہ کم انرجی میں زیادہ فاصلہ طے کرنے والی گاڑیاں تیار کریں لیکن یہ تاریخ منسوخ کر دی گئی۔

☆ جیل میں نشہ کے علاج کے پروگرام کے ایک زبردست مخالف جان والٹرس کو منشیات کا بادشاہ کہا گیا۔

☆ تیل اور کوئلے کے حمایتی جے اسٹیون گائلز کومحکمہ داخلہ کا ڈپٹی سیکرٹری بنا دیا گیا۔

☆ بینٹ ریلے کو جنھوں نے ختم ہوتی ہوئی ذی حیات کے قانون کومنسوخ کرنے کا مطالبہ کیا انہیں امور داخلہ برائے آب وسائنس کا نائب سیکرٹری نامزد کیا گیا ہے۔

☆ امریکہ میں جاپان کے خلاف ایشیائی عورتوں کا مقدمہ جنہیں دوسری عالمی جنگ میں جنسی غلامی کرنی پڑی۔ اس مقدمے کومنسوخ کیے جانے کا مطالبہ۔

☆ فلوریڈا میں ووٹنگ کے گھپلے میں تمہارے بڑے وکیل ٹیڈ اولسن کی سرکاری وکیل کے طور پر تقرری۔

☆ ریفائنری کی تنصیب اور ایٹمی و پن بجلی کے بند کی تعمیر کے لیے پرمٹ کے اجراء

میں سہولت پیدا کرنے کی تجویز جس میں ماحولیات کے معیارات کی تخفیف بھی شامل ہے۔

☆ الاسکا کے جنگلات میں تیل اور گیس کے قطعات اراضی کی فروخت کی تجویز۔

افوہ۔ میں تو یہ فہرست ٹائپ کرتے کرتے تھک گیا۔ تمہارے اندر اتنی توانائی کہاں سے آجاتی ہے (اونگھنے کی وجہ سے، یہی بات ہے نا؟)

یقیناً، ان میں کئی باتیں وہ ہیں جن کی تائید بہت سے ڈیموکریٹ بھی کریں گے (ان کے لیے میں چند الفاظ اس کتاب کے آخر میں پیش کروں گا) لیکن فی الوقت میرا معاملہ تمہارے ساتھ ہے۔ پھر سے سوچئے بطور ''صدر'' تمہارا پہلا کام کیا تھا؟ کچھ یاد آتا ہے۔ پینسلوانیا ایونیو سے اپنی اختتامی پریڈ میں شرکت کے لیے کار میں سوار ہونے سے پہلے تم نے اصرار کیا کہ پہلے کوئی ایک اسکریو ڈرائیور لائے اور لیموزین سے ڈی سی کی نمبر پلیٹ اتارلے کیونکہ اس پلیٹ پر ''سپورٹ ڈی سی اسٹیٹ ہڈ'' (Support D C State Hood) کے الفاظ درج تھے۔ یہ تمہاری زندگی کا سب سے بڑا دن ہے اور تم نے لائسنس کی پلیٹ پر پیشاب کر دیا ہے تمہیں بہت سکون کی ضرورت ہے۔

میرا خیال ہے کہ میں اس دن سے بہت پہلے تمہارے لئے فکر مند ہونے لگا تھا۔ انتخابی مہم کے دوران تمہارے رویوں کے متعلق بہت سے تشویشناک انکشافات سامنے آئے۔ بالآخر وہ دور ہو گئے لیکن تمہارے لئے اپنے منصبی فرائض سے عہدبراں ہونے کی اہلیت کے بارے میں میری تشویش بدستور ہے۔ برائے مہربانی اس کو میری طرف سے ٹوہ لینے والی بات یا درس اخلاق نہ سمجھو۔ یہ کام ہم چینی پر چھوڑتے ہیں۔ خاندان کے ایک قریبی دوست کے لیے مداخلت کی یہ محض ایک ایماندارانہ کوشش ہے۔

اب ذرا مجھے کھری بات کہنے دو۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ تم ہمارے قومی تحفظ کے لیے خطرہ بن جاؤ گے۔ یہ بات ذرا سخت معلوم ہوگی لیکن میں اس بیان میں نرمی پیدا نہیں کروں گا۔ اس بات کا ہمارے جزوی اختلافات سے کوئی تعلق نہیں جیسے معصوم افراد کو موت کے حوالے کر دینا یا تیل کی کھدائی کے لیے الاسکا کا کتنا حصہ کاٹ کر الگ کرنا اور میں تمہاری حب الوطنی پر بھی معترض نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ تم کسی بھی ملک سے محبت کروگے جو تمہارے لئے اس طرح اچھا ہو۔

دراصل ہماری مراد ان متعدد رویوں سے ہے، جن کا مشاہدہ ہم میں سے وہ بیشتر لوگ جو تم سے تعلق خاطر رکھتے ہیں، ادھر کئی سال سے کرتے آئے ہیں۔ ان میں سے کچھ عادات چنداں حیران کن نہیں اور کچھ ایسی ہیں جن پر تمہارا اختیار نہیں اور باقی عادات وہ ہیں، جو بدقسمتی سے ہم امریکیوں میں مشترک ہیں۔

اب چونکہ تمہاری انگلی بٹن پر لگی ہوئی ہے (تم جانتے ہو، وہی بٹن، جو چشم زدن میں دنیا کو بھک سے اڑا سکتا ہے) اور چونکہ تمہارے فیصلے اس ملک کے استحکام کے لیے دور تک اور نہایت دوررس نتائج کے حامل ہو سکتے ہیں، لہٰذا میں تم سے تین بالکل سیدھے سوال کروں گا اور میں یہ چاہوں گا کہ تم اور امریکہ کے عوام ان کے جواب پوری دیانتداری سے دیں۔

(۱) جارج کیا تم بلوغت کی سطح پر پڑھنے اور لکھنے کی اہلیت رکھتے ہو؟

مجھے اور کچھ دوسرے لوگوں کو بھی یہ نظر آتا ہے کہ تم کام کاج کی حد تک اَن پڑھ ہو اور اس میں شرمندگی کی کوئی بات نہیں۔ تم بہت سی کمپنیوں کے مالک ہو (اس کتاب میں ٹائپ کی گئی غلطیاں شمار کرلو۔ دراصل یہ کیا ٹائپ کی غلطیاں نہیں؟ یہ کوئی حیران کن بات نہیں جب تم نے کہا تھا ''کوئی بچہ پیچھے نہیں رہنا چاہئے۔'' تم جانتے تھے کہ اس کا مفہوم کیا ہے۔

لیکن میں تم سے یہ پوچھوں گا۔ بیشتر آزاد دنیا کے سربراہ کی حیثیت سے جب تمہیں نہایت پیچیدہ موقف کے حامل مسودے موصول ہوتے ہیں، تو کیا ان کو سمجھنے میں تمہیں زحمت نہیں ہوتی؟ پھر ہم ایٹمی راز جیسے معاملات تمہارے سپرد کیسے کر سکتے ہیں، تمہاری ناخواندگی کے سارے شواہد موجود ہیں اور بظاہر ان کے بارے میں کسی نے تمہیں چیلنج بھی نہیں کیا۔ اس کا پہلا ثبوت تو یوں ملا جب تم نے اپنی بچپن کی سب سے پسندیدہ کتاب کا نام لیا۔ تم نے کہا A Very Hungry Cater Pillar (ایک بہت ہی بھوکا ٹڈا) بدقسمتی یہ کہ تم جب کالج سے گریجوایشن کر کے نکلے، اس کے ایک سال بعد تک وہ کتاب شائع بھی نہیں ہوئی تھی۔

پھر سوال ہوتا ہے کالج میں تمہارے تحریری مضامین کا، اگر وہ واقعی تمہارے ہی تھے۔ تم ییل (Yale) میں داخل کیسے ہو گئے جب ۱۹۶۴ء میں دوسرے امیدواروں کے

نتائج تم سے کہیں بہتر تھے؟

انتخابی مہم کے دوران میں تم سے پوچھا گیا کہ آج کل تم کون سی کتابیں پڑھ رہے ہو اور تم نے بڑے سنجیدہ انداز سے جواب دیا لیکن جب ان کتابوں کے متن کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس کا جواب تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ پھر اس پر حیرت نہیں ہوتی کہ تمہیں معاونوں نے اس وقت پریس کانفرنس کرنے سے روک دیا جب مہم میں دو مہینے باقی رہ گئے تھے۔ تمہارے مددگار اس خوف سے قریب المرگ تھے کہ معلوم نہیں تم سے کیا پوچھ لیا جائے اور تم جواب میں کیا کہہ بیٹھو۔

ایک بات تو سبھی جانتے ہیں کہ تم انگریزی زبان سمجھ میں آنے والے فقروں میں ادا نہیں کر سکتے۔ پہلے تو جب تم الفاظ کو جس طرح فقروں میں گانٹھتے تھے وہ بھلا لگتا تھا لیکن کچھ عرصے بعد یہ انداز پریشان کن ہوگیا۔ تائیوان کے بارے میں امریکہ کی سالہا سال پرانی جو پالیسی چلی آ رہی ہے، ایک انٹرویو میں یہ کہتے ہوئے اسے توڑ ڈالا کہ ہم تائیوان کے دفاع کے لیے ''جو کچھ بھی ہوگا کریں گے'' جس سے مراد یہ ہے کہ ہم وہاں اپنی جوجیں بھی بھیج سکتے ہیں۔ جارج، اس سے پوری دنیا تھرتھرا اٹھی لیکن تم یہ سمجھتے ہو کہ دنیا تو بہری ہے۔

اگر تم فوج کے سربراہ اعلیٰ ہو تو تم پر لازم ہوگا کہ اپنے احکام واضح طور پر دوسروں تک پہنچاؤ۔ ان چھوٹی چھوٹی لغزشوں سے تمہارے خیال میں کیا ہوگا؟ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری ایک چھوٹی سی غلطی قومی سلامتی کے لیے ہولناک ہوسکتی ہے؟ کوئی عجب نہیں کہ تم پینٹاگن کے بجٹ میں اضافہ کرنا چاہتے ہو۔ اگر تم اچانک یہ حکم دے دو کہ روسیوں کو ''صاف کرایا جائے'' تو ہمیں سارا گولہ بارود اس کام پر لگا دینا ہوگا، حالانکہ تمہارے کہنے کا مطلب ہے ''میری ٹائی سے روسی دھبہ صاف کردو۔''

تمہارے معاونوں کا کہنا ہے کہ جو مسودے وہ تمہیں دیتے ہیں، تم انہیں نہیں پڑھتے (پڑھ نہیں سکتے؟) بلکہ چاہتے ہو، وہ تمہارے لئے خود ہی پڑھ لیں یا پھر پڑھ کر سنائیں۔ تمہاری والدہ خاتون اول ہونے کی حیثیت سے پروگرام پڑھنے کی بے حد دلدادہ تھیں۔ کیا یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ ذاتی طور پر جانتی تھیں کہ ایک ایسے بچے کو پالنا کتنا مشکل ہوتا ہے جو پڑھ نہیں سکتا۔

براہ مہربانی، اس میں سے کسی بات کو ذاتیات پر محمول نہ کرو۔ غالباً سیکھنے کے سلسلے میں یہ معذوری ہے۔ یہ معذوری ساٹھ کروڑ امریکیوں کو لاحق ہے۔ یہ کوئی شرم کی بات نہیں اور ہاں میں سمجھتا ہوں کہ ضعف بصارت سے معذور شخص بھی جس کی نظر تحریر پر نہیں ٹکتی امریکہ کا صدر بن سکتا ہے۔ البرٹ آئنسٹائن (Albert Einstein) ایسے ہی ضعف بصارت میں مبتلا تھا، اسی طرح جے لینو (Jay leno)۔ (آہا، آخر میں نے لینو اور آئنسٹائن دونوں کو ایک ہی فقرے میں باندھ دیا، زبان کا اپنا کرتب ہے۔)

لیکن تم نے اگر اس مسئلہ سے نجات پانے کے لیے مدد نہیں لی تو مجھے اندیشہ ہے کہ تم اس ملک کے لیے بہت بڑا خطرہ بن سکتے ہو۔ تمہیں اوول آفس (صدارتی ایوان) میں بریفنگ کی ضرورت نہیں، تمہیں فونکس کی ضرورت ہے (آواز پر مبنی تعلیم)۔

مجھے سچ سچ بتا دو میں ہر رات سونے سے پہلے تمہیں پڑھ کر سنانے کے لیے آجایا کروں گا۔

(۲) کیا تم کثرت سے پینے کے عادی ہو، اور اگر ایسا ہے تو کمانڈر انچیف ہونے کی حیثیت سے تمہاری کارکردگی پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے؟

یہاں بھی میرا مقصد تم پر انگشت نمائی نہیں، نہ شرم دلانا اور نہ توہین کرنا مقصد ہے۔ شراب خوری کی لت ایک بہت بڑا مسئلہ ہے جو کروڑوں امریکی شہریوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ جنہیں ہم سب جانتے ہیں اور جن سے محبت کرتے ہیں۔ بہت سے لوگوں نے اس پر قابو پالیا ہے اور معمول کی زندگی گزار رہے ہیں۔ عادی شراب خور امریکہ کے صدر ہو سکتے ہیں اور صدر رہ چکے ہیں۔ میں ان لوگوں کی بڑی قدر کرتا ہوں جو اس عادت پر قابو پا لیتے ہیں۔ تم ہی نے تو بتایا تھا کہ میں شراب کو سنبھال نہیں پاتا اور چالیس سال کی عمر کے بعد ایک بوند بھی نہیں چکھی، مبارک ہو۔

تم نے ہمیں یہ بھی بتایا تھا کہ تم ''بہت زیادہ پینے'' لگے تھے اور بالآخر تمہیں یہ اندازہ ہوا کہ شراب میری توانائی کو بدن سے خارج کرنے لگی تھی اور انجام کار وہ عام لوگوں کے لیے میری محبت کو بھی نکال باہر کرتی'' یہی تعریف ہے ایک عادی شراب خور کی لیکن اس سے تم صدارت کے لیے نااہل نہیں ہو جاتے لیکن اس کا یہ تقاضا ضرور ہے کہ چند سوالوں کے جواب دو، خاص طور پر یہ معاملہ کہ ۱۹۷۶ء میں جب تمہیں شراب پی کر ڈرائیونگ کرتے

ہوئے گرفتار کر لیا گیا تھا اور اس حقیقت کی پردہ پوشی میں تمہیں کئی سال لگ گئے تھے۔

تم اس کے لیے ''الکوہلک'' (شراب کا عادی) کا لفظ کیوں استعمال کرو؟ یہ تو بحالی کی طرف پہلا قدم ہے۔تم نے اپنے آپ کو سنبھالنے کا کون سا طریقہ وضع کیا ہے تا کہ یہ اطمینان ہو کہ تم گاڑی سے نیچے نہیں ٹپک پڑو گے۔تم نے کیا کیا ہے جس سے یہ یقین ہو جائے کہ کرۂ ارض پر سب سے زیادہ طاقتور فرد ہونے کے ناطے اس دباؤ اور ہیجان کا مقابلہ کر لو گے جو اس منصب سے وابستہ ہیں اور جب کوئی سنگین بحران پیدا ہوگا تو تمہیں یہ کیسے معلوم کہ ایک بار پھر بوتل کا سہارا نہیں لو گے؟ اس طرح کی ذمہ داری کا سامنا تمہیں پہلے تو نہیں ہوا۔ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ بیس سال سے تم نے کوئی کام نہیں کیا۔ جب تم نے ''بہکنا'' شروع کیا تو تمہارے باپ نے تمہیں تیل کے کاروبار میں لگا دیا جس میں کچھ تجارتی جوکھم درپیش ہوئے، ان میں ناکامی ہوئی، پھر تمہارے باپ نے ایک بڑی بیس بال ٹیم کے ساتھ تم کو وابستہ کر دیا جہاں تمہارا کام اس قدر تھا کہ ایک باکس سیٹ میں بیٹھ جاؤ اور بیس بال کے ایک نہایت طویل اور سست کھیل کو دیکھتے رہو۔

ٹیکساس کے گورنر کی حیثیت سے تم پر کچھ زیادہ بوجھ نہیں ہو سکتا تھا۔ وہاں کرنے کے لیے کچھ تھا بھی نہیں۔ ٹیکساس کی گورنری ایک نسبتاً نمائشی عہدہ تھا۔ اگر دنیا کو کوئی نیا اور بالکل غیر متوقع خطرہ درپیش ہو تو اس وقت تم کیا کرو گے۔ کیا تمہارے پاس اس وقت کوئی کفیل ہوگا جسے آواز دے کر بلا سکو گے؟ کیا کوئی اجلاس ہوگا جس میں تم شرکت کر لو گے۔ مجھے تم سے ان سوالوں کے جواب نہیں چاہئیں۔ مجھ سے بس یہ وعدہ کر لو کہ تم نے اپنے طور پر ان سوالوں کے بارے میں سوچ رکھا ہے۔

مجھے معلوم ہے کہ یہ بہت ذاتی سی بات ہے لیکن پبلک کو یہ جاننے کا حق ہے ''ان لوگوں کے لیے جو یہ کہتے ہیں اے بھلے لوگو! یہ اس کی ذاتی زندگی ہے۔ یہ ۲۴ سال پہلے کی بات ہے۔'' میں یہ بتاؤں گا کہ نشے میں دھت ایک ڈرائیور نے مجھے ۲۸ سا پہلے گاڑی سے ٹکر ماردی تھی اور میں آج تک اپنا دایاں بازو پوری طرح سیدھا نہیں کر سکتا۔ اب یہ محض آپ کی ذاتی زندگی کا معاملہ نہیں رہا جس کی آپ بات کر رہے ہیں، یہ میری زندگی ہے اور میرے کنبے کے افراد کی زندگی ہے۔تمہاری گرفتاری کی اصل غایت کے بارے میں کہ نشہ کی حالت میں گاڑی چلا رہے تھے، پریس کے لوگوں سے جھوٹ بولا۔ انہوں نے یہ

بتایا کہ پولیس نے اس بنا پر دھرلیا کہ ''تم بہت آہستہ گاڑی چلا رہے تھے'' لیکن گرفتار کرنے والے آفیسر نے تو یہ کہا تھا کہ سڑک پر چلتے چلتے تم اچانک مڑ کر ایک کنارے پر آ گئے تھے۔ اس تردید میں اس وقت تم خود بھی شامل تھے، جب جیل کی اس شام کے بارے میں پوچھا گیا۔

تم نے یہ اصرار کیا ''میں نے جیل میں کوئی وقت نہیں گزارا۔'' آفیسر نے مقامی رپورٹر کو بتایا کہ ''درحقیقت ہتھکڑی لگا دی گئی تھی اور اس حالت میں پولیس اسٹیشن پہنچایا گیا جہاں حراست میں تم نے کم از کم ڈیڑھ گھنٹہ گزارا۔'' کیا یہ ہوسکتا ہے تمہیں ہو سچ یاد نہیں رہا۔

یہ محض سادہ ٹریفک چالان کا معاملہ نہیں، مجھے یقین نہیں کہ تمہارے حامیوں نے نشے کے عالم میں تمہاری ڈرائیونگ اور سزا کے معاملے کو کلنٹن کی دست درازی کے برابر جارحانہ نہیں سمجھا۔ جنسی تعلق دوسرے بالغ کے ساتھ باہمی رضا مندی سے ہے، اس صورت میں تم شادی شدہ بھی ہو اور اس کے بارے میں جھوٹ بولنا برا ضرور ہے لیکن اتنا نہیں کہ نشے کی حالت میں گاڑی چلانا اور دوسروں کی زندگی کو خطرے میں ڈالنا (اس میں جارج تمہاری بہن کی جان بھی شامل تھی، جو اس رات گاڑی میں تمہارے ساتھ تھی)۔ الیکشن سے پہلے جیسا کہ تمہارا دفاع کرنے والوں نے کہا کہ یہ ایسا ہی ہے لیکن ایسا ہرگز نہیں جب الگور نے رضا کارانہ طور پر بتا دیا کہ نوجوانی میں انہوں نے چرس پی تھی۔ نشے کی حالت میں اس صورت میں کہ وہ گاڑی نہیں چلا رہا تھا اس کے سوا کسی اور کی زندگی خطرے میں نہیں تھی اور پھر وہ اس کی پردہ پوشی بھی نہیں کر رہا تھا۔

تم نے اس معاملے کو یہ کہہ کر رفع دفع کرنے کی کوشش کی ہے کہ ''یہ تو نوجوانی کی بات تھی لیکن تم اس وقت نوجوان ہرگز نہیں تھے۔ تم تیس کے دہے میں تھے۔

انتخابات سے ذرا ہی پہلے جس رات تمہاری سزا یابی کا قوم پر انکشاف ہوا۔ یہ دیکھ کر بہت تکلیف ہوئی کہ تم کس طرح ڈینگیں مار رہے تھے اور اپنے ''غیر ذمہ دارانہ'' فعل کو محض ''نوجوانی کی ناسمجھ حرکت'' قرار دے رہے تھے کہ لڑکوں کے ساتھ تھوڑی سی بیئر پی لی تھی (جھوٹا تفاخر) مجھے واقعی اس وقت ان پانچ لاکھ افراد کے خاندانوں کا خیال آیا، جو تمہارے ہی جیسے ۲۴ سالہ شرابیوں کے ہاتھوں تمہاری ''ذراسی مہم جوئی'' کی وجہ سے ہلاک

ہوئے۔ خدا کا شکر ہے اس کے بعد تم مزید چند سال تک پیتے رہے، یہاں تک کہ ''سبق سیکھ لیا'' میں یہ بھی سوچتا ہوں کہ تم نے اپنی بیوی لارا کو کس کیفیت میں مبتلا کیا ہوگا۔ وہ بہت اچھی طرح جانتی تھی کہ جب ہم میں سے کوئی گاڑی چلا رہا ہوتو وہ کتنا خطرناک ہوتا ہے۔ ۱۷ سال کی عمر میں اس نے ہائی سکول کے دوست کو اپنی گاڑی سے اس طرح ہلاک کر دیا کہ ''سٹاپ'' کے نشان کو توڑتی ہوئی اس کی گاڑی سے ٹکرا گئی۔ مجھے امید ہے کہ اگر کبھی ذمہ داریوں کا بوجھ تم پر بہت بڑھ گیا تو رہنمائی کے لیے اس کی طرف رجوع کروگے بہر حال تم جو بھی کرو، لیکن ایسے میں ڈک چینی سے مدد نہ لینا۔ اس کے اعمال نامے میں دو گرفتاریاں، نشے کی حالت میں گاڑی چلانے کے جرم میں لکھی گئی ہیں، یہ اس کا پچیس سالہ ریکارڈ ہے۔

آخر میں، مجھے یہ کہنا ہے کہ انتخابات سے پہلے اس پاگل پن کے ہفتے میں جب تم نے اپنی سزا یابی پر پردہ ڈالتے ہوئے عذر خواہی کے لیے اپنی بیٹیوں کے پیچھے چھپنے کی کوشش کی تو اس وقت مجھے کتنا شدید دکھ ہوا۔ تم نے کہا تھا کہ مجھے یہ تشویش ہے کہ میری شراب خوری کی تاریخ ان کے لیے ایک غلط مثال قائم کرے گی۔ اس راز داری نے بہت سی اچھی باتیں کیں جیسا کہ اسی سال شراب رکھنے کے جرم میں دونوں جڑواں کئی بار پکڑی گئی ہیں۔ ایک طرح سے میں ان کی بغاوت کو سراہوں گا۔ انہوں نے تم سے کہا، دست بستہ درخواست کی ''ڈیڈ ! صدراتی انتخابات میں مقابلہ نہ کیجئے، ہماری زندگیوں کو تباہ نہ کیجئے'' لیکن تم نے کیا اور یہی ہوا جو ہوتا تھا۔ تمام اچھے ٹین ایجرز نو بالغ لڑکے لڑکیوں) کی طرح، اب ان کے جواب کا وقت آ گیا ہے۔ غالباً سیٹر ڈے نائٹ لائیو (Saturday Night Live) کے خبر رساں نے اسے بہت اچھی طرح بیان کیا تھا ''جارج بش نے کہا کہ انہوں نے نشہ کی حالت میں ڈرائیونگ کا انکشاف اس لئے نہیں کیا کہ ان کی بیٹیاں باپ کے بارے میں کیا سوچیں گی۔ انہوں نے اس بات کو ترجیحاً پسند کیا کہ وہ اسے ایک ایسا شخص سمجھیں گی جس نے بہت سے ناکام کاروباری دھندے کئے اور لوگوں کو سزائے موت دے رہا ہے۔''

میرا مشورہ یہ ہے۔ اٹھو، بزدلو، اپنی بیٹیوں کو لے کر النون جاؤ، وہاں تمہیں ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا۔

(۳) کیا تم ایک سنگین مجرم ہو؟

۱۹۹۹ء میں جب تم سے کوکین کے مبینہ استعمال کے بارے میں پوچھا گیا تو تم نے جواب دیا تھا تم نے پچھلے ۲۵ سال میں کوئی سنگین جرم نہیں کیا'' پچھلے آٹھ برسوں میں ایسے عیارانہ جوابات کے بارے میں ہم نے یہ سیکھا ہے کہ اس طرح کے جواب ایک صاحب فہم مبصر کو یہ باور کرا دیں گے کہ اس سے بہت کے برسوں کی سرگزشت مختلف رہی ہوگی۔

جارج، یہ بتاؤ کہ ۱۹۷۴ء سے پہلے تم نے کون کون سے سنگین جرم کئے ہیں؟

یقین کرو، میں تم سے اس لیے نہیں پوچھ رہا ہوں کہ تمہیں تمہارے کئے کی سزا دلوانا چاہتا ہوں۔ مجھے تو یہ تشویش ہے کہ اگر کوئی گہرا بدنما راز ہے جسے تم چھپا رہے ہو تو اس کے نتیجے میں تم کسی بھی شخص کے لیے اس راز کی پردہ پوشی کے لیے مہلک ہتھیار مہیا کر رہے ہوا اور وہ کوئی غیر ملکی طاقت ہوسکتی ہے (فی الوقت تمہارے پسندیدہ چینی) یا اندرون ملک (جیسے آر جے رینلاڈز) اگر انہوں نے تمہارے جرم کی تاریخ معلوم کر لی یا جرائم کا راز پالیا تو ان کے پاس تم پر حاوی ہونے کے لیے بہت کچھ ہوگا اور وہ اسے تمہیں بلیک میل کرنے کے لیے استعمال کریں گے۔

جارج یہ ایسی بات ہے جو تم کو قوم کی سلامتی کے لیے خطرہ کا موجب بنا دیتی ہے۔

میری بات کا یقین کرو۔ کوئی نہ کوئی معلوم کر ہی لے گا کہ تم کیا چھپا رہے اور جب وہ معلوم کر لے گا تو ہم سب خطرے میں ہوں گے۔ اب تم پر واجب ہے کہ اپنے جرم کی نوعیت کو واضح کر دو کہ تم سے کس طرح کی سنگین بداعتدالی سرزد ہوئی۔ اس انکشاف کے بعد ہی تم اپنے خلاف بلکہ ہم سب کے خلاف اس کے خطرے استعمال کو بے اثر بنا سکتے ہو۔

اس کے علاوہ تم نے ابھی حال ہی میں، ہر اس نوجوان سے جو کالج کی تعلیم کے لیے مالی امداد چاہتا ہو اس سوال کا جواب مانگا ہے جو چھپے ہوئے فارموں میں کچھ یوں ہے: ''کیا تمہیں کبھی منشیات کے ضابطے کی خلاف ورزی پر سزا مل چکی ہے؟'' اگر انہیں سزا مل چکی ہے تو طالبعلم کے امدادی فنڈ کی رقم نہیں ملے گی، جس کا مطلب یہ ہے کہ بہت سے

نوجوان کالج جانے سے محروم رہ جائیں گے۔ (یا یہی بات اس طرح کہی جا سکتی ہے کہ تمہارے نئے احکام کے تحت پختہ عمر کا آدمی تو کالج کی امدادی رقم پا سکتا ہے لیکن ایک ایسا لڑکا جسے کوئی معمولی سزا مل چکی ہو، اس کا مستحق نہیں ہوتا۔

آپ کا یہ اقدام کیا آپ کو ایک چھوٹا موٹا منافق ثابت نہیں کرتا؟ آپ ان ہزاروں لڑکے لڑکیوں کو کالج کی تعلیم سے محروم کر دیں گے جنہوں نے عین وہی کچھ کیا جو آپ نے جوانی میں کیا تھا۔

سن اے شخص، یہ بڑی دیدہ دلیری کی بات ہے۔ تم تو ۲۰۰۴ء تک سالانہ چار لاکھ ڈالر ہماری طرف سے وصول کررہے ہوگے، اس سرکاری خزانے سے جو کالج کی امداد دیتا ہے۔ تو انصاف کی بات یہ ہے کہ تم سے بھی جواب دہی کے لیے وہی سوال کیا جائے' کہ تمہیں منشیات (اس میں شراب یا تمبا کو شامل نہیں) بیچنے یا اپنے قبضے میں رکھنے پر سزا مل چکی ہے؟

جارج، ہمیں معلوم ہے، تین مرتبہ گرفتار ہو چکے ہو۔ میرے ان دوستون کے سوا، جو امن کی سرگرمیوں میں شامل ہیں۔ مجھے ذاتی طور پر یہ علم نہیں کہ کوئی شخص زندگی میں تین بار گرفتار ہوا ہو۔ نشے کی حالت میں ڈرائیونگ کے علاوہ، تم اپنے ہمجولیوں اور بھائیوں کے ساتھ ایک بار کرسمس پر پھولوں کی چادر محض شرارت سے چوری کرتے ہوئے پکڑے گئے تھے، یہ کون سی حرکت تھی؟

تمہاری تیسری گرفتاری ایک فٹبال گیم میں ہلڑبازی کرتے ہوئے عمل میں آئی۔ یہ ایسی بات ہے جو واقعی میری سمجھ میں نہیں آئی۔ فٹبال کے کھیل میں تو بدنظمی سبھی کرتے ہیں۔ میں بہت سے فٹبال گیم کا تماشائی رہا ہوں اور کئی باریوں ہوا کہ بیئر میرے سر پر انڈیلی گئی لیکن میں نے اب تک کسی کو گرفتار ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ نشے میں شرابور فٹبال کے پر ہجوم تماشائیوں کے درمیان نمایاں نظر آنے کے لیے تم نے کچھ زیادہ ہی کاوش کی ہوگی۔

جارج! تم پر کیا گزری اور کیوں کر گزری، اس کے بارے میں میرا ایک نظریہ ہے۔ بجائے اس کے کہ تم نے اسے پانے کے لیے محنت کی ہوتی، صدارت تمہیں دے دی گئی جیسے زندگی میں سبھی چیزیں اس طرح تمہیں ملتی رہیں۔ دولت اور نام نے تمہارے لئے

ہر دروازہ کھول دیا،زندگی کی ساری مراعات اورآسائشیں کسی کوشش،سخت محنت، ذہانت یا ذہنی کاوش کے بغیر تمہیں مل گئیں۔تمہیں نوعمری میں یہ معلوم ہوگیا تھا کہ امریکہ میں تمہارے جیسے فرد کے لیے اگر کچھ کرنے کی ضرورت ہے تو محض یہ کہ سامنے آجاؤ۔تمہیں نیو انگلینڈ کے بورڈنگ سکول میں جومخصوص طلبہ کے لیے ہوتا ہے محض اس لئے داخل کرلیا گیا کہ تمہارا نام بش تھا۔تمہیں وہاں اپنی جگہ بنانے کے لیے محنت نہیں کرنی پڑی۔ وہ جگہ تمہارے لئے خریدی گئی۔

جب انہوں نے تمہیں ایل(Yale) جانے کے لیے تیار کیا تو تمہیں معلوم ہوا کہ کالج میں داخلے کی اہلیت حاصل کرنے کے لیے جن طلبہ نے بارہ سال تک کڑی محنت کی تھی اور جوزیادہ مستحق تھے،تم ان سے آگے نکل سکتے تھے۔ وہ اس لئے کہ تمہارا نام بش تھا۔

اس طرح تم ہارورڈ بزنس سکول میں داخل ہو گئے ایل میں چار سال گھوم پھر کر تم نے اس جگہ پر قبضہ کرلیا جس کا جائز حقدار کوئی اور تھا۔ اس کے بعد تم نے یہ ظاہر کیا گویا ٹیکساس انٹرنیشنل گارڈ میں پورے سال کی مدت ملازمت میں گزاری ہے لیکن ایک دن بوسٹن گلوب(Boston Globe) کی اطلاع کے مطابق تم چپکے سے وہاں سے کھسک گئے اور اپنے یونٹ میں حاضری نہیں دی۔ پورے ایک سال اور چھ مہینے،تمہیں اپنی فوجی ذمہ داری کو بجالانے کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ تمہارا نام بش تھا۔

بہت سے ''گمشدہ برسوں'' کے بعد جو تمہاری سرکاری سوانح حیات میں نہیں آتے،تمہیں اپنے ڈیڈی اور خاندان کے دیگر افراد کی طرف سے ایک کے بعد دوسرے عہدے ملتے گئے۔ اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ تمہارے کتنے کاروبار ناکام ہوئے لیکن دوسرا عہدہ تمہارا منتظر رہتا تھا۔

آخر کار یہ کہ تم ایک لیگ فٹبال ٹیم میں حصہ دار بنا دیئے گئے۔ یہ ایک اور تحفہ تھا حالانکہ تم نے ٹیم کے لیے ۱۰۰ میں سے صرف ایک حصہ کے برابر رقم دی اور پھر تم نے آرلنگٹن، ٹیکساس کے ٹیکس گزاروں کو ایسا چکمہ دیا کہ انہوں نے تمہارے لئے ایک آسائش کا سامان مہیا کر دیا۔ یہ ایک بالکل نیا کروڑوں ڈالر کی مالیت کا اسٹیڈیم تھا،جس کے لیے تمہیں کچھ بھی نہیں دینا پڑا۔

اس لئے یہ حیرت کی بات نہیں اگر تم نے سوچا کہ تم ہی کو صدارت کے لیے نامزد

کیا جائے کیونکہ تم اس کے مستحق تھے تم نے اس منصب کے لیے نہ کمائی کی اور نہ اسے کسی طرح جیتا لہٰذا یہ تمہی کو ملنی چاہئے اور تمہیں اس میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی اور بھلا تمہیں کیوں نظر آئے؟ کیونکہ اس کے سوا کوئی اور زندگی تم نے دیکھی ہی نہیں۔

الیکشن کی رات میں جب پورے ملک میں ووٹوں کی گنتی اوپر نیچے ہوتی رہی، تم نے پریس کو یہ بیان دیا تھا کہ تمہارے بھائی نے فلوریڈا میں تمہاری کامیابی کا یقین دلایا ہے۔ اگر ایک بش نے کہہ دیا کہ یہ ایسا ہے تو پھر ایسا ہی ہے لیکن یہ ایسا نہیں ہے اور جب تم پر یہ انکشاف ہوا کہ کامیابی محنت سے حاصل ہوتی ہے، یہ عام لوگوں کے ووٹوں سے ملتی ہے، جی ہاں، عام لوگ تو تم بوکھلا کر الٹی سیدھی حرکتیں کرتے رہے۔ تم نے اپنے خنجر بردار جیمس بیکر کو امریکی عوام سے جھوٹ بولنے اور قوم کے اندیشوں کی آگ کو بھڑکانے کے لیے بھیجا (بیکر کا ۹۲ء میں پوپی (سینئر بش) کو مشورہ یہ تھا، یہودیوں پر لعنت بھیجو، وہ اب ہمیں ووٹ نہیں دیتے۔ جب یہ تدبیر کارگر ہوتی نظر نہ آئی، تو تم فیڈرل کورٹ چلے گئے اور دعویٰ دائر کر دیا کہ ووٹوں کی گنتی روک دی جائے کیونکہ تمہیں معلوم تھا کہ ووٹوں کی گنتی کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اگر تمہیں صحیح معنوں میں لوگوں کے ووٹوں کا یقین ہوتا تو تم ووٹوں کی گنتی کی پرواہ نہ کرتے۔ مجھے جس بات نے چونکا دیا وہ تمہاری مدد کے لیے اس بڑے برے فیڈرل گورنمنٹ سے رجوع کرنا تھا۔ مہم کے دوران میں ہر مرحلے کے اختتام پر تمہارا منتر یہی ہوتا تھا ''میرے مخالف فیڈرل گورنمنٹ پر بھروسہ کرتے ہیں، میں عوام پر، آپ پر بھروسہ کرتا ہوں۔''

خیر، ہمیں حقیقت کا جلد ہی علم ہو گیا۔ تمہیں عوام پر ہرگز بھروسہ نہیں ہوتا۔ تم سیدھے فیڈرل کورٹ جا پہنچے، اپنے بیان کی صداقت ثابت کرنے کے لیے (عوام پر نہیں، ووٹنگ مشینوں پر بھروسہ کرو) پہلے تو فلوریڈا میں ججوں نے اسے تسلیم نہیں کیا اور شاید تمہاری زندگی میں کسی نے پہلی بار تم سے ''نہیں'' کہا۔ لیکن جیسا کہ ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں، امریکی سپریم کورٹ میں ڈیڈی کے دوست ہر معاملے کو سنبھالنے کے لئے موجود تھے۔

مختصر یہ کہ تم شرابی رہ چکے ہو، چور اور غالباً مجرم رہ چکے ہو، سزا سے بچ جانے والے بھگوڑے رہ چکے ہو اور ایک روتا بلکتا بچہ بھی۔ تم اس بیان کو ظالمانہ کہو گے لیکن میں کہوں گا ''سخت گیرت محبت۔''

دنیا میں جو کچھ بھی مقدس اورنفیس ہے، اس کی خاطر، خدائے بزرگ کے لیے، اے شخص! فوراً چلتے رہو اوراپنے خاندان کے نام کے لیے جوتمہارے لئے بہت اہم ہے، کچھ عزت حاصل کرو اورہم میں سے جولوگ یہ جانتے ہیں کہ تمہارے خاندان میں ابھی کچھ شائستگی پائی جاتی ہے، انہیں ایک بار پھرفخر کے ساتھ یہ کہنے دو کہ اپنے ہاتھ میں ایک بش ہو تو وہ اس بش سے بہتر ہے، جس کے ہاتھ میں ایک عرض داشت ہو۔

تمہارا میکائیل مور

میں امریکن ایئر لائنز سے شکاگو جانے کے لیے مشیگن ایئر پورٹ پر بیٹھا ہوں ایک شخص وردی پوش، میرے پاس بیٹھا ہے۔ پھراس نے مجھ سے بات چیت شروع کی۔ معلوم ہوا کہ وہ دراصل امریکن ایئر لائنز میں ہے، یوں کہو کہ امریکن ایگل میں ایک پائلٹ ہے۔ یہ امریکن ایئر لائنز کی ایک جزوی ایئر لائنز (Commuters) ہے، آج کل سبھی کمیوٹرز نے اپنی پروازوں میں جو دو گھنٹے سے کم وقت کی ہوں، جیٹ طیارے شامل کر لئے ہیں۔ اس سے کمپنی میں خاصی بچت ہوتی ہے۔

وہ پائلٹ جو میرے پاس آبیٹھا تھا، اسے اس طیارے میں سفرنہیں کرنا تھا، جس میں مَیں جا رہا تھا۔ میری سیٹ تو ہے، اسے امید کہ طیارے میں اگر کوئی خالی نشست مل گئی تو وہ اس پر قبضہ کر لے گا۔

میں اس سے پوچھتا ہوں، ذاتی ضرورت سے پرواز کے لیے تمہیں کرایہ دینا پڑتا ہے؟

اس نے جواب دیا ''نہیں'' یہی تو ایک فائدہ ہے جوہمیں میسر ہے۔ پھر اس نے بتایا کہ امریکن ایگل میں ایک پائلٹ کی تنخواہ ۱۶۸۰۰ ڈالر سالانہ سے شروع ہوتی ہے۔

''کیا؟'' میں بول پڑا، شاید مجھے سننے میں غلطی ہوئی، صرف سولہ ہزار ڈالر سالانہ؟

کیپٹن نے جواب دیا۔آپ نے ٹھیک سنا اور یہ خاصی بڑی تنخواہ ہے۔ ڈیلٹا کمیوٹر ایئر لائنز میں پائلٹ کی تنخواہ پندرہ ہزار ڈالر سے شروع ہوتی ہے اورکاؤنٹی نینٹل ایکسپریس میں تقریباً تیرہ ہزار ڈالر سے۔

''تیرہ ہزار ڈالر؟ ایک کمرشل ایئر لائنز میں پائلٹ کی سالانہ تنخواہ، تم مجھے چکر تو

نہیں دے رہے ہو؟''

''نہیں، میں کسی کو چکر نہیں دے رہا ہوں۔ اس سے زیادہ برا حال ہے۔ پائلٹ کو پہلے سال میں پرواز کے تربیتی میں پرواز کے تربیتی اخراجات خود اٹھانے پڑتے ہیں۔ یونیفارم بھی اپنی طرف سے ہوتی ہے۔ یہ ساری رقم کٹنے کے بعد آپ کو آخر میں نو ہزار ڈالر ملتے ہیں۔ وہ چپ ہو گیا تا کہ ساری بات مجھے ذہن نشین ہو جائے۔ پھر بولا، ''کل رقم''

جو کچھ میں سن رہا ہوں، اس پر یقین نہیں آتا۔

اس نے مجھے باور کرایا ''یقین کیجئے، پچھلے مہینے ہمارا ایک ساتھی پائلٹ فلاحی دفتر گیا، وہاں اس نے فوڈ کوپن (مفت خوراک کے کوپن کے لیے درخواست دی، میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ چار بچے اور پائلٹ کی یہ تنخواہ، وہ قانونی طور پر اس طرح کی مدد کا حقدار تھا۔ امریکن ایئر لائنز کو اس کا پتہ چل گیا اس نے ایک میمو (یادداشت) جاری کیا جس میں تاکید کی گئی تھی کہ خود اسٹامپ یا رفاہی رقم کے لیے کوئی پائلٹ ہرگز درخواست نہ دے، خواہ وہ اس کا محتاج ہی کیوں نہ ہو اور اگر کسی نے درخواست دی تو اس کی چھٹی کرا دی جائے گی۔

اب میرا یار واپس گھر جاتے ہوئے خود بینک سے ہو کر گزرتا ہے۔ وہاں وہ لوگ آپ سے ایسی کوئی بات نہیں پوچھتے جس کی امریکن ایئر لائنز کو خبر ہو۔

میرا خیال ہے، اس وقت تک میں نے سبھی کچھ سن لیا تھا لیکن یہ روداد انتہائی ہولناک تھی۔ میرا جی نہیں چاہتا تھا کہ اس طیارے میں سفر کروں، دیکھئے ہم انسانوں میں ایسی کوئی بات ضرور ہے۔ زندہ رہنے کے لیے ہماری بنیادی حیوانی جبلت میں شامل ہے، دیگر جبلتوں میں سے ایک جبلت جو غالباً اس وقت سے چلی آ رہی ہے جب انسان غاروں میں رہتا تھا، وہ یہ کہ فضا میں اڑان کے لیے ہرگز اس شخص کی مدد نہ لو جس کی اجرت بچوں کے جیب خرچ سے بھی کم ہو۔

میں طیارے میں سوار تو ہو گیا لیکن اس سے پہلے مجھے اپنے آپ کو باور کرانا پڑا کہ وہ شخص اپنے مطلب کی بات میرے ذہن میں ڈال رہا تھا ورنہ میں اپنی جان کو خطرے میں ڈالنے کے لیے جواز کیسے پیدا کر سکتا تھا؟ دوسرے ہفتے اگرچہ میں نے کچھ فون کالیں کیں اور چھان پھٹک کی تو یہ لرزہ خیز انکشاف ہوا کہ اس پائلٹ کا بیان بالکل درست تھا۔ وہ پائلٹ جو کمپیوٹر فضائی کمپنیوں میں کئی سال سے تھے، وہ تو بھاری رقم (سالانہ چالیس ہزار

ڈالر) کما رہے تھے لیکن پہلے سال والے رنگروٹ، کئی صورتوں میں خط افلاس سے نیچے زندگی گزار رہے تھے۔

تمہارے متعلق مجھے معلوم ہے لیکن میں ایسے لوگوں کو چاہتا ہوں جو مجھے اپنے ساتھ لے کر قدرت کی سب سے بڑی طاقت یعنی کشش ثقل کو رد کر سکیں، خوش رہیں، مطمئن پر اعتماد ہوں اور جنہیں اچھی اجرت ملتی ہو۔ یہاں تک کہ بڑی بڑی فضائی کمپنیوں میں جن کے بڑے جیٹ طیارے ہوتے ہیں، ایک اور زمرے کے ملازم جن کی تربیت کسی اور انسانی جان کی حفاظت کے لیے نہایت سنگین ہو سکتی ہے۔ پندرہ ہزار سے سترہ ہزار ڈالر سالانہ سے اپنی ملازمت کی ابتداء کرتے ہیں۔ جب میں تیس ہزار فٹ کی بلندی پر ہوتا ہوں، اس وقت میں نہیں چاہتا کہ پائلٹ اور یا خدمت گار کے ذہن اس خیال سے بوجھل ہوں کہ آج رات جب وہ گھر پہنچیں گے بجلی اور حرارت واپس ملے گی بھی یا نہیں اور مہینے کا کرایہ ادا کرنے کے لیے معلوم نہیں کس سے معاملہ کرنا پڑے گا اور اس میں پرواز کرنے والے مسافروں کے لیے کیا سبق ہے؟ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو جو خیرات پر جی رہے ہیں، وہ تمہیں بہت دور لے کر جا رہے ہیں۔

۲۰۰۱ء کی پہلی ششماہی میں ڈیلٹا کنکشن کے پائلٹ ہڑتال پر تھے۔ یونین کے لالچی حرامزادے اپنے پائلٹوں کے لیے بیس ہزار ڈالر کی ابتدائی تنخواہ کا مطالبہ کر رہے تھے۔ ڈیلٹا نے انکار کر دیا اور مہینوں تک کام بند رہا۔ اس زبردست معاشی ترقی اور خاص طور پر اکثر اوقات فضائی سفر کرنے والوں کو دیکھتے ہوئے آپ کو خیال آئے گا کہ پائلٹوں کی اتنی تنخواہ دینے میں تو کوئی مسئلہ نہیں ہوگا، جس کے سہارے وہ کتے کے راتب سے کچھ زیادہ بہتر طور پر گزر اوقات کر سکیں گے۔ جہاز میں سوار ہوتے وقت میں سونگھ کر معائنہ کر لیا کرتا تھا کہ پائلٹ پی تو نہیں رہے تھے۔ اب بھی کاک پٹ کے پاس سے گزرتے ہوئے ادھر ادھر پڑے ہوئے پنیر اور کیک کے ٹکڑوں پر نظر رکھوں گا۔ ڈیلٹا کنکشن کے یہ پائلٹ مزے سے ٹکڑو کی بھیک مانگنے کے بعد ملازمت کے اختتام پر سالانہ بیس ہزار ڈالر تنخواہ لے رہے ہوں گے۔

ان پائلٹوں سے اور باقی عام لوگوں سے بھی یہ کہا جاتا ہے کہ معیشت کا حال اچھا نہیں ہے۔ اسٹاک مارکیٹ میں مندی ہے اور مسٹر گرین سپین سود کی شرح خواہ کتنی ہی کم کر دیں، کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو رہی ہے۔

ان کے پاس اپنے دعوے کی حمایت میں اعداد وشمار موجود ہیں۔ اوسطاً چار لاکھ تین ہزار امریکی اپنی بیروزگاری کے عوض دعوے دائر کر رہے ہیں۔سینکڑوں کمپنیاں خاصے بڑے پیمانے پر اپنے یہاں برطرفیاں کر رہی ہیں۔ ہائی ٹیک ڈاٹ کام (کمپیوٹر کے نئے میدان میں ہزاروں کمپنیوں نے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں کاروں کی فروخت بہت گرگئی ہے۔ خوردہ فروشوں کا کرسمس بہت ہولناک رہا۔سلیکون ایلی (Slicon Alley) سے سیلی کون ویلی(Silicon Valley) تک کمرکس لینے کی باتیں ہو رہی ہیں۔

اور ہم نے اسے مان لیا ہے۔

دوستو! کوئی کساد بازاری نہیں ہے۔کوئی کڑا وقت نہیں آیا۔ دولت مندوں نے پچھلی دو دہائیوں میں جولوٹ کا سرمایہ اکٹھا کیا ہے، تو اب دولت میں کھیل رہے ہیں۔ اب وہ یہ اطمینان حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ محض ایک پائی کی خاطر وہ آپ کو دیکھتے ہوئے نہیں آئیں گے۔ دولت مند آپ کو یقین دلانے کے لیے ایسی ہر تدبیر کر رہے ہیں کہ آپ ان سے اپنا حصہ نہ مانگیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ اب کاروبار میں باقی کچھ نہیں رہا۔ ان کے ملکیتی ذرائع ابلاغ ہر رات کے نشریے میں ایک کے بعد دوسری غمناک خبر سناتے ہیں کہ فلاں تازہ ترین انٹرنیٹ کمپنی بیٹھ گئی یا میوچول فنڈ کا سرمایہ ڈوب گیا۔ نیسڈک(Nasdaq) کا سرمایہ دار سب کچھ گنوا بیٹھا۔ آج ڈو جونز انڈسٹریل ایورج تین سو پوائنٹ ہار گیا۔ لونسٹ ٹکنولوجز نے ایک بار پھر پندرہ ہزار برطرفیاں کیں۔ یونائیٹڈ اور یو ایس ایئر ویز کاانضمام ختم ہو گیا، جنرل موٹرز اولڈ موبائلز کوختم کر رہی ہے اور یہ بھی خبریں ہیں کہ تمہارا ذاتی حصہ بھی محفوظ نہیں۔ خاصی دہشت ناک خبریں ہیں، ہیں نا؟

یہ سب سچ ہے، یہ آپ سے جھوٹ تو نہیں بولیں گے۔ کم از کم اتنی معمولی تفصیلات کے لیے جنہیں وہ آپ کی آنکھوں میں آنسو لانے کے لیے استعمال کرتے ہیں لیکن اس سے بڑے جھوٹ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ یہ کہ وسیع تر پیمانے پر عالمی معیشت کتنی ہولناک ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ایک سطح پر یہ درست ہے۔اگر آپ متوسط طبقے یا نچلے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں تو آپ کوخوفزدہ ہونے کا پورا حق ہے، کیوں؟ اس لیے کہ جولوگ بہت اوپر بیٹھے ہیں وہ تو اور بھی زیادہ خوفزدہ ہیں۔ وہ اس لئے ہراساں ہیں کہ ہو جو پارٹی کر رہے ہیں اس میں شرکت کے لیے آپ بھی آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ وہ اس

لئے خوفزدہ ہیں کہ اب آپ ان سے کہیں گے ''ٹھیک ہے'' تمہارے بجرے اور بنگلے فرانس کے جنوب میں ہیں، لیکن ہمارے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیسا رہے گا اگر اس میں سے تھوڑا سا ہمیں بھی مل جائے تاکہ ہمارے لئے گیراج میں ایک نیا دروازہ لگ جائے۔ ان کے اس خوف سے زیادہ بڑا ایک اور خوف ہے، یعنی یہ حیرت کہ تم نے اپنی اجرت میں اضافہ نہیں مانگا، تعطیل کا مطالبہ نہیں کیا۔ کمپنی کے خرچ پر ڈیٹنٹ کے یہاں نہیں گئے یا گزشتہ دس برسوں میں انہوں نے بے تحاشا دولت اکٹھی کی ہے، اس میں سے تم نے اپنا حصہ نہیں مانگا۔ واقعی کیا یہ بات ہوگی کہ تم ایک ہفتے میں چار راتیں یہ سوچنے میں کاٹ دیتے ہو کہ اب کروڑ پتی کون بنے گا لیکن یہ نہیں کہتے ''میں''؟ کاروبار کے مسخرے کب سے انتظار کر رہے ہیں کہ تم دوسرے پاؤں کا جوتا کب گراتے ہو۔

جی ہاں، جو لوگ دسترس رکھتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ یہ ناگزیر ہے کہ تم ایک روز اپنا حصہ طلب کرو گے اور چونکہ ایسا ہونا نہیں چاہئے۔ اس لئے لمبے لمبے چھرے نکال لئے گئے ہیں۔ انہوں نے حفظ ماتقدم کے طور پر ایک حملہ اس امید پر کرنے کا فیصلہ کیا ہے کہ پھر تم ان کے نقد سرمائے کے انبار کی طرف دیکھنے کا سوچو گے بھی نہیں۔

تو یہی وجہ ہے کہ وہ ملازمتوں سے برطرفیاں کر رہے ہیں یا افلاس کی دہائی دے رہے ہیں۔ اس لئے انہوں نے مفت کافی کی کیتلی اٹھالی ہے۔ اس لئے نہیں کہ وہ مفت کافی کا صرفہ برداشت نہیں کر سکتے بلکہ اس لئے کہ تمہارے ذہنوں کو پست کر دینا چاہتے ہیں۔ وہ تمہیں مسلسل دباؤ میں، شک و شبہ اور خوف کی حالت میں مبتلا رکھنا چاہتے ہیں۔ آئندہ تمہاری ہی باری ہو سکتی ہے۔ میکسول ہاؤس کو بھول جاؤ، اپنی نوکری بچاؤ! مالکان آرام سے کرسی پر ٹیک لگا کر بیٹھے اتنا خوش ہو رہے ہوں گے کہ پہلے کبھی نہ ہوئے تھے۔

اب آپ پوچھیں گے، مجھے یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا؟ دیکھئے، میں ان کے درمیان چلتا پھرتا ہوں۔ میں مین ہٹن ''جزیرے'' میں رہتا ہوں۔ یہ زمین کی تین میل چوڑی وہ پٹی ہے، جہاں امریکی اشرافیہ اور بڑے کاروباریوں کے مکانات اور عشرت گاہیں واقع ہیں۔ ایک امریکی جن مصائب کا شکار ہے، ان میں سے بیشتر اس پلیٹینم کی دولت کے آخری قطعہ زمین سے پھوٹتے ہیں، جو دو کثافت زدہ دریاؤں کے درمیان واقع ہے۔ جو لوگ تمہاری زندگی کا کاروبار چلاتے ہیں، وہ میرے ہمسائے میں رہتے ہیں۔ ہٹی کے تارکین

وطن ان کے بچوں کو پالتے ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ وہ نظر نہ آنے والے افراد ان کے پاس سے کس طرح گزرتے ہیں اور یہ منہ سے ایک لفظ نکالے بغیر سنگ مرمر کے فرش سے گرد صاف کرتے ہیں اور وہ تیزی سے گزرنے والے، جہاں بھی جانا ہو، تیزی سے جا رہے ہوتے ہیں، شاید تمہارے انشورنس کا منافع کم کرنے کے لیے یا تمہاری کار گہہ کا جھٹکا کرنے کے لیے، یہ چاق و چوبند کسی ہوئی ٹوپی پہنے، بھوک کے مارے ہوئے، شکار کرنے کے لیے بے چین لوگ ممکن ہے آئندہ وجود جسے وہ ڈھیر کر دیں، تم ہی ہو۔

سنو تو سہی۔ انہیں بتانے دو کہ کتنی کامیابی انہوں نے حاصل کی ہے۔ میرک شائرز میں نیا مکان اور ایسٹر آئی لینڈ کی سیر، اتنے خوش تو وہ کبھی نہیں تھے۔ جب میں اپنی عمارت میں پہلی بار منتقل ہوا تو سارا مکان فنکاروں اور ڈرامہ نگاروں سے بھرا ہوا تھا۔ سیٹر ڈے نائٹ لائیو، کی آدھی کاسٹ وہاں موجود تھی۔ رینجرز کے ہاکی کھلاڑی بھی تھے۔ ایک این ایف ایل کا کھلاڑی بھی تھا۔ ایک کیمرہ مین، کالج کے چند پروفیسر اور کچھ عمر رسیدہ لوگ بھی تھے۔ وہ سب ہمارے ہی جیسے تھے۔ رینجرز کا ایک شخص اور میرا سر پھرا دوست باری، فلمی فوٹو گرافر اور باقی سارے، معلوم ہوتا تھا کہ یا تو وہ اتنے دولت مند تھے کہ انہیں کسی کام کی حاجت نہیں تھی یا اپنے نادار ہمسایوں کے درمیان اتنی املاک کے مالک تھے کہ انہی کے بھاری منافع کی فصل کاٹ رہے تھے یا کسی ٹرسٹ کے فنڈ پر گزر بسر کر رہے تھے یا وال سٹریٹ میں کام کر رہے تھے یا کسی اور ملک سے (نیویارک میں خاندان کی غیر ملکی سرمایہ کاری کی دیکھ بھال سے) کمائی کر رہے تھے۔ دی فارچون ۵۰۰ (The Fortune 500 کارپوریشنوں سے ان کے اللے تللے ہیں اور میں تمہیں یہ بتا دوں کہ وہ سب دولت سے لدے پھندے ہیں اور ایک شمہ برابر بھی کمی نہیں کر رہے ہیں۔ اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں تو میں ایک نہایت غیر جانبدارانہ معروضی اعداد پیش کرتا ہوں کہ دیکھ لو کہ یہ سب سے اوپر کے لوگ کس طرح رہتے آئے ہیں۔

☆ ۱۹۷۹ء کے بعد سے اب تک ملک کے ایک فیصد امیر ترین لوگوں نے اپنے معاوضوں میں ۱۵۷ فیصد کا اضافہ کیا اور سب سے کم سطح پر تمہارے درمیان بیس فیصد افراد سالانہ ایک سو ڈالر (افراط زر کے حساب سے) ریگن کے زمانے کے مقابلے میں کم کما رہے ہیں۔

☆ دنیا کو دوسو سب سے زیادہ دولت مند کمپنیوں کے منافع میں ۱۹۸۳ء کے بعد سے اب تک ۱۹۸۴ء ۳۶۲ فیصد اضافہ ہوا ہے۔ ان کی مجموعی فروخت، دس ملکوں کو چھوڑ کر کرۂ ارض کے باقی تمام ملکوں کی مجموعی پیداوار سے زیادہ ہے۔

☆ حال ہی میں امریکہ کی چار تیل کمپنیوں کا انضمام ہوا ہے۔ تب سے اب تک ان کا منافع ۱۴۶ فیصد بڑھ گیا اور پھر اس زمانے میں جب ہمیں ''انرجی کا بحران'' بتایا جارہا تھا۔

☆ ابھی بالکل حال کے سال میں جس کے اعداد وشمار موجود ہیں، امریکہ کی ۸۲ میں سے ۴۴ امیر ترین کمپنیوں نے ۳۵ فیصد کی مقررہ شرح سے وہ ٹیکس ادا نہیں کیا، کارپوریشنوں سے جس کی ادائیگی کی توقع کی جاتی ہے۔ دراصل ان میں سے ۱۷ فیصد نے بالکل کوئی ٹیکس نہیں دیا۔ ان میں سے سات کمپنیوں نے جن میں جنرل موٹرز بھی شامل ہے ٹیکس کے ضابطوں کا ایسا راگ الاپا اور کاروبار کے مصارف مین اس طرح ہیرا پھیری کی اور قرضوں کا حساب لگایا کہ خود حکومت کے ذمے کئی لاکھ ڈالر واجب الادا ہو گئے۔

مزید ۱۲۷۹ کارپوریشنوں نے جن کے سرمائے کی ملکیت ۲۵ کروڑ ڈالر یا اس سے زیادہ ہے کوئی ٹیکس نہیں دیا اور ۱۹۹۵ء کے لیے ''نوانکم'' (کوئی منافع نہیں) کا حساب دے دیا (یہ اعداد قریب ترین سال پہلے کے ہیں جواب مل گئے ہیں۔)

ہمارے ساتھ اتنے مختلف طریقوں سے ٹھگی کی جارہی ہے تو اگر ان سب کو شمار کیا جائے تو مجھے بلوے پر لوگوں کو اکسانے کا الزام عائد ہوسکتا ہے لیکن اس کی کسے پرواہ؟ مرسیڈیز بینز نے امریکہ کے مقررہ معیارات گاڑی کی (فی میل ایندھن خرچ) مائیلیج (Milage) اور کثافت کو ماننے سے مسلسل انکار کیا ہے اور اس قانون کی خلاف ورزی کے لیے جرمانہ بھی عائد ہوا، یہاں تک کہ اس نے ایک نادر منصوبہ بنایا۔ ۱۹۸۸ء اور ۱۹۸۹ء میں کمپنی نے اپنے ٹیکسوں کی مد سے وہ ساڑھے چھ کروڑ ڈالر مہیا کیے جو اس نے جرمانے میں دیئے تھے اور اسے ''معمولی مصارف کے حساب میں ڈال دیا جو تجارت اور کاروبار چلانے کے دوران میں ادا کئے گئے۔'' اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم نے اور میں نے ساڑھے چھ کروڑ ڈالر محض اس لئے ادا کئے کہ چند رئیس زادے شاندار اور دلآویز گاڑیوں میں سیر

سپاٹے کرتے رہیں اور ہمارے پھیپھڑوں کا ستیا ناس ہو۔حسن اتفاق سے آئی آر ایس نے اس گھپلے کو سمجھ لیا تھا لہٰذا اس نے ان کے دعوے کو ماننے سے انکار کر دیا۔

ہیلی برٹن آئل کمپنی نے ۱۹۹۰ء کے اوائل میں کیمان (Cayman) کے جزیروں میں ایک ذیلی کمپنی کھولی۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ کیمانی جزائر میں تیل نہیں ہے۔ نہ وہاں تیل کی ریفائنریاں ہیں اور نہ اس کی تقسیم کے مراکز، پھر سوال یہ ہے کہ ہیلی برٹن کمپنی وہاں کیا کر رہی تھی؟ ظاہر ہے کہ اس سے حکومت کو شک گزرا۔ ہیلی برٹن کی الگ الگ کمپنیوں کے خلاف ۱۹۹۶ء سے ۱۹۹۸ء کے درمیان ٹیکس کی کارروائی کے چودہ احکام جاری ہوئے۔ ایک معاملے میں تو حکومت نے یہ موقف اختیار کیا کہ ہیلی برٹن نے ۳ کروڑ ۸۰ لاکھ ڈالر کا ٹیکس بچانے کے لیے یہ ذیلی کمپنیاں کھولی ہیں۔ اب ان میں بیشتر معاملوں کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

ایک یہی لوگ نہیں ہیں جو حکومت کے ساتھ دھوکے بازی کرنے میں دلچسپی رکھتے ہوں۔ امریکی انشورنس کمپنیوں نے جو ہرمودا کو''اپنا'' ہیڈ کوارٹرز کہتی ہیں اور جس میں نہایت بڑی بڑی بیمہ کمپنیاں شامل ہیں یعنی چھب، ہارٹ فورڈ، کیمپر، لبرٹی میوچول اور کئی دیگر کمپنیاں جلد ٹھکانے بدلنے والی کمپنیاں، جو اینڈ رسن، کنسلٹنگ کے نام سے معروف ہیں، حال ہی میں ٹیکس سے بچنے کے لیے برلودا چلی گئی ہیں۔ یہ نقل مکانی محض کاغذ پر ہوتی ہے، ان کے سارے دفاتر اب بھی ملک کے اندر ہی ہیں اور ہر شخص ہر روز اپنے کام پر آتا ہے اور پہلے کی طرح اینڈ رسن کے لیے خدمات بجا لاتا ہے۔ صرف ان کے''ہیڈ کوارٹر'' نے جگہ تبدیل کی ہے۔ کیا آپ کو اچھا لگے گا کہ کل صبح آپ سو کر اٹھیں تو اعلان کر دیں کہ آپ نے خود کو فیجی ''منتقل'' کر دیا ہے، حالانکہ اس وقت بھی آپ کھڑکی سے باہر ٹوپیکا (Topeka) کو دیکھ رہے ہیں۔

فاربس میگزین (Forbes) کا اندازہ یہ ہے کہ بڑے بڑے کاروباری اداروں کی جانب ٹیکس سے بچنے کے نتیجے میں امریکی شہریوں پر سالانہ دس بلین ڈالر سے زائد کا بوجھ پڑتا ہے (اور اس گھاٹے کو پورا کرنے میں زیادہ ٹیکس دینے پڑتے ہیں یا چند سہولتوں سے محروم ہو جاتے ہیں، آئندہ جب آپ (گھر کو گرم رکھنے کے لیے) چھٹی نہ لگا سکیں یا ایک کی جگہ دوسرا کمپیوٹر لگانے سے معذور ہوں تو اس کا شکریہ ان موٹی بلیوں کو ادا کیجیے جو آپ کے آگے ایک ہی بات بار بار دہراتی ہیں کہ''اس وقت معیشت کا حال اچھا نہیں ہے۔''

ہمارا جو سرمایہ چوری ہو رہا ہے، اس کو اکٹھا کرنے کی بجائے آئی آر ایس ان دنوں کیا کر رہی ہے؟ انہوں نے آپ کے پیچھے پڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے، یہ بالکل درست ہے۔ انہوں نے سفید جھنڈیاں پھینک دی ہیں۔ وہ اپنی ان کوششوں سے دستکش ہو گئے ہیں کہ امیروں کو ٹیکسوں کی ادائیگی پر مجبور کریں۔ ان کی نئی پالیسی یہ ہے کہ ان لوگوں کو نچوڑیں جن کی آمدنی کم سے کم ہو۔ جنرل اکاؤنٹنگ آفس کے مطابق جو لوگ سالانہ ۲۵ ہزار ڈالر سے کم کماتے ہیں، آئی آر ایس کے مطابق واجبات میں ان کا حساب دگنا ہو گیا ہے جبکہ ایک لاکھ ڈالر سے زائد آمدنی والے لوگوں پر ایک حساب سے ۳۵ فیصد سے کچھ زیادہ ٹیکس گھٹ گیا ہے۔

جمع و خرچ کے میزانئے میں اس کے معنی کیا ہوئے؟ کاروباری اداروں کے ٹیکسوں کو واجبات ۲۶ فیصد تک گر گئے جبکہ ایک اوسط امریکی پر ٹیکس کم از کم ۱۳ فیصد بڑھ گیا۔ ۱۹۵۰ء کے عشرے میں وفاقی حکومت کی آمدنی کا ۲۷ فیصد حصہ کاروباری اداروں کے ٹیکسوں سے پورا ہوتا تھا۔ اب یہ تعداد گھٹ کر دس فیصد سے بھی کم رہ گئی ہے۔ یہ فرق کس نے پیدا کیا؟ تم نے اور تمہاری دوسری ملازمت نے، آپ جو بار بار سنتے رہتے ہیں کہ معیشت ان دنوں برے حال میں ہے تو جزوی طور پر اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جن لوگوں کے چہرے لال گلابی ہو رہے ہیں وہ انہی لوگوں کے دوست اور خاندان کے افراد ہیں جو ایسی خبریں پھیلاتے ہیں۔ ۱۹۸۰ء کی دہائی میں زبردست برطرفیوں کے بعد جنہیں ان افراد نے نظر انداز کر دیا تھا جو اچھے کالجوں میں داخل ہوئے اور اچھی خاصی کمائی کر رہے تھے، ان کے برعکس آج ملازمت سے برطرفیوں کے قتل عام کے نتیجے میں سفید پوش ملازمت پیشہ شکار ہو رہے ہیں، چند لاکھ افراد کی برطرفی رہ گئی ہے پھر تم اس کے بارے میں کچھ نہیں سنو گے۔ کیوں؟ بھلا کیوں؟ کیونکہ یہ بڑی بے انصافی کی بات ہے...... میری مراد یہ ہے کہ یہ اعلیٰ فنی عہدیدار اپنے واجبات ادا کرتے رہے، برابر ضابطوں کی پابندی کی، کمپنی کو اپنی پہلی شادی سمجھا، اپنا دل اور اپنی روح اس کی نذر کر دی۔ کمپنی کی ہر تقریب کے موقع پر موجود رہے۔ ''بزم تفکر'' کے لیے کوئی ''رتجگا'' نہیں چھوڑا۔ چیئرمین اور اس کے ساتھیوں نے خیراتی چندے کا جب بھی کوئی موقع پیدا کیا، یہ اس میں ہمیشہ موجود رہے لیکن پھر ایک روز...... بوب ایریں، ایک مشیر روزگار ہم نے تمہاری عبوری مدت کے لیے ان کی خدمات

حاصل کی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ عرصہ آپ کے لیے ممکن حد تک آسان ہو۔ پلیز اپنی چابیاں میرے حوالے کرو اور یہ شخص جس کے بلا لگا ہوا ہے اور ہاتھ میں بندوق ہے یہ تمہیں ساتھ لے کر تمہاری کوٹھری تک جائے گا۔ تم اپنی ذاتی استعمال کی چیزیں وہاں سے لو اور آئندہ بارہ منٹ کے اندر عمارت سے نکل جاؤ۔''

اس میں کوئی رعایت نہیں، کیا کاروباری کمپنیاں پچھلے سال کے مقابلے میں کم کمائی کر رہی ہیں؟ بھلا کیسے کم کر رہی ہوں ہوگی؟ ۱۹۹۰ء کی دہائی میں انہی کارپوریشنوں نے ایک ناقابل یقین دور کے بعد بے انتہا منافع کمایا، ایسا تو زندگی میں ایک ہی بار ہوتا ہے اور اتنا زیادہ کہ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ کسی بھی سال کے منافع کے مقابلے سے اس کے اعداد کا مقابلہ کرلو، یہ سیب اور آندھی کا مقابلہ ہوگا۔ ابھی پچھلے دنوں کسی اخبار کی شہ سرخی تھی کہ پچھلے سال جنرل موٹرز کا منافع ۳۷ فیصد کم ہوگیا۔ یہ تو بہت برا ہوا لیکن پچھلا سال تو کسی طرح بھی منافع کی لوٹ سے کسی طرح کم نہیں تھا۔ منافع میں ۳۷ فیصد کمی کے باوجود، جنرل موٹرز ۲۰۰۱ء کے پہلے چھ مہینوں میں ۸۰ کروڑ ڈالر کا منافع حاصل کرے گی۔

کیا ڈاٹ کوم فولڈنگ (کمپیوٹر کے اعداد و شمار) دائیں اور بائیں چلتے ہیں؟ جی ہاں، ایسا ہی ہے۔ یہ خاصا بڑا سودا ہے۔ کسی نئی اور انقلابی جدوجہد کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ سرمایہ لگانے والے بہتیرے لوگ قسمت آزمائی کی خاطر چلتی گاڑی میں کود کر سوار ہو جاتے ہیں اور آخر میں یہی ہوتا ہے کہ اوسط صلاحیت کے لیکن بے مہر لوگ اس وقت بھی کھڑے نظر آتے ہیں۔ اسے کہتے ہیں ''پی ٹل ازم'' موٹر گاڑی کی ایجاد کے بیس سال بعد ۱۹۱۹ء میں، امریکہ کے اندر آٹوموبائل کے کاریگروں کی کل تعداد صرف ۱۰۸ ہے۔ اس کے دس سال بعد یہ تعداد کم ہوتے ہوئے ۴۴ عظیم آٹو کمپنیوں تک محدود ہوگئی۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی کے ختم ہونے تک یہ تعداد محض ۸ رہ گئی اور اب امریکی کارسازوں کی مجموعی تعداد ڈھائی ہو گئی ہے۔ ہمارا نظام اس طرح کام کرتا ہے۔ آپ ایسا چاہتے تو نہیں ہیں لیکن آپ اس سے آگے جائیں گے کہاں؟ ان دنوں آپ جا بھی کہاں رہے ہیں یقیناً برمودا۔

Kill Whitey

میں نہیں جانتا کہ ایسا کیوں ہے، لیکن میں بھی کسی گورے کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھتا ہوں تو مجھ پر تشنج کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے اور میں فوراً ادھر ادھر بھاگنے کی راہ تلاش کرنے لگتا ہوں اور پھر کوئی ایسا طریقہ جس سے میں اپنا بچاؤ کر سکوں۔ میں اپنے پر ملامت کرتا ہوں کہ اندھیرا ہونے کے بعد شہر کے اس حصے میں آنے کی کیا ضرورت تھی، کیا اس وقت میں نے سفید فام لوگوں کے ایک مشکوک گروہ کو نہیں دیکھا تھا جو ہر گلی کے موڑ پر منڈلا رہا تھا، اپنے دستے کے پسندیدہ رنگ کے کپڑے ٹارکوائز یا جے کریو ماو پہنے، اسٹاریکس پیتے ہوئے؟

سفید فام لوگوں کا خوف میرے اندر تلاطم پیدا کر دیتا ہے۔ یہ بات آپ کے لیے سمجھنی مشکل ہوگی، یہ خیال کرتے ہوئے کہ آخر میں جو بھی تو سفید فام گورا ہوں لیکن میرے رنگ نے مجھے ایک خاص طرح کی بصیرت دی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟ آپ میری بات کا یقین کر لیں کہ آپ اگر اچانک خود کو سفید فام لوگوں میں گھرا ہوا پائیں تو بہتر ہو گا کہ چوکنے ہو جائیں، کچھ بھی ہو سکتا ہے۔

چونکہ ہم خود گورے ہیں اس لئے ہمیں اس سکون آور خیال سے مطمئن کر دیا گیا ہے کہ گوروں کے درمیان رہنے میں تحفظ ہے، پیدائش کے ساتھ ہی آپ کو یہ سکھایا گیا ہے کہ وہ تو دوسرے رنگ کے لوگ ہیں جن سے ہمیں ڈرنا چاہئے۔ یہ ہیں وہ لوگ کہ جھٹ تمہارا گلا کاٹ دیں گے۔

تاہم جب میں اپنی گزشتہ زندگی پر نظر ڈالتا ہوں تو ایک عجیب سا لیکن نہایت صریح نقشہ ابھرتا ہے۔ ہر وہ شخص جس نے کبھی مجھے زندگی میں نقصان پہنچایا۔ میرا باس (آقا) جس نے مجھے نوکری سے نکالا، استاد جس نے مجھے امتحان میں فیل کر دیا، پرنسپل جس

نے مجھے سزا دی، وہ چھوکرا جس نے میری آنکھ پر پتھر مارا، دوسرا لڑکا جس نے اپنی بے بی بندوق سے مجھے نشانہ بنایا، وہ افسر جس نے ٹی وی سٹیشن کے پروگرام کی تجدید نہیں کی، وہ شخص جو تین سال سے میرے پیچھے لگا ہوا تھا، وہ اکاؤنٹنٹ جس نے میرے ٹیکس کی مد میں دوبارہ کٹوتی کی، وہ شرابی جو مجھ سے بری طرح ٹکرایا، وہ چور جو میرا سامان چرا کر لے گیا، وہ ٹھیکیدار جس نے مجھ سے زائد رقم وصول کی، وہ محبوبہ جو مجھے چھوڑ گئی اور وہ دوسری محبوبہ جو اور بھی پہلے چھوڑ کر چلی گئی اور طیارے کا وہ پائلٹ جس نے رن وے سے گزرتے ہوئے ایک ٹرک کو ٹکر ماری (اس نے غالباً کئی دنوں سے کچھ نہیں کھایا تھا) اور وہ دوسرا پائلٹ جس نے آندھی میں پرواز کا فیصلہ کیا تھا اور دفتر کا وہ شخص جس نے چیک بک سے میرے چیک چوری کئے اور کل سولہ ہزار ڈالر میرے حساب سے نکلوا لئے......ان میں سے ہر فرد گورا ہی تھا۔ آپ کیا اسے اتفاق کہیں گے؟ میرا خیال ہے نہیں۔

مجھ پر کبھی کسی کالے نے حملہ نہیں کیا، کبھی کسی کالے نے مجھے بے دخل نہیں کیا، کبھی کسی کالے مالک مکان نے میری جمع کی ہوئی زر ضمانت رقم نہیں نکلوائی۔ ایک کالا مالک مکان کبھی برا نہیں نکلا۔ ہالی وڈ کے سٹوڈیو میں کبھی کسی کالے مقتدر افسر سے ملاقات نہیں ہوئی، کبھی کسی فلم/ٹی سی کی ایجنسی میں ایک کالے ایجنٹ سے واسطہ نہیں پڑا جو میری نمائندگی کرتا، کبھی کسی کالے نے میرے بچے کو اپنی پسند کے کالج میں داخلے سے نہیں روکا۔ موٹلی کریو کنسرٹ میں کسی کالے نوجوان نے میرے اوپر الٹی نہیں کی، کبھی کسی کالے کانسٹیبل نے میری گاڑی کا راستہ نہیں روکا۔ کاروں کے کالے سیلز مین نے کبھی کچھ دیکھا ہی نہیں، کبھی کسی کالے نے مجھے بینک سے قرضہ لینے سے انکار نہیں کیا، کبھی کسی کالے نے میری فلم کو دفن کرنے کی کوشش نہیں کی اور میں نے کبھی کسی کالے کو یہ کہتے نہیں سنا، ''ہم اب دس ہزار ملازمتیں ختم کر رہے ہیں، مزے کیجئے۔''

میں نہیں سمجھتا کہ اس طرح دعویٰ کرنے والا ایک میں ہی سفید فام شخص ہوں، ہر گھٹیا لفظ، ہر ظالمانہ فعل، ہر اذیت ناکی اور زندگی میں درپیش عذاب کے ساتھ ایک سفید فام چہرہ لگا ہوا تھا۔

پھر میرے لئے سیاہ فام لوگوں سے خوفزدہ رہنے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ میں اپنی دنیا میں گردو پیش نظر ڈالتا ہوں اور لوگو! مجھے بچگانہ کہانیاں سنانے سے چڑ ہوتی ہے، لیکن یہ

افریقی امریکن نہیں ہیں جنہوں نے اس کرہ ارض کو اس قدر قابل رحم اور زندہ رہنے کے لیے ہیبت ناک بنا دیا ہے۔ ابھی حال ہی میں نیویارک ٹائمز کے سائنس سیکشن کے پہلے صفحے پر ایک سوال شہ سرخی کے ساتھ پوچھا گیا تھا ''ہائیڈروجن بم کس نے بنایا؟ اس مضمون میں اس تنازعے سے بحث کی گئی ہے جو پہلا بم بنانے کے دعویداروں میں اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ میں نے اس کی پرواہ نہیں کی تھی کیونکہ اس کے یقینی جواب کا مجھے پہلے ہی علم تھا ''وہ گوری نسل کا ایک فرد تھا۔''

کبھی کسی کالے نے ہجوم در ہجوم بے گناہ لوگوں کو، خواہ وہ اوکلا ہو، مالٹی ہو، کولیائن ہو یا ہیروشیما، صفحہ ہستی سے نابود کر دینے کے لیے نہ تو بم بنایا اور نہ اسے استعمال کیا۔

نہیں، میرے دوست، یہ تو ہمیشہ کوئی گورا ہی کرتا آیا ہے۔ آیئے میزانیے پر نظر ڈالیں۔

- ☆ بلیک پلیگ (Black Plague) کی بیماری کس نے پھیلائی؟ ایک گورا ہی تھا۔
- ☆ پی بی سی، پی وی سی اور پی پی پی جیسے کیمیکلز جو ہمیں ہلاک کر رہے ہیں، کس نے بنائے؟ گوروں نے۔
- ☆ ہر وہ جنگ جس میں امریکہ شامل ہو گیا، کس نے آغاز کیا؟ گوروں نے۔
- ☆ فاکس (Fox) کے برقی ذریعہ ابلاغ پر کس نے پروگرام چلائے؟ گورے لوگوں نے۔
- ☆ پنچ کارڈ بیلٹ (Punch Card Ballot) (ووٹ کی پرچی کو پنچ کرنے کا طریقہ) کس نے ایجاد کیا۔ ایک گورے نے۔
- ☆ انجن کے اندر احتراق (جو آکسیجن کے جلنے سے پیدا ہوتی ہے) (Combustion) کا خیال کسے آیا تاکہ ساری دنیا میں سمیت پھیلا دی جائے؟ گورا ہی تو تھا، اور کون ہوتا۔
- ☆ انبوہ در انبوہ ہلاکت؟ وہ شخص جس نے واقعی سفید فام نسل کو رسوا کیا (یہی وجہ ہے کہ ہم اسے ترجیحاً نازی اور اس کے چھوٹے مددگاروں کو جرا سن کہتے ہیں)
- ☆ مقامی امریکیوں کی نسل کشی؟ گورے۔
- ☆ غلامی؟ گورے

☆ اور اب ۲۰۰۱ء تک، امریکی کمپنیوں نے سات لاکھ افراد کو برطرف کیا۔ ان برطرفیوں کا حکم کس نے دیا؟ سفید فام افسران اعلیٰ نے۔

انٹرنیٹ پر یہ کون مجھ سے ٹکراتا رہتا ہے؟ کوئی حرامی گورا اور اگر میں نے اسے پالیا تو پھر وہ متوفی گورا ہوگا۔ آپ نام لیں کسی مسئلہ کا، کسی بیماری کا، کسی بھی انسانی اذیت کا یا لاکھوں افراد کی اندوہناک غریبی کا، میں آپ سے شرطیہ کہتا ہوں کہ آپ (Ntyne) کے ارکان کے نام بتائیں لیکن اس سے بھی زیادہ تیزی سے میں کوئی گورا پیش کر سکتا ہوں اور جب رات میں خبرنامے پر نظر ڈالتا ہوں تو کیا آپ کو معلوم ہے، بار بار کیا دیکھتا ہوں؟ کالے لوگ، قتل، زنا بالجبر، سرراہ ڈکیتی، خنجر زنی، اجتماعی دہشت گردی، لوٹ مار، منشیات فروشی، دلالی، شور شرابے، بہت زیادہ بچے پیدا کرنے والے، بچوں کو گھر کی کھڑکی سے نیچے پھینکنے والے، باپ کے بغیر، ماں کے بغیر، خدا بیزار، کوڑی کوڑی کے محتاج، یہ سب کالے لوگ ہوتے ہیں۔ **''جس پر شک کیا جائے اسے کالا مرد بیان کیا جاتا ہے۔''** میں خواہ کسی بھی شہر میں ہوں، خبر ایک ہی نوعیت کی ہوگی۔ جس پر شک کیا جائے وہ کالا مرد ہی ہوگا، جس کی شناخت نہیں ہوسکی۔ آج رات میں اٹلانٹا میں ہوں اور میں آپ سے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ٹی وی پر جس کالے مشکوک مرد کا چہرہ، جس کا خاکہ، پولیس نے بنایا ہے، عین اس کالے مشکوک مرد کا چہرہ ہے، جسے میں نے گزشتہ رات ڈینور میں ٹی وی کی خبروں میں دیکھا تھا اور اس سے پہلے لا اینجلز میں، ہر خاکے میں وہ گھور رہا ہے۔ اس کے چہرے پر خشونت ہے اور اس کے وہی نٹ کیپ پہن رکھا ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ وہی ایک کالا امریکی، امریکہ میں ہر جگہ مجرمانہ کردار ادا نہیں کر رہا ہو۔

میرا خیال ہے کہ ہماری نظریں اس سیاہ فام چہرے کو ایک غارت گر کے طور پر دیکھنے کی اس قدر عادی ہو چکی ہیں کہ ہم اس ذہنی تطہیر کی بنا پر ہمیشہ کے لیے تباہ ہوگئے ہیں۔ میری پہلی فلم راجر اینڈ می (Roger and Me) میں ایک گوری جو سوشل سکیورٹی (سرکاری مدد) پر تھی ایک خرگوش کو مار ڈالتی ہے تا کہ وہ اسے ایک پالتو کے طور پر نہیں، بلکہ گوشت کی صورت میں بیچ سکے۔ کاش! میرے پاس انہیں دینے کے لیے کچھ ہوتا کیونکہ پچھلے دس برس کے دوران میں کوئی نہ کوئی میرے پاس آتا رہا ہے اور مجھے بتاتا رہا ہے کہ ایک ننھے سے پیارے سے خرگوش کے سر پر شدید ضرب لگتے دیکھ کر انہیں کتنا صدمہ ہوا اور

وہ کس طرح لرز گئے۔ وہ کہتے ہیں، اس منظر نے ہمیں جسمانی طور پر بیمار کر دیا۔ بعض افراد تو منہ پھیر کر الگ ہو گئے اور بعض تو تھیٹر ہال سے ہی نکل گئے۔ بہتوں کو اس بات پر حیرت تھی کہ ایسا منظر میں نے اپنی فلم میں شامل ہی کیوں کیا، موشن پکچر ایسوسی ایشن آف امریکہ نے روجر اینڈ می کو خرگوش کی ہلاکت کی بنا پر (R) کا درجہ دیا۔ (فلموں کی درجہ بندی کے اس احمقانہ نظام پر مجھے ایک اور فلم کی سٹوری سکسٹی مینٹیس (Sixty Minutes) بند کرنی پڑی)۔ اساتذہ مجھے خط لکھتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ انہیں فلم کا وہ حصہ حذف کرنا پڑتا ہے تا کہ اسے طلبہ کو دکھانے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔ لیکن خرگوش والی بی بی کے اس کارنامے کی دو ہی ماہ بعد، میں نے فلم میں ایک اور منظر ڈال دیا، جس میں ایک کالے پر جو سپر مین والی جیکٹ پہنے ہوئے تھا، پولیس نے گولی چلادی، کالے کے ہاتھ میں پلاسٹک کی پستول تھی۔ ایک بار اور ایک بار تو کیا، کبھی بھی، کسی نے مجھ سے یہ نہیں کہا ''یقین نہیں آتا کہ تم نے اپنی فلم میں کسی کالے پر گولی چلتے ہوئے دکھایا۔ کتنا خوفناک تھا وہ منظر، کتنا گھناؤنا، میں کئی ہفتے تک سو نہیں سکا۔'' آخر وہ کالا ہی تو تھا، کوئی خوبصورت سا پیارا پیارا خرگوش تو نہیں تھا۔ کیمرے میں کسی کالے کو گولی کا نشانہ بنتے ہوئے دکھانا، کوئی ناگوار بات نہیں (انتہا یہ کہ موشن پکچر ایسوسی ایشن کے بورڈ نے بھی اس منظر کے دکھائے جانے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کی۔)

کیوں؟ اس لئے کہ اب کسی کالے کو گولی کھاتے ہوئے دکھانا کوئی خوفناک بات نہیں بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اب یہ معمول کی بات ہے، عین فطری ہے۔ فلموں میں اور شام کی خبروں میں ہم کالوں کو گولی سے ہلاک ہوتے ہوئے اتنا دیکھ چکے ہیں اور اس قدر عادی ہو چکے ہیں کہ اب یہ ایک تسلیم شدہ طریق کار مانا جاتا ہے۔ کوئی بڑا سودا نہیں، بس ایک کالا مرا ہوا۔ کالے آخر یہی تو کرتے ہیں۔ مارتے ہیں اور ہلاک ہو جاتے ہیں، ہوں......ذرا مکھن ادھر سرکائیے۔

کتنا عجیب لگتا ہے کہ اس حقیقت کے باوجود کہ بیشتر جرائم گورے کرتے ہیں کہ جب ''جرائم'' کا خیال آتا ہے تو عام طور پر اس کے ساتھ کوئی کالا چہرہ چپکا دیا جاتا ہے۔ کسی گورے سے پوچھو، ''وہ کون ہوگا، جس سے تم ڈرتے ہو کہ گھروں میں گھس جائیں گے یا سڑک پر چلتے ہوئے حملہ کر دیں گے، تو گورے، اگر وہ ذہین ہوئے تو وہ مان لیں گے کہ جو

لوگ ان کے ذہنوں میں ہیں، وہ ان کے جیسے نہیں، ان کے ذہنوں میں جس مجرم کا خیال آتا ہے، وہ موکی یا حاکم یا کریم جیسا لگتا ہے، چھوٹے سے چہرے کا گورا چٹا جمی نہیں۔

دماغ میں اس طرح کا خوف پیدا کیسے ہوتا ہے، جبکہ نظر کچھ اور آتا ہے اور دماغ کچھ اور کہتا ہے۔ کیا گوروں کے دماغوں میں کسی اور طرح کا تار لگا ہوا ہے کہ وہ دیکھتے ایک چیز ہیں، لیکن اپنے نسلی تعلق کی وجہ سے اس سے متضاد بات پر یقین کرتے ہیں۔ اگر معاملہ یہ ہے تو کیا سبھی گورے کسی کمتر درجے کی دماغی علالت میں مبتلا ہیں؟ اگر سورج دمکتا ہوا نظر آئے، وہ روشن اور خوبصورت ہو لیکن آپ کے دماغ کا تقاضا یہ ہو کہ گھر کے اندر بیٹھے رہو کیونکہ طوفان یقینی طور پر امنڈتا ہوا نظر آرہا ہے، تو ہم آپ سے کہیں گے کہ کسی ماہر معالج سے مدد لیں۔ کیا وہ سارے گورے جنہیں گلی کے ہر نکڑ پر شور شرابے کرنے والے کالے نظر آتے ہیں۔ وہ کیا ایک دوسرے سے مختلف ہوں گے؟

ہم نسل گورے خواہ دوسرے گوروں کو کتنا ہی یقین دلائیں کہ گورے سے ہی ڈرنا چاہیے لیکن ذہن اس بات کو قبول نہیں کرے گا۔ ہر مرتبہ جب تم ٹی وی پر خبریں سنو گے، تو ایک گورے کا بچہ ہی قتل عام کرتا ہوا نظر آئے گا۔ سلسلہ وار قتل کرنے والے ایک قاتل کو پکڑا خواہ، جب بھی پکڑا جاتا ہے۔ وہ آخر کار ایک گورا ہی نکلتا ہے۔ ہر مرتبہ ایک دہشت گرد کسی وفاقی عمارت کو بم سے اڑا دیتا ہے یا کوئی پاگل کول ایڈ (مسموم مشروب) پلا کر چار سو آدمیوں کو موت کو نیند سلا دیتا ہے بیچ بوائز (Beach Boys) کے لیے گانا لکھنے والا آدھی درجن چھوکریوں سے یہ گانا سنوا کر جادو جگا سکتا ہے کہ ہالی وڈ ہلز میں سارے سوروں کو ہلاک کر دو رتو جان لو کہ وہ گوری نسل کا ہی کوئی فرد ہوگا، جو اپنے پرانے حربوں پر اتر آیا ہے۔

پھر سوال یہ ہے کہ جب ہم کسی گورے کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھتے ہیں تو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگتے کیوں ہیں؟ ملازمت کے امیدوار کو جو کا کیشیا کا رہنے والا ہو، ہم یہ کیوں نہیں کہتے کہ ''برادر، مجھے افسوس ہے، فی الوقت کوئی آسامی خالی نہیں؟ ہم اس وقت سخت اندیشے میں مبتلا کیوں نہیں ہوتے جب ہماری بیٹیاں گوروں سے شادی کر رہی ہوتی ہیں اور جانی کیش (Johny Cash) کے اس طرح کے خوفناک اور جارحانہ گیتوں پر کانگریس پابندی کیوں نہیں لگاتی (میں نے رینو میں ایک آدمی کو گولی مار دی، محض اسے مرتا ہوا دیکھنے کے لیے) یا ڈکسی چیکس کا گیت (اول کو تو مرنا ہی تھا) یا بروس اسپرنگسٹن کا گیت

(......میں نے اپنے راستے کی ہر شے کو ہلاک کر دیا، میں یہ نہیں کہوں گا کہ مجھے اپنے کئے پر افسوس ہے) یہ ساری توجہ چلتے ہوئے بازاری گیتوں پر کیوں ہے؟ اخبارات ایسے گیتوں کو چھاپ کر سچ کیوں نہیں بولتے؟

☆ میں نے رنج و اندوہ کی بوتلیں بیچ دیں، پھر نظمیں اور ناول منتخب کئے۔ ووٹنگ کا اعلان۔

☆ لوگو! کچھ پانے کے لیے اپنے ذہن استعمال کرو۔ آئس کیوب

☆ بیچاری اکیلی ماں، خیرات پر......سچ کہو، یہ تم نے کیسے کیا......ٹو پک شاکر

☆ میں اپنی زندگی بدل دینا چاہتا ہوں......میں گناہگار مرنا نہیں چاہتا......ماسٹر پی

افریقی امریکن اس دن سے جب انہیں مارا پیٹا گیا اور زنجیر دل میں باندھ کر گھسیٹا گیا، وہ معاشرے میں سب سے پست سطح پر ہیں، وہ اس سطح سے کبھی اوپر نہیں اٹھ سکے، ایک دن کے لیے بھی نہیں، تارکین وطن کا بھی گروہ یہاں آیا وہ نیچے سے اٹھ کر درمیانہ درجے پر اور پھر معاشرے کے بالائی درجے تک پہنچ گیا۔ یہاں تک کہ مقامی امریکی جو ناداروں سے زیادہ نادار تھے، اب بہت کم ان کے بچے افریقی امریکنوں کے مقابلے میں افلاس کی زندگی گزار رہے ہیں۔

تم غالباً سوچ رہے ہوگے کہ اس ملک میں کالوں کے لیے حالات کچھ بہتر ہوں گے، میری مراد یہ ہے کہ ہم نے اپنے معاشرے سے نسلی امتیاز کو ختم کرنے کے لیے اس قدر پیش قدمی کی ہے تو کالوں کا معیار زندگی بھی پہلے سے بہتر ہو گیا ہوگا۔ جولائی ۲۰۰۱ء کے واشنگٹن پوسٹ میں شائع شدہ ایک جائزے کے مطابق چالیس سے ساٹھ فیصد تک گورے لوگ یہ سوچتے ہیں کہ ایک اوسط کا کالا شخص ایک اوسط کے گورے کے مقابلے میں بہتر زندگی گزار رہا ہے۔

ایک بار پھر سوچئے، معاشیات کے ماہرین رچرڈ ویڈر، لوول گالا وے اور ڈیوڈ سی کے ایک مطالعاتی جائزے کے مطابق ایک کالے امریکی کی اوسط سالانہ آمدنی، ایک گورے کی اوسط سالانہ آمدنی سے ۶۱ فیصد کم ہے۔ یہ اوسط فیصد کا تناسب آج بھی وہی ہے جو ۱۸۸۰ء میں تھا۔ ایک سو بیس کے عرصے میں دھیلا برابر فرق نہیں آیا۔

کیا آپ کو مزید ثبوت چاہیے؟ تو پھر درج ذیل عبارت پر غور کیجئے۔

☆ سولہ سے چوبیس سال کی عمر کے درمیان ایک نوجوان کالا نہ کسی سکول پایا جاتا ہے اور نہ کہیں کام کرتا ہوا۔ گورے نوجوانوں میں ایسے افراد کی تعداد ۹ فیصد ہے۔ ۱۹۹۰ء کی دہائی میں جب ''خوشحالی'' بہت تھی۔ اس فیصد تناسب میں کوئی نمایاں فرق نہیں آیا۔

☆ ۱۹۹۳ء میں سیاہ فام کنبوں کے مقابلے میں گورے خاندانوں نے سٹاکس میں، میوچول فنڈ اور یا آئی آر اے اور کوگ (Keogh) اکاؤنٹس میں تین گنا زیادہ سرمایہ کاری کی، جب سے سٹاک مارکیٹ میں اس کی لاگت دگنے سے بھی زیادہ ہوگئی ہے۔

☆ گوروں کے مقابلے میں سیاہ فام لوگوں میں دل کے مریض، جنہیں کیتھیٹر (Catheter) کی ضرورت ہو، تعداد میں بہت کم ہیں۔ سینے کے اندر کیتھیٹر کا لگایا جانا، جان کی سلامتی کے لیے ایک عام سا لیکن نہایت اہم طریقہ ہے اور اس میں ڈاکٹر کے نسلی تعلق کی کوئی اہمیت نہیں، سیاہ اور سفید فام ڈاکٹروں نے کالے مریضوں کے مقابلے میں چالیس فیصد زیادہ گورے مریضوں کے لیے کیتھیٹر لگائے جانے کی سفارش کی۔

☆ فالج کی حالت میں جب شریانوں میں چربی کو تحلیل کرنے کی فوری ضرورت ہو تو یہ ہنگامی صورتحال علاج کی غرض سے کالوں کے مقابلے میں پانچ گنا زیادہ گوروں کو پیش آتی ہے۔

☆ گوری عورتوں کے مقابلے میں سیاہ فام نسل کی ماؤں کے لیے زچگی کے دوران ہلاکت کا چار گنا زیادہ امکان پایا جاتا ہے۔

☆ ۱۹۵۴ء سے تاحال گوروں کے مقابلے میں کالے دگنی تعداد میں زیادہ بے روز گار ہیں۔ میرے اور فراخان کے علاوہ کیا کسی کو ان باتوں پر طیش نہیں آتا؟ یہ دیکھتے ہوئے کہ ہمارا معاشرہ جن مصائب میں مبتلا ہے، کالے ان کے ذمہ دار نہیں، پھر ان افریقی امریکنوں کے ساتھ یہ سلوک آخر کیوں؟ سزا کے مستحق آخر یہی لوگ کیوں ہیں؟

پھر ان نتائج کے باوجود ہم گورے لوگ، ریجنالڈ ڈینی (Reginald Denny) کی

طرح اپنے انجام تک پہنچے بغیر کیسے بچ نکلے ہیں؟

کا کیشیا والوں کی سی ذہنی چابکدستی۔ ہم بالکل بوکھلائے ہوئے ہوتے تھے۔ احمقوں کی طرح اپنی نسل پرستی کا سر عام اظہار کرتے تھے۔ بڑی کھلی کھلی حرکتیں کرتے تھے مثلاً آرام گاہ کے دروازے پر یہ نشان ''صرف گوروں کے لیے'' پینے کے پانی کے چشمے پر (Coloreds) کا نشان۔ ہم کالوں کو بس کے پیچھے بٹھاتے تھے۔ ہم انہیں اپنے سکولوں میں داخل ہونے سے یا اپنی ہمسائیگی میں رہنے سے روکتے تھے۔ ہم سب سے گھٹیا کام انہی کو دیتے تھے۔ (اشتہاروں میں لکھ دیتے تھے، صرف نیگروز کے لیے) اوراس امر کی وضاحت کر دیتے تھے کہ اگر تم گورے نہیں ہو تو تمہیں کم اجرت دی جائے گی۔

اس کھلی کھلی اور انتہا درجے کی نسلی تفریق نے ہمارے لئے بہت سے مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ اونچے درجے کے وکلاء کا ایک گروہ عدالت میں پہنچ گیا اور بہت سی باتوں کے علاوہ ہمارے آئین کو بھی پیش کرنے لگا۔ وکلاء نے اس امر کی نشاندہی کی کہ آئین کی چودھویں ترمیم کے تحت کسی فرد سے محض نسلی بنیاد پر مختلف سلوک نہیں کیا جاسکتا۔

آخر کار عدالت میں مسلسل نقصان اٹھانے کے بعد مظاہروں اور بلووں کے نتیجے میں ہم نے نکتے کی بات پالی۔ اگر ہم نے سمجھ سے کام نہیں لیا تو پھر ہمیں اپنے منافع میں انہیں حصہ دار بنانا پڑے گا۔ ہم نے ایک ضروری سبق سیکھ لیا ہے۔ اگر تم ایک کامیاب نسل پرست بننا چاہتے ہو تو اسے برتنے کا ایک بہتر طریقہ نکالو۔ یہی بات ایک مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ کرو۔

چنانچہ گورے ہوشیار ہو گئے، نکتے کی بات سمجھ لی۔ ان کالوں کو مارنا چھوڑ دیا جو ممکن ہے گلی میں ہماری عورتوں سے باتیں کرتے ہوئے دیکھے گئے، شہری حقوق کے چند قوانین منظور کئے اور سر عام ''نیگر'' جیسے الفاظ کا استعمال بند کر دیا۔ ہم تو اس حد تک فراخدل ہو گئے کہ ''یقیناً، آپ یہاں ہمارے ہمسائے میں رہ سکتے ہیں، آپ کے بچے ہمارے بچوں کے سکول میں جاسکتے ہیں، گھنٹی بجانا کیا ضروری ہے، ہم تو جا ہی رہے تھے؟'' ہم مسکرانے لگے، کالے کی پشت کو شفقت سے تھپکا، پھر شیطان کی طرح مضافات کی طرف دوڑ پڑے۔ اب ہم نے ان سے اس طرح کام لینا شروع کر دیا، جیسے شہروں میں کام لیتے تھے۔ صبح کے وقت جب اخبار اٹھانے کے لیے ہم باہر نکلتے تو ہم ایک طرف گلی میں دور تک نظر ڈالتے

اور اب بتاؤں کیا دیکھتے تھے......کچھ اور گورے لوگ۔

بڑے نفع بخش عہدے اب بھی گوروں کو ہی ملتے ہیں، دگنی تنخواہ اور بس کے سفر میں اگلی نشست خوشحالی اور کامیابی کی علامت۔ اب ذرا پیچھے مڑ کر نیچے نظر ڈالئے۔ تمہیں کالے وہیں بیٹھے نظر آئیں گے۔ جہاں وہ ہمیشہ بیٹھے ہوتے تھے۔ ہمارے پیچھے دوڑتے ہوئے، ہمارے حکم کے منتظر اور کاؤنٹر کے پیچھے ہماری خدمت کے لیے مستعد۔

اس مسلسل نسلی تفریق پر پردہ پوشی کے لیے ہم اپنی روز گار کی جگہوں پر مختلف نسل کے لوگوں کا اجتماع (Diversity Seminar) کرتے ہیں اور اپنی مدد کے لیے ''شہری تعلقات'' بڑھانے کی غرض سے لوگوں کا تقرر کرتے ہیں تا کہ معاشرے میں روابط برقرار رہیں۔ جب ہم کسی نوکری کے لیے اشتہار دیتے ہیں تو بڑی خوشدلی کے ساتھ اس میں یہ بھی لکھ دیتے ہیں ''سب کے لیے مساوی مواقع آجر کی جانب سے'' یہ بہت اچھا لگتا ہے۔ ذرا سا ہنس لینے کے لیے برانہیں ''کیونکہ مجھے معلوم ہے کالے کو نوکری تو ملنے سے رہی۔'' افریقی امریکن زیاری میں صرف چار فیصد گریجویٹ ہیں (اسکے مقابلے میں گورے نو فیصد اور ایشیائی امریکی پندرہ فیصد ہیں) ہم پیدائش کے ساتھ ہی اپنے نظام میں پالبازی شروع کر دیتے ہیں اور یقینی طور پر یہ اطمینان کر لیتے ہیں کہ کالوں کے بچے بدترین پبلک سکولوں میں جائیں گے، اس طرح بہترین کالجوں میں ان کے داخلے کو روک دیتے ہیں، جان کے لیے راستہ کھول دیتے ہیں کہ خدمت گاری کریں، ہماری بی ایم ڈبلیو گاڑیوں کی دیکھ بھال کریں اور ہمارا کوڑا کرکٹ بٹوریں۔ جی ہاں اس میں کہیں چوک بھی ہو جاتی ہے لیکن اس خاص شرف کے لیے کچھ اضافی معاوضہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ اپنی بی ایم ڈبلیو میں سوار ایک کالے ڈاکٹر کو پولیس کا سپاہی بار بار روکتا ہے۔ براڈوے کی کالی اداکارہ کو کھڑے ہو کر داد دی جاتی ہے لیکن باہر اسے جانے کے لیے ٹیکسی نہیں ملتی۔ بروکر (دلال) اگروہ کالا ہے تو اسے اپنی ''سنیارٹی'' (عمر میں بزرگی) کی بنا پر سب سے پہلے برطرف کیا جاتا ہے۔

ہم گورے اس بات کے مستحق ہیں کہ اس غیر معمولی ذہانت کے لیے ہمیں کسی طرح کا بھی انعام ملنا چاہئے۔ ہم اس کو اپنے درمیان شامل کرنے کی بات کرتے ہیں۔ ہم ڈاکٹر کنگ کی سالگرہ مناتے ہیں، ہم ایسے چٹکلوں پر جس میں نسلی امتیاز شامل ہو، ناک بھوں چڑھاتے ہیں لیکن بہت بہت شکریہ اس حرامی فہرمین کا، جس نے ہمارا پول کھول دیا ہے۔

ہم نے تو ایک نئی اصطلاح بھی وضع کر لی تھی ''دی این ورڈ (The N Word)اصلی لفظ نگر مکائے، کہنے کے بجائے این(N)یقین کرو۔تم کسی کو یہ لفظ بلند آواز سے کہتے ہوئے کبھی نہیں سنو گے۔آج کل تو بالکل نہیں ۔نہیں صاحب بالکل نہیں ۔ یہ لفظ اس وقت قابل قبول ہوگا جب ہم کوئی چلتا ہوا گیت کار رہے ہوں گے پھر اچانک ہمیں وہ خود بھی گانا اچھا لگتا ہے۔

ہم کچھ اس طرح کی بات اونچا کہنے سے کبھی نہیں چوکتے۔''میرا دوست وہ ایک کالا ہے۔'' ہم یونائیٹڈ نیگرو کالج کو چندہ دیتے ہیں۔ بلیک ہسٹری منتھ (Black History Month) کو تسلیم کرتے ہیں اور اپنے تنہا کالے کارکن کو یقینی طور پر استقبالیہ پر بٹھاتے ہیں تا کہ اس طرح کی بات کہہ سکیں۔''دیکھئے نا ہمارے یہاں کوئی امتیاز نہیں ہے۔ ہم اپنے یہاں کالوں کو بھی ملازمت دیتے ہیں۔'' جی ہاں! ہم نہایت چالباز اور عیار نسل کے لوگ ہیں اور مجال ہے جو ہم اس سے بچ کر نہ نکل جائیں۔ہمیں کالوں کے کلچر سے سیکھنے اور ان سے کچھ چیزیں لینے میں بھی خاصی مہارت ہے۔ ہم ان سے اسے لے لیتے ہیں۔ پھر ایک سفید بلنڈر میں ڈال کر اسے اپنا بنا لیتے ہیں۔ بنی گڈمین نے ایسا کیا، ایلوس نے بھی یہی کیا، یعنی بروس نے بھی یہیں کیا، موٹاؤن (Motown) نے ایک بالکل نئی آواز کی تخلیق کی پھر اسے ترغیب دے کر لاس اینجلز لایا گیا اور یوں عظیم گورے پاپ سٹارز کے لیے راستہ کھل گیا۔ ایمی نرن (Eminern) تسلیم کرتا ہے کہ اس نے ڈاکٹر ڈری (Dr. Dre)، ٹوپاک (Topac)اور پبلک انیمی (Public Enemy) سے بہت کچھ لیا ہے۔بلیک سٹریٹ بوائز (Black Street Boys)اور این سینک (N. Sync)، سموکی رابنسن (Smoky Robinson)اور مریکلز (Miracles)، ٹمپٹ ٹیشنز (Temtations)اور جیکسن فائیو (Jackson Five) کے بہت ممنون ہیں۔

کالے لوگ تخلیق کرتے ہیں، ہم اسے ہتھیا لیتے ہیں۔ کامیڈی، رقص، فیشن، زبان، کالوں کی طرف سے اظہار کی یہ ساری صورتیں ہمیں اچھی لگتی ہیں، خواہ وہ اپنی گرل فرینڈ کو عشائیہ کے حوالے سے لبھانے والی باتیں ہوں، یا تاک جھانک کی وارداتیں ہوں، یا اپنی سب سے چہیتی کے آگے مائیک (Mike) جیسا بننے کی کوشش کر رہے ہوں، جی ہاں، یہاں اصل لفظ ''جیسا ہے۔'' کیونکہ مائیک خواہ کتنا ہی لاکھوں کروڑوں کما رہا ہو، مائیک جیسا

بننے کا مطلب نیو جرسی ٹرن پائک پر بہت زیادہ صرف کرنا ہوگا۔

پیشہ ورانہ کھیلوں (اس میں ہاکی شامل نہیں) پر افریقی امریکنوں کی بالادستی گزشتہ تین دہائیوں سے ہے، ہم نے انتہائی فراخدلی سے کام لیتے ہوئے، مشقت کے سارے کام، تربیت کی محنت اور تھکان کے شعلے نوجوان کالوں کے سپرد کر دیئے ہیں کیونکہ سچ کہنے دو (کیونکہ لازی بوائے (L-a-z boy) میں بیٹھنا، چپس کھانا اور پینا اور انہیں گیند کے پیچھے بھاگتے ہوئے دیکھنا زیادہ لطف دیتا ہے۔ اگر ورزش کی ضرورت ہو تو ریڈیو پر کھیلوں کی باتیں کسی بھی وقت سنی جا سکتی ہیں اور اس پر اپنے دکھ کا اظہار کیا جا سکتا ہے کہ ان کھلاڑیوں کو اصل سے زیادہ اجرت ملنے لگی ہے۔ کالے لوگوں کو اس قدر دولت ساتھ لے جاتے ہوئے دیکھنا خاصا تکلیف دہ ہو سکتا ہے۔

باقی کالی چمڑی والے لوگ ان دنوں کہاں ہیں۔ وہی ہمارے لئے خدمات پر مامور نہیں؟ فلم میں اور ٹی وی پر کام کر رہے ہیں بمشکل نظر آتے ہیں جب میں اپنے کاروبار میں لوگوں سے ملاقات کے لیے اور کام کاج کے لیے نیو یارک سے لاس اینجلز کے لیے روانہ ہوتا ہوں اور جہاز سے ہوٹل میں اپنی قیام گاہ تک پہنچتا ہوں، پھر اپنی پرانی بانہرا ایجنسی جاتا ہوں، سرکردہ لوگوں سے ملتا ہوں۔ فلم پروڈیوسر سانتا مونیکا کے ساتھ مشروب میں شریک ہوتا ہوں، آخر میں ویسٹ ہالی وڈ کے دوستوں کے ساتھ عشائیہ میں اچھا وقت گزارتا ہوں اور یونہی کئی دن گزر جاتے ہیں لیکن مجھے ایک بھی افریقی امریکن سے ملنا نہیں ہوتا۔ اس ہاتھ کے جسے میں ٹپ دیتا ہوں۔ یہ سب کیسے ہوتا ہے، میں وقت گزاری کے لیے اپنے ساتھ ایک کھیل کھیلتا ہوں اور گھڑی میں اس وقت کو شمار کرنے کی کوشش کرتا ہوں جب کوئی ایسا کالا مرد یا کالی عورت نظر آ جائے جس نے یونیفارم نہ پہنی ہو یا استقبالیہ کی ڈیسک پر بیٹھا ہو (وہ لاس اینجلز میں بھی کالے کو استقبالیہ پر بٹھانے کا کھیل کھیلتے ہیں) لاس اینجلز کے پچھلے تینوں دوروں میں ایک بار بھی میری گھڑی اس کھیل میں بند نہیں ہوئی۔ کالوں کے شمار کا نتیجہ صفر رہا۔ امریکہ کے دوسرے سب سے بڑے شہر میں، میں کئی دن تک قیام کر سکتا ہوں لیکن میری مڈ بھیڑ اگر ہوگی تو محض گوروں کے ساتھ، ایشیائی باشندوں اور اطالوی نسل کے لوگوں کے ساتھ، کالے بالکل نہیں۔ تو یہ ہے ہمارا ناقابل یقین کارنامہ۔ نسلی تفریق پر مبنی ہمارے عہد محکم کا ثبوت۔ ذرا سوچئے کہ اس طرح کے کام میں ہماری کتنی توانائی صرف ہوتی ہوگی۔

محض اس غرض سے کہ ہمیں کسی کالے کی کوفت نہ اٹھانی پڑے۔ لاس اینجلز کے دس لاکھ کالے شہریوں کو وہاں کے سفید فام لوگوں نے ہماری نظروں سے کس طرح چھپا رکھا ہے؟ اس کے لیے تو نہایت کھری ذہانت درکار ہے۔

مجھے معلوم ہے کہ لاس اینجلز کی مثال دینا آسان ہے۔ پھر بھی امریکہ کے بیشتر حصوں میں آپ یہ تجربہ کر سکتے ہیں کہ نہ آپ کے کانوں میں کالوں کی آواز سنائی دے اور نہ وہ خود نظر آئیں اور یہ محض ٹی وی اور فلم کی دنیا تک محدود نہیں۔ میری کتاب کا مسودہ جو میرے دفتر میں پڑا ہے، مجھے حیرت ہوگی، اگر کسی کالے نے اسے ہاتھ لگایا ہو (سوائے اس پیغام رساں کے جس نے اسے شہر میں ناشر کیت تک پہنچایا ہو۔)

کبھی تو میرا دل چاہے گا کہ نکس گیم (Knicks game) میں میری ساتھ کی نشست پر کوئی کالا بیٹھا ہو یا کسی بھی طرف سے بیس قطاروں کے اندر بیٹھا نظر آجائے (اسپائک لی اور کمیل کے شرکاء کے علاوہ) کبھی تو میرا دل چاہے گا کہ میں طیارے کے اندر سوار ہوں تو اس کی ساری نشستیں کالے مسافروں سے بھری ہوں اور وہاں پھدکتے ہوئے گوروں کا گروہ نہ ہو، شکایت کرتے ہوئے گورے، جو اپنے زعم میں یہ مطالعہ کرنے کا استحقاق رکھتے ہیں کہ میں اپنی جگہ سے دستبردار ہو جاؤں جہاں وہ نشست جما سکیں۔

آپ کوئی غلط مطلب نہ نکالیں۔ میں اپنے آپ سے نفرت کرنے والا کوئی پردیسی گورا نہیں۔ یہ جلد کی سفید رنگت نہیں جس سے مجھے جھرجھری آتی ہے۔ مجھے اس بات پر چڑ ہوتی ہے کہ میرے ہم جنس گورے اتنے سازشی ہو گئے ہیں کہ انہوں نے کالے لوگوں کو سفید فام لوگوں میں بدل دینے کا ایک قرینہ نکال لیا ہے جب میں نے کلیرینس تھامس کو پہلی بار بولتے ہوئے سنا تو میں نے سوچا ''کیا اس طرح چنگھاڑنے کے لیے گورے کم ہیں؟'' اور اب فضا کالوں کی آوازوں کی لہروں سے بھر گئی ہے، وہ گوروں کے مقاصد کو آگے بڑھانے کے لیے ایک دوسرے کے پیچھے لپک رہے ہیں۔ میں یہ سوچ کر حیران ہوتا ہوں کہ نیٹ ورک (ٹی وی، اخبارات) نے اتنے لوگ کہاں سے کھود کر نکال لئے۔ وہ پسماندہ لوگوں کے لیے اثباتی عمل کی بھی مخالفت کرتے ہیں اگرچہ ان میں سے بیشتر اسی اثباتی عمل کی بدولت کالج کا منہ دیکھ چکے ہیں۔ وہ سرکاری امداد پر گزر اوقات کرنے والی ماؤں کی مذمت کرتے ہیں حالانکہ یہ انہی کی مائیں رہی ہوں گی اور کئی سال سے مفلسی کی

حالت میں جدوجہد کر رہی تھی تا کہ ان کا بیٹا بڑا ہوکر، اس کی اور اس جیسی دوسری ماؤں کی تذلیل کرے۔ وہ ہم جنس پرستوں کے خلاف بولتے ہیں حالانکہ کسی اور گروہ سے زیادہ ہم جنس پرستی نے سب سے زیادہ کالوں کو تباہ کیا ہے۔ وہ جیسی جیکسن(Jesse Jackson) سے نفرت کرتے ہیں حالانکہ وہی تھا جس سے کئی سال گرفتاری میں گزارے اور اپنی جان خطرے میں ڈال دی تا کہ یہ لوگ کسی بھی ریستوران میں آزادی سے بیٹھیں، ظہرانہ طلب کریں اور حسب خواہش ہر طرح کی رائے کا اظہار کریں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سیاہ فام امریکہ افراد اپنی ایک ہی سیاسی آواز بلند کریں، لیکن مجھے تو گھن آتی ہے کہ یہ ''قدامت پسند'' کس طرح زہر اگلتے ہیں۔

انکل ٹام کی فحاشی کو دیکھنا سب سے زیادہ افسوسناک چیز ہے۔ مجھے خیال آتا ہے کہ جب کیمرہ پر یہ قبہ گری بند ہوتی ہے تو کبایل اور یلی یا کرس میتھیوز یا ٹکر کا ربن کہیں ان آبرو باختہ لوگوں سے کہتے ہیں کہ ''سنو، میرے گھر کے ساتھ ہی ایک دوسرا گھر ہے، تمہیں چاہئے کہ اس کے اندر گھس جاؤ'' ''یا'' یہ ہے، میری بہن ابھی اکیلی ہے اور تم بھی اکیلے ہو، پھر کیسا رہے گا۔'' مجھے کیا معلوم، وہ یہی کرتے ہوں گے۔ ممکن ہے کہ اس دسمبر میں اور یلی، کوانزا کے لیے مجھ سے مل ہی جائے۔

مجھے نہیں معلوم کہ غلامی کی اس موروثی لعنت کے ساتھ ہمیں اور کب تک جینا پڑے گا جی ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ اسے میں نے ہی پالا ہے، غلامی، اس حقیقت کا اقرار تم جب بھی کرو گے کہ ہم حکومت کی منظوری اور سرپرستی کی بدولت غلامی کے نظام کو اب تک جھیل رہے ہیں تو ایک سفید فام امریکی کے کراہنے کی آواز ضرور سنائی دے گی۔

مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ ہماری بیشتر سماجی برائیوں کی جڑیں ہماری تاریخ کے اس مریضانہ باب میں پیوست ملیں گی۔ افریقی امریکیوں کو زندگی کا آغاز کرنے کا ایسا آزادانہ موقع کبھی نہیں ملا، جو باقی ماندہ ہم سب کو میسر آیا ہے۔ ان کے خاندانوں کو بالا رادہ غارت کیا گیا، ان کی زبان، معاشرت اور مذہب کو ان سے چھین لیا گیا۔ ان کے افلاس کو مستحکم ادارے کی صورت دے دی گئی تا کہ کوئی ہماری کپاس چننے والا ہو، ہماری لڑائی لڑنے والا ہو، ہمارے مال گودام ساری رات کھلے رہیں، اگر وہ لاکھوں غلام جنھوں نے امریکہ کی تعمیر کی اور اس کی معاشی خوشحالی کا سامان کیا، اگر وہ نہ ہوتے اور انہی غلاموں کی

اولادیں آج سفید فام لوگوں کے لیے ویسا ہی غلیظ کام نہ کرتی ہوتیں تو یہ امریکی جو آج ہمیں نظر آرہے ہیں، یوں موجود نہ ہوتے۔

مائیک! تم غلامی کو فروغ کیوں دے رہے ہو؟ کوئی کالا جو آج زندہ ہے، کبھی غلام نہیں رہا۔ میں نے کسی کو غلام نہیں بنایا محض کسی گزشتہ بے انصافی کی بنا پر الزام تراشی چھوڑ کیوں نہیں دیتے اور انہیں اپنے اعمال کی ذمہ داری کیوں قبول کرنے نہیں دیتے؟

لوگو! ہم کوئی قدیم روما کی باتیں نہیں کر رہے ہیں۔ میرا دادا، خانہ جنگی کے صرف تین سال بعد پیدا ہوا تھا۔

جی ہاں، میرا دادا، میرا تایا خانہ جنگی کے بعد پیدا ہوا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ میرے خاندان میں شادیاں تاخیر سے ہوتی رہیں اور بچے اس سے بھی زیادہ تاخیر سے پیدا ہوئے لیکن یہ سچائی تو اپنی جگہ موجود ہے کہ غلامی کے زمانے سے دو ہی نسلوں کے فاصلے پر ہوں اور میرے دوست، یہ ''بہت پہلے'' کی بات نہیں۔ انسانی تاریخ کے وسیع و عریض زمانے میں ۱۹۹۳ء میں جس روز لاس اینجلز میں فسادات شروع ہوئے اور جب تشدد کی لہر بیورلی ہلز اور ہالی وڈ کے قریب گوروں کے جوار میں پھیل گئی تو ان میں فوری طور پر اپنی بقا کی فکر لاحق ہو گئی۔ لاس اینجلز کے بالائی حصے میں آباد ہزاروں لوگ بھاگ گئے۔ ہزاروں لوگ اپنی جگہ بیٹھے رہے، انہوں نے اپنی بندوقیں نکال لیں۔ کچھ ایسا لگا جیسے نسلی روز محشر جس کا بہت سے لوگوں کو اندیشہ تھا، بالآخر ہم پر آ ہی گیا۔

میں نیویارک راک فلیر سٹر کے وارنر برارز میں کام کر رہا تھا۔ ساری عمارت میں یہ بات پھیلا دی گئی کہ یہاں سے نکل کر ایک بجے سہ پہر تک ہر ایک کو اپنے اپنے گھر پہنچ جانا چاہئے۔ اس امر کا اندیشہ تھا کہ نیو یارک کے کالے بھی ''فساد کے بخار'' میں مبتلا ہو کر آپے سے باہر ہو جائیں گے۔ ایک بجے میں سڑک پر نکل آیا۔ پھر جو کچھ میں نے دیکھا اور مجھے یقین ہے (یہ امید بھی کہ) کہ دوبارہ نہ دیکھوں، سینکڑوں ہزاروں گورے چار دیواریاں پھاند کر بھاگے جا رہے تھے تاکہ شہر سے باہر نکلنے کے لیے پہلی کمیوٹر ٹرین پکڑ لیں یا بس میں سوار ہو جائیں۔ یہ ''دی ڈے آف دی لوکسٹ'' نامی فلم کا کوئی منظر دکھائی دیتا تھا، جس میں انسان باجماعت خوف میں مبتلا، جانوں کی سلامتی کے لیے فرد واحد کی طرح حرکت کر رہے ہیں۔

آدھے گھنٹے کے اندر سڑکیں سنسان ہو گئیں۔ بالکل خالی۔ بھیانک، رونگٹے

کھڑے کر دینے والی کیفیت۔ نیویارک کا شہر دوپہر کے وقت ہفتے کے وسط میں ایسا لگتا تھا جیسے اتوار کی صبح ابھی پانچ بجے ہوں۔ مجھے اس کے سوااور کسی بات کی پرواہ نہیں تھی کہ میرے قلم کی سیاہی خشک ہو چکی تھی۔ میں اپنے اپارٹمنٹ کے آگے سڑک کی دوسری طرف ایک اسٹیشنری کے سٹور کے آتے رک گیا۔ دوپہر کو چند میں سے ایک وہی دکان تھی جو ابھی کھلی تھی (بیشتر نے دکانیں بند کر کے کھڑکی کے شٹر گرادیئے تھے) میں نے دو قلم خرید لئے اور کچھ کاغذ بھی اور ادائیگی کے لیے کاؤنٹر پر پہنچا۔ کیش رجسٹر کے آگے سٹور کا بوڑھا مالک کھڑا تھا۔ اس کے سامنے کاؤنٹر پر بیس بال کا ایک بلا رکھا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا، یہ بلا کس لئے ہے؟ ''محض اس صورت میں کہ'' اس نے جواب دیا، اس کی نگاہیں باہر لگی ہوئی تھیں کہ دیکھیں ادھر سڑک پر کیا ہو رہا ہے۔

''محض اس صورت میں کیا؟'' میں نے سوال کیا۔

''دیکھئے نا۔ اگر وہ یہاں بلوہ کرنے آجائیں۔

اس نے لاس اینجلز کے بلوائیوں کا کوئی ذکر نہیں کیا اور جو ہوائی جہاز میں کود کر سوار ہو رہے تھے اور اپنے مولوٹوف (تیزابی بم) بگ ایبل کے چاروں طرف اچھالنے کے لیے۔ وہ سارے لوگ جو گھر واپسی کے لیے آخری ٹرین پکڑنے کے لیے بھاگے جا رہے تھے تا کہ گوروں کی مضافاتی بستیوں میں جلد پہنچ جائیں، انہی کی طرح بوڑھے کے دماغ میں بھی یہ حقیقت موجود تھی کہ ہمارا نسلی مسئلہ صحیح معنوں میں کبھی بھی حل نہیں ہوا اور اس ملک کے کالوں اور گوروں کی زندگیوں میں جو ناقابل فہم تفریق پائی جاتی ہے، اس کے باعث کالوں کے ذہنوں میں خاصا غم وغصہ بھرا ہوا ہے۔ کاؤنٹر پر رکھا ہوا وہ بلا ایک بنیادی خوف کی بھرپور ترجمانی کر رہا تھا، جو زبان سے ادا نہیں ہوگا لیکن تمام گوروں کے اندر موجود ہے کہ جلد یا بدتر کالے اٹھ کھڑے ہوں گے اور اپنا بدلہ چکائیں گے۔

اچھا، تو پھر سنو۔ اس دن کے رونما ہونے کا انتظار کیوں کرو۔ کیا تم جاننا چاہتے ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟ اس سے پہلے کہ تم جان بچا کر بھاگو اور پیچھے تمہارا گھر جل رہا ہو، کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ معاملہ طے کر لو۔ مجھے علم ہے، میں تو کروں گا۔ چنانچہ میں نے اپنی سلامتی کے لیے کچھ آسان سے ٹوٹکے یکجا کئے ہیں، اس سے تم گدھوں کو جان کی سلامتی میں کچھ مدد ملے گی۔ تم جانتے ہو اور مجھے بھی یہ معلوم ہے کہ جلد یا بدیر لاکھوں کروڑوں روڈنی

کنگ تمہارے دروازے پر دستک دے رہے ہوں گے اوراس مرتبہ مار کھانے والے تنہا وہ نہیں ہوں گے۔

اگر اپنے نسلی مسئلے کو درست کرنے کے لیے ہم کسی سنجیدہ کوشش پر آمادہ نہیں ہوئے تو امکان یہ ہے کہ ہمارے مقدر میں حصار بند ہو کر رہنا ہوگا، سب کے مقدر میں لوہے کے گیٹ ہوں گے۔ ہم اس طرح بند ہوں گے، خودکار اسلحہ کے ساتھ اور پرائیویٹ سکیورٹی فورس کی پناہ میں، بھلا اس سے کیا حاصل؟

سفید فام امریکیوں کی سلامتی کے لیے کچھ ٹوٹکے

(۱) صرف کالوں کو کام پر لو

میں نے گوروں کو کام پر لینا بند کر دیا ہے۔ مجھے ذاتی طور پر ان سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ وہ بھروسہ کے لوگ ہیں اور محنتی بھی ہیں۔ جن لوگوں کو میں نے اپنی فلم اور ٹی وی شو کے لیے ملازم رکھا، وہ زبردست لوگ ہیں، لیکن وہ گورے ہیں جبکہ میں نے خود اپنے گھر میں مسئلہ کو درست کرنے کے لیے بہت کم کام کیا یا کچھ نہیں کیا تو پھر اس باب میں اور کیا لکھ سکتا ہوں اور وہی کچھ جو میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ اس کاروبار کے لیے افریقی امریکیوں کو ڈھونڈ نکالنا کتنا مشکل ہوتا ہے؟ میں کیا بتاؤں اس بارے میں، میں سینکڑوں تاویلیں پیش کر سکتا ہوں اور وہ سب بالکل درست ہوں گی۔ تو پھر کیا ہوگا؟ تو کیا یہ بہت مشکل ہے؟ تو میں اپنی ذمہ داری سے بچ جاتا ہوں؟ یہ تو میں خود ہی اپنا راستہ روک رہا ہوں۔

گوروں کو کام پر آجانے کے بعد، جبکہ اس شعبے میں یہ ان کا پہلا موقع تھا، میں نے انہیں اس قابل بنا دیا کہ جائیں اور پولیٹکلی ان کرکٹ (Politically Incorrect) دھرم اور گریگ (Dharama & Greg) اور ڈیوڈ لیٹر مین کے شو (The daily Show With John Stewart) میں دوسرے کھیلوں میں اپنے جوہر دکھائیں۔ ہمارے عملے کے درجن بھر لوگوں نے تو خود اپنے طور پر فلمیں بنانی شروع کر دی ہیں۔ ایک تو کامیڈی سنٹرل میں عہدیدار ہو گیا اور چند دوسروں نے نٹ ورکس کے لیے شو تیار کئے ہیں۔ ہمارے چند ایڈیٹروں نے ایچ آر او (HRO) پر کام کیا ہے اور چند دوسروں نے لی (Lee) کی فلموں پر مثلاً کراؤچنگ ٹائیگر (Cerouching Tiger) اور ہڈن ڈریگن (Hidden Dragon) پر کام کیا ہے۔

ان سب میں خوش ہوں، لیکن جو بات میرے ذہن کو مضطرب رکھتی ہے وہ یہ کہ اتنے برسوں کے اندر کیا یہی کچھ میں نے سینکڑوں دیگر کالے مصنفوں، ایڈیٹروں، فیلڈ پروڈیوسروں اور فلمی فوٹوگرافروں کے لیے بھی کیا؟ آج وہ کہاں ہوتے؟ میرا خیال ہے کہ وہ سینکڑوں شوز میں اور مغرب میں اپنی صلاحیتیں استعمال کر رہے ہوتے اور ان کی آوازیں بھی سنی جاتیں اور ہم سب کے لیے یہ بہت اچھا ہوتا۔

اس بارے میں، میں جس قدر سوچتا ہوں، میرا خیال ہے، گورے ملازم خاصے پریشان کن ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس وقت بھی آفس میں میرے ساتھ ایک گورا ایگل سی ڈی لگائے سن رہا ہے۔اس آدمی کو تو جانا ہی ہوگا۔ یہ لوگ خاصے کاہل بھی ہو سکتے ہیں۔ خاص طور پر وہ جن کی پرورش نازونعم میں ہوئی اور جنہوں نے تعلیم ذرا اچھے سکولوں میں پائی یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے میرے قالینوں پر جگہ جگہ کچرا پھیلا رکھا ہے، اس پر بڑے بڑے گھناؤنے دھبے ڈال رکھے ہیں اور ہمارے فرنیچر پر خراشیں ڈالی ہیں۔ ثروت مندی کے نسلی احساس ان کے کانوں میں یہ الفاظ پھونک رہے ہیں کہ ''کوئی اور شخص (کوئی کالا) تمہارے بعد یہ نام سنبھال لے گا۔ ایک اور ملازم ذرا پہلے اندا آیا۔ اس نے کہا کہ میں جمعہ کی چھٹی چاہتا ہوں کیونکہ مجھے ہیپٹنز جانا ہے۔'' ''ضرور'' کیوں نہیں اب جو تم اس کام سے لگے ہو، تو ساری زندگی کیوں آرام نہیں کرتے؟

تو پھر یوں ہے کہ ان سب کو جانا ہی ہوگا۔ اب سے آئندہ گورے یہاں کام نہیں کریں گے۔

میرا خیال ہے کہ اس معاملے پر کوئی سرکاری ایجنسی مجھ سے ملاقات کے لیے آئے گی کیونکہ ایک پوری نسل کے لوگوں کو ملازمت سے انکار کر دینا میرے لیے قانونی طور پر ممنوع ہے لیکن مجھے پرواہ نہیں، چھوڑو اس معاملے کو اور بہتر ہو گا کہ ملازمت کے لیے میرے یہاں کسی گورے کو نہ بھیجو، ورنہ یہی ہوگا کہ وہ میرے لیے بازار سے برگر لایا کرے گا اور میرا ٹائلٹ رگڑ کر صاف کر رہا ہوگا۔

اب اگر آپ ایک افریقی امریکن ہیں اور آپ میڈیا میں کام کرنا چاہیں گے یا پہلے سے یہاں کام کر رہے ہیں اور لغتی استقبالیہ کی ڈیسک سے آگے نہیں جا سکے تو میں آپ کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے یہ کہوں گا کہ ایک سطر کی درخواست اور اپنے کوائف لکھ بھیجو۔

استقبالیہ پر بیٹھا ہوا میرا اکیلا گورا بخوشی تمہارے ہر سوال کا جواب دے گا۔

۲۔ اگر تمہارا کوئی کاروبار ہے، تم لوگوں کو ان کی گزر اوقات کی حد تک اجرت دیتے ہو، ان کو ڈے کیئر (Day Care) رفاہی خدمت فراہم کرتے ہو اور تم نے یقینی طور پر اپنے ملازموں کی صحت کا بیمہ کرا رکھا ہے۔

اپنی سلامتی کا یہ ٹوٹکہ تم میں سے ان لوگوں کے لیے ہے جو تمہیں قدامت پسند سمجھتے ہیں اور سرمایہ داری پر یقین کامل رکھتے ہیں اگر قدرت پسند ہونے کے معنی یہ ہیں کہ آپ کی حیثیت اول درجے کی ہو، تو میرے پاس ایک نہایت آزاد اور سادہ سی ترکیب موجود ہے جس سے آپ کو زیادہ منافع ملے گا۔ پہلے سے زیادہ کام کرنے والے ملازم ہوں گے اور لیبر کا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔

صرف ہمارے سیاہ فام شہری نہایت غیر متناسب انداز سے نادار ترین شہری ہیں لیکن ان کی انتہائی سخت کوشش کے بغیر گوروں کا معاشرہ مفلوج ہو کر رہ جائے گا۔ تم چاہو گے کہ وہ اور بھی زیادہ محنت کریں، تم چاہو گے کہ وہ تمہارے لئے زیادہ دولت کمائیں۔

تو پھر میں بتاتا ہوں کہ تمہیں آئندہ کیا کرنا ہوگا۔ تم اپنے ملازموں کو یقیناً اتنی اجرت دو کہ اپنے مکان کے مالک بنیں، ان کے پاس آمدورفت کے لیے قابل اعتبار سواری ہو، انہیں تعطیلات گزارنے کے مواقع حاصل ہوں اور اپنے بچوں کو کالج بھیج سکیں۔

لوگوں کو زیادہ اجرت دینے سے تمہاری آمدنی زیادہ کیسے ہوگی؟

وہ اس طرح ہے۔ مزدوروں کو جتنی زیادہ اجرت دو گے، وہ اسی قدر زیادہ خرچ کریں گے۔ وہ محض تمہارے مزدور نہیں، وہ صارفین بھی ہیں۔ وہ اپنی زیادہ آمدنی کو تمہاری مصنوعات کی خریداری پر جس قدر زیادہ خرچ کریں گے، تمہارا منافع بڑھتا جائے گا۔ مزید یہ کہ جب ملازموں کے پاس کافی رقم ہوگی، تو وہ دیوالیے پن کے مسلسل خوف میں مبتلا نہیں رہیں گے اور اپنے کام پر زیادہ توجہ دیں گے اور یوں پیداوار زیادہ ہوگی۔ جب ان کے ذاتی مسائل کم ہوں گے، ان پر زیادہ دباؤ نہیں ہوگا، تو کام کے دوران میں ان کا وقت ضائع نہیں ہوگا، جس کا مطلب ہے تمہارے لئے زیادہ منافع ہوگا۔ ان کو اتنی اجرت دو کہ پرانی ماڈل کی ایک کار رکھ سکیں (یعنی کار جو چلتی بھی ہو) یوں وہ کام پر شاذو نادر ہی دیر سے پہنچیں گے اور یہ جانتے ہوئے کہ وہ اپنے بچوں کو بہتر زندگی مہیا کر سکیں گے، ان میں زیادہ

مثبت رویہ پیدا ہوگا اورانہیں یہ ترغیب دیں گے کہ کمپنی کی بہتری کے لیے کچھ کریں۔ کمپنی جتنا بہتر سلوک کرے گی، جواب میں وہ بھی اسی قدر بہتر سلوک کریں گے۔

اور ہاں، اگر تم بھی انہی بیشتر کارپوریشنوں کی طرح ہو، جو آج کل زبردست منافع کا اعلان کرنے کے بعد مزدوروں کو برطرف کر رہے ہیں، تو پھر تم رہی سہی مزدور برادری کے بھروسے اور اعتماد کو نقصان پہنچاتے ہوئے، اس کے ردعمل کا ہدف بنوگے، اس وقت تمہارے ملازم اپنے فرائض خوف کی حالت میں انجام دے رہے ہوں گے۔ اس سے تمہاری بکری پر زد پڑے گی۔ تمہیں نقصان ہوگا۔ فائر اسٹون میں لوگوں سے پوچھو۔ فورڈ نے کہا کہ ٹائر کمپنی نے یونین کے بڑے پرانے ملازمین کو نکال دیا ہے، پھر ان کی جگہ غیر تربیت یافتہ لوگ رکھ لئے ہیں نتیجہ یہ کہ ہزاروں ناقص ٹائر تیار ہو گئے اور۲۰۳ گاہک جان سے گئے، فائر اسٹون اب غلاظت کے ڈھیر میں ہے۔

مزدوروں کے لئے کام کی جگہوں میں ڈے کیئر سنٹر کھولو، جہاں دو سے پانچ سال تک کے بچوں کو رکھا جا سکے، تمہارا ردعمل اب میں پہلے ہی سننے لگا ہوں ''یہ نہیں ہوسکتا کہ میں چھوکروں کے ایک گروہ کو یہاں مٹرگشت کرنے دوں۔ یہ کاروبار کی جگہ ہے، یہ میں جانتا ہوں۔ یہ ذرا ذرا سے لڑکے تو صرف توجہ بھٹکا سکتے ہیں خاص طور پر اس وقت جب تم جرمن ''نہیک سے کوئی بڑا سودا چکانے والے ہو، اور لاٹویا (Latoya) کے یہاں تیزی آجائے اور وہ کشمیر (Kashmeer) کو بھی بال سے کھینچ کر اپنے ساتھ گھسیٹ لے، کھلونوں کی طرح لیکن یہاں اس سے زیادہ توجہ بھٹکانے والی ایک اور قابل غور بات ہے۔ اگر تمہارے ملازم تمام وقت اپنے بچوں کے لیے فکر مند رہیں گے تو ان میں اتنی پیداواری صلاحیت نہیں رہے گی، جتنی ہونی چاہئے۔ والدین اپنے کام سے پہلے ہمیشہ اپنے بچوں کی فکر کریں گے۔ یہ عین انسانی فطرت ہے ان کو کوئی مدد میسر نہیں جب کسی شخص کو یہ ضرورت محسوس ہو کہ اپنا کام بیچ میں چھوڑ کر بے بی سسٹر (آیا کے یہاں سے اپنے بیمار بچوں کو اٹھانے کے لیے جائے اور پانچ بجنے میں ایک سیکنڈ کی بھی تاخیر گوارانہ ہو کہ ڈے کیئر سنٹر تاخیر سے بچے لے جانے پر جرمانہ لگا دیتا ہے۔ تو اس کے پاس اس کے سوا چارہ نہیں رہتا کہ کام کو درمیان میں ہی چھوڑ دے۔

ذرا سوچو کہ اگر تمہارے کارکن کام کے دوران میں اپنے بچوں کے لیے فکر مند نہ

ہوں۔ اس کے بجائے ان کی توجہ صد فیصد اپنے کام پر ہو اور وہ تمہارے لئے دولت کما رہا ہوں اور بے بی سسٹر کے تھک جانے کے باعث انہیں ایک دن کام سے ناغہ نہیں کرنا پڑے بلکہ وہ تمام دن تمہارے لیے دولت کمانے میں لگے ہوں تو؟

کام کی جگہ پر ڈے کیئر سنٹر بنانے میں کچھ زیادہ خرچ نہیں ہوتا۔ اگر کارکنوں کے لیے اس کا نتیجہ بچوں کے لیے فکر مندی سے نجات ہو تو بیشتر والدین تمہارے ساتھ اس کی لاگت میں حصہ بٹانے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ ذرا سوچو کہ تمہارے کارکن کتنے مطمئن اور آسودہ ہوں گے، جب انہیں یہ علم ہوگا کہ ان کے بچے عافیت سے ہیں اور قریب ہی ہیں۔ بھلے آدمی وہ تو جان توڑ محنت کریں گے، اس کا حاصل زیادہ منافع کمائے ،تمہارے لئے۔

ہر کارکن کی اچھی صحت کا بیمہ کراؤ اور علالت کی چھٹیاں دو یا تنخواہ دو۔

کیا مجھے اس کی بھی وضاحت کرنی پڑے گی؟ ہر سال ایسے کارکنوں کے باعث کتنی کارکردگی ضائع ہو جاتی ہے، جو بیماری کی حالت میں کام پر آ جاتے ہیں کیونکہ ان کے پاس ڈاکٹر کے یہاں جانے کے لیے رقم نہیں ہوتی یا اس وقت تک ٹالتے رہے ہیں جب تک بیماری سے ڈھیر نہ ہو جائیں۔ ان کے پاس کوئی متبادل راہ نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ بیماریوں کے جراثیم بھی اپنے ساتھ لاتے ہیں اور راہ میں جو بھی مل جائے، اپنے جراثیم اس کو بھی پہنچا دیتے ہیں لہٰذا یہ امر زیادہ نفع بخش ہے کہ اپنے کارکنوں کی صحت کا بیمہ کراؤ تا کہ وہ جلد صحت یاب ہو کر تمہارے لئے چلنے پھرنے اور تیزی سے مشقت کرنے لگیں۔ صحت مند مزدور ایک توانا پیداواری طاقت ہوتے ہیں۔ بیمہ صحت کرانے کے لیے صرف ایک سہ پہر کی چھٹی درکار ہوتی ہے تا کہ ڈاکٹر سے مل لیں، تیزی کے ساتھ طبی معائنہ ہو جائے اور نسخہ مل جائے اور دو دن کے بعد کام پر واپس آ جائیں، بجائے اس کے کہ گھر پر ہفتے دو ہفتے چھینکتے رہیں اور انتظار کریں کہ صحت کب بحال ہوتی ہے۔

خوش آئندہ اطلاع یہ ہے کہ اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے، وہ آپ ہی کے مفاد میں ہے۔ اس میں دل کا خون نہیں ہوتا صرف فراخدلی سے رقم نکالنی ہوتی ہے۔ تم جس قدر بھی سخت گیر اور حریص بننا چاہو، بنو۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں، ہاں ، اگر اس سے مراد یہ ہو کہ وہ افریقن امریکن جو ذرا سی اجرت پر سخت مشقت کرتے ہیں، جنہیں کوئی فائدے حاصل نہیں اور جن کا کوئی تحفظ نہیں، ان لاکھوں افراد میں سے تھوڑے سے لوگوں کی زندگی میں

بہتری آجائے گی تو اس بات سے میں یقیناً خوش ہوں گا۔

(۳) پستول مت خریدو

گھر میں پستول رکھنے سے کیا حاصل؟ اگر شکار کرنے کا شوق ہے، تو معمولی بات ہے۔ اپنی رائفل یا شاٹ گن سے گولیاں نکال دو اور گھر کے مال خانے میں رکھ کر تالا ڈال دو اور اسے نہ نکالو جب تک شکار کا موسم نہ آجائے۔ دوسری طرف اگر تم ذاتی حفاظت کے لیے پستول کو خریدنا چاہتے ہو، تو میں تمہارے لئے چند اعداد و شمار پیش کروں گا۔ اگر آپ کے گھر میں بندوق ہے، تو بندوق نہ ہونے سے بائیس گنا زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ آپ ہی کے کنبے کا کوئی فرد اس سے ہلاک ہو جائے گا۔ یہ خیال کہ گھر میں یقینی، ''حفاظت'' کا ایک ہی طریقہ بندوق ہے۔ محض خواب و خیال ہے تشدد آمیز چار جرائم میں سے، کسی ایک جرم کا شکار گھر ہی میں موجود کوئی فرد ہوتا ہے، جب مالک گھر کے اندر ہو اور گھر میں گھس آنے والا گولیاں چلائے، تو بمشکل دو فیصد صورت میں ایسا ہوتا ہے کہ مالک دراندازی کرنے والے پر گولیاں چلائے۔ باقی ۹۸ فیصد حالات میں یہ ہوتا ہے کہ افراد خانہ حادثے کے طور پر کسی اپنے ہی پیارے پر گولی چلادیں یا اپنے آپ کو مارلیں یا ڈکیٹ بندوق چھین کر انہی گھر والوں کو ہلاک کر دے۔

امریکہ میں جو لوگ بندوق خریدتے ہیں اور گھروں میں رکھتے ہیں اور جن لوگوں نے معاشرے میں بندوق کو متعارف کرایا ہے، ان میں بھاری اکثریت سفید فام لوگوں کی ہے۔ ہمارے گھروں میں بندوقوں کی تعداد ڈھائی لاکھ ہوگئی ہے۔ ہر سال تقریباً پانچ لاکھ بندوقیں چوری ہو جاتی ہیں، انہیں چرانے والے بھی زیادہ تر مضافات میں آباد گورے ہوتے ہیں اور ان بندوقوں کی بہت بڑی تعداد اندرون شہر پائی جاتی ہے۔ یہ بہت سستی مل جاتی ہیں اور قانونی یا غیر قانونی کاروبار اور لین دین میں استعمال ہوتی ہیں۔

گوروں کی ان بندوقوں نے افریقی امریکنوں کے درمیان بڑے پیمانے پر عذاب برپا کیا ہوا ہے اوران کی اکثر آبادی کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ نوجوان کالوں میں موت کی پہلی وجہ بندوق کی گولی ہے۔ پندرہ سے بائیس سال کی عمر کے گوروں میں گولی لگنے سے جتنے لوگ ہلاک ہوتے ہیں، اس سے چھ گنا زیادہ ہلاکتیں اس عمر کے کالوں میں

ہوتی ہیں۔

کسی افریقی امریکن کے پاس بندوق ساز کمپنی نہیں ہے۔صرف اپنے شہر کے اندر جہاں افریقی امریکن رہتے ہوں، گھوم جاؤ، کوئی بندوق بنانے والی فیکٹری نہیں ملے گی۔ ان کی قیمتیں بھی کئی سو سے کئی ہزار ڈالر فی اسلحہ ہوتی ہیں چنانچہ بیشتر افریقی امریکن جنگلی بندوقیں مثلاً گلاک، بیرسیا، لیوگر، کولٹ یا اسمتھ اینڈ ویسن کو خریدنے کی سکت نہیں رکھتے۔ کسی کالے کے پاس اپنا طیارہ نہیں ہے، جن میں خود کار اسلحہ بھر کے وہ ناجائز طور پر ملک کے اندر لائے۔ یہ سارا دھندا گورے کرتے ہیں لیکن جلد یا بدیر غیر قانونی طور پر خریدی ہوئی یہ بندوقیں ہزاروں کی تعداد میں ان سر پھرے افراد کے ہاتھوں میں پہنچ جاتی ہیں، جو نہایت نادار ہوتے ہیں اور بہت سے خوف میں مبتلا رہتے ہیں۔ ایسے مشتعل ماحول میں، جسے ہم گوروں نے بہتر بنانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اسلحہ کو رواج دینا نہایت ہلاکت خیز عمل ہوگا۔

لہٰذا اگر آپ گوری نسل کے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ نوجوان کالوں میں شرح اموات کم ہو جائے، تو اس کا ایک حل ہے، بندوق مت خریدیئے۔ اپنے مکان میں یا کار میں بھی بندوق مت رکھیے۔ بندوق کی عدم موجودگی کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ چوری نہیں ہوگی اور کالوں کی بستی میں فروخت ہوگی۔تم جہاں رہتے ہو، قرین امکان یہی ہے کہ وہاں جرائم کی شرح بہت کم ہوگی۔ پھر موج کرو، آرام سے رہو اور زندگی کا لطف اٹھاؤ جس نے تمھیں بہتر مواقع دیئے ہیں اگر تمھیں واقعی اپنی حفاظت کا خیال ہے تو ایک کتا لے لو۔ بدمعاش عارطور پر ایک بھونکتے ہوئے، تیز دانت والے کتے سے الجھنا نہیں چاہتے۔تمھیں بندوق کی ضرورت نہیں ہوگی۔

(۴) کالوں کے لیے اپنی ''خیر خواہی'' کے جذبے سے درگزر کیجیے

واقعی، کالے تو ہمارے اعصاب پر مسلط ہیں، انھیں علم ہے کہ ہم ایسی باتیں کرتے ہیں اور ایسے کام کرتے ہیں، جن سے ظاہر ہو کہ ترقی ہوئی ہے۔ وہ دیکھ رہے ہیں کہ اپنے آپ کو غیر متعصب ظاہر کرنے کے لیے ہمیں کتنی سخت محنت کرنی پڑتی ہے۔

جانے بھی دیجیے۔ ہم نے کوئی ترقی نہیں کی ہے، ہم اب بھی متعصب ہیں اور یہ بات انھیں معلوم ہے۔

اپنے سارے ''کالے دوستوں'' کے بارے میں چھان بین کرو۔ معلوم یہ ہوگا کہ تمہارے کوئی کالے دوست نہیں۔ دوست تو وہ ہوتا ہے، جس کے ساتھ تم رات کا کھانا کھاتے ہو، جس کے ساتھ تم چھٹیاں گزارنے جاتے ہو، جس کو تم اپنے ساتھ بارات میں چلنے کے لیے دعوت دو، جس کے ساتھ تم اتوار کے روز چرچ جاتے ہو، جس کو تم اپنے انتہائی گہرے رازوں میں شریک کرتے ہو، دوست ایسا ہوتا ہے۔

میں نے لبرل (روادار) لوگوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ کالوں میں ''دوست'' نہیں ہوتے۔ میں چاہتا ہوں کہ ''دوستوں'' میں کالے دوست نہ ہوں کیونکہ حقیقی زندگی میں دوستوں کو کالوں میں اس طرح کے دوست نہیں ملتے۔ یہ دیانت داری پر مبنی قابل یقین بات ہوگی لہٰذا اس مفروضے سے درگزر کیجئے کہ اب تمام گورے اور کالے بہت سی تہذیبوں کے اشتراک پر مبنی اس بڑے کمبل میں شامل ہیں، جسے ہم امریکہ کہتے ہیں۔ ہم اپنی دنیا میں رہتے ہیں، وہ اپنی دنیا میں رہتے ہیں اور ہم اسے پسند کریں یا نہ کریں، ہم اس طریقے سے مانوس اور اس کے عادی ہیں اگر ان کی دنیا معاشی اور سماجی اعتبار سے ہماری دنیا کے مساوی ہو تو یہ کچھ برا تو نہ ہوگا۔ اگر ایسا ہو، تو جہاں ہمیں موزوں نظر آئے گا ہم آپس میں گھل مل جائیں گے اور یوں مل بھی لیں گے لیکن برابر کی سطح پر، جس طرح ہم دوسرے گوروں سے ملتے ہیں، مثال کے طور پر مجھے ری پبلکن نوجوانوں سے ملنے کی کچھ ایسی خواہش نہیں، یہ بھی ٹھیک ہے کیونکہ میرے بغیر بھی وہ سب کچھ ٹھیک کر رہے ہیں اور اس بات سے کہ میں ان سے ملنا نہیں چاہتا، ان کے معیار زندگی پر اور حالات زندگی پر کوئی اثر نہیں پڑتا (بلکہ حقیقتاً اس سے بہتری پیدا ہوتی آئی ہے۔)

بہتر ہوگا کہ ہم اس خوش فہمی کے تحت ایک دوسرے کو گلے لگانا چھوڑ دیں کہ افریقی امریکن بالآخر ایک ہی دھارے میں شامل ہیں کیا یہ زیادہ دانشمندی کی بات نہیں ہوگی کہ ہم اس جھوٹی امید کی نقاب الٹ دیں جو ہم نے افریقی امریکنوں پر ڈال رکھی ہے تا کہ ہم ایک دوسرے کو بیوقوف بنانے پر اپنا وقت ضائع نہ کریں۔ آئندہ جب آپ اپنے کسی ''کالے دوست'' سے گفتگو کریں، تو یہ نہ کہیں کہ نئے Jay کے سی ڈی سے آپ کتنے متاثر ہوئے ہیں اس کے بجائے ''دوست'' کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور یہ کہیں کہ ''جانتے تو ہو تم، مجھے تم سے محبت ہے، اس لئے میں تمہیں ایک راز کی بات بتاتا ہوں، جو ہنر ہم گوروں

کے اندر ہے اور ہم جس خوبصورتی سے اسے برتتے ہیں، تم کالے لوگ اسے اتنی اچھی طرح نہیں کر سکتے اور اگر تم سخت کاوش کرنے کا ارادہ رکھتے ہو اور ہمارے اندر جگہ بنانا چاہتے ہو اور ڈائریکٹروں کے بورڈ کی ایک نشست کے خواہشمند ہو جبکہ کالوں کی نشستیں پہلے ہی بھر گئی ہیں، تو میرے دوست معاملہ اگر برابری اور مساوی ترقی کا ہے، تو کوئی اور جگہ دیکھو، سویڈن چلے جاؤ۔''

تم جتنی جلدی اس طرح کی گفتگو کرنی شروع کرو گے، ہمارا معاشرہ اس قدر دیانتدار ہو جائے گا۔

(۵) آئینہ دیکھو

اگر تم سفید فام ہو اور واقعی تبدیلی لانا چاہتے ہو، تو اس کی ابتداء اپنے آپ سے کیوں نہیں کرتے؟ اپنے گورے دوستوں کے ساتھ وقت گزارو، اس بارے میں باتیں کرو کہ اس دنیا کو گوروں اور افریقی امریکنوں کے لیے قدرے بہتر بنانے کی خاطر کیا کیا جا سکتا ہے جو بھی گورا نظر آئے اور نسلی برتری کی احمقانہ بات کرے، تو اسے وہیں ٹھیک کر دو کسی مثبت اقدام کے لیے زیرِ لب گول مول باتیں کرنی چھوڑو۔ کوئی کالا اس ''عہدے'' کو حاصل کرنے کے لیے جس کے آپ ''مستحق'' ہیں۔ آپ کی زندگی کو تباہ کرنے کے درپے نہیں ہوگا۔ آپ کے لیے دروازہ ہمیشہ کھلا رہے گا۔ آپ کا فرض بس اتنا ہی ہے کہ اسے ان لوگوں کے لیے کھلا رکھیں جن کے لیے روزگار کے مواقع کم نہیں، محض اس لئے کہ وہ گورے نہیں ہیں۔

اگر تم گورے ہو اور اوپر بین کردہ مشوروں کو ناقابلِ عمل سمجھتے ہو اور انہیں پسند نہیں کرتے، تو ایک اور یقینی راستہ یہ ہے کہ اس دنیا کو ایسا بنا دو کہ رنگوں کے درمیان تخصیص ممکن نہ رہے، پھر ایک کالے سے شادی کر لو اور بچے پیدا کرو، کالے اور گورے جب ایک دوسرے سے ملاپ کریں گے، تو محض گورے یا کالے پیدا کرنے کے بجائے بالآخر ایک ہی رنگ کی قوم پیدا کریں گے۔ (ہسپانوی اور ایشیائی باشندے بھی اس تجویز پر عمل کر لیں گے) تمہارا ''باپ کون ہے؟'' ہر کوئی؟)

اور جب ہم سب ایک ہی نسل کے لوگ ہوں گے تو ایک دوسرے سے نفرت

کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی جواز باقی نہیں رہے گا، سوائے اس بات کے کہ استقبالیہ میں کس کو روکا جاتا ہے۔

کالوں کے لیے سلامتی کا نسخہ

☆ گاڑی میں اپنے ساتھ ہوا سے پھولنے والی گوری گڑیا نسلی تخصیص کے خیال سے نہ رکھو، اس طرح تمہارے لئے نشانہ بننے کا اندیشہ کم ہوگا (جیسا کہ لوگ ایک گاڑی کے لیے چلنے والی گلی میں کرتے ہیں) اس وقت پولیس والا غالباً تمہیں شوفر سمجھے گا اور تمہیں اکیلا چھوڑ دے گا۔

☆ گاڑی چلاتے ہوئے اپنی طرف کوئی اضافی توجہ حاصل کرنے سے بچو۔ اپنی نظر ڈرائیونگ وہیل پر سیدھی رکھو، سیٹ بیلٹ کس لو، بلکہ ساری نشستوں کی بیلٹ کس لو، خواہ گاڑی میں کوئی دوسرا ہو یا نہ ہو۔ گاڑی میں اگر کوئی اس طرح کا اسٹکر لگا ہو کہ ''اگر تم کالے ہو، تو بھی ہارن بجا کر چلو'' تو ایسے اسٹکر کو اتار ڈالو۔ بمپر سے اسٹکر اتار کر اس کی جگہ ''مجھے ہاکی سے پیار ہے'' والا اسٹکر چپکا دو۔

☆ ایسی کار چلانے یا کرائے پر لینے سے بچو، جس پر نیو ہمپشائر، اٹاہ یا مین کی لائسنس پلیٹ لگی ہو کیونکہ ان ریاستوں میں کوئی کالے نہیں رہتے چنانچہ یہ قیاس کر لیا جائے گا کہ تم چوری کی گاڑی چلا رہے ہو یا منشیات فروش ہو یا تمہارے پاس اسلحہ ہے۔ اس طرح جن ریاستوں میں کالوں کی آبادی بہت زیادہ نہ ہو، ان میں گاڑی چلانے والے کے بارے میں پولیس کے یہی مفروضے ہوں گے، اس لئے بہتر ہے کہ بس میں سفر کرو۔

کالے شاپنگ کرتے ہوئے

☆ اگر تم اس بات سے بچنا چاہتے ہو کہ دکاندار شاپنگ کے دوران اس مفروضے کی بنا پر کہ تم شاپ لفٹنگ کرنے والے ہو یا نقدی صاف کرنا چاہتے ہو، تمام وقت تمہارے پیچھے لگے رہیں، تو اس مسئلہ کا ایک آسان حل ہے۔ کیٹلاگ نکالو اور کمپیوٹر پر لائن کے ذریعے شاپنگ کر لو۔ اس میں خوبصورتی یہ ہے کہ گھر کا آرام چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہوگی اور شاپنگ مال کے آگے پارکنگ کی جگہ

لینے کے لیے انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔

☆ اگر کسی سٹور کے اندر جانا ضروری ہو جائے تو خدا کے لیے اپنا کوٹ باہر ہی چھوڑ دو۔ ایک ایک کر کے ساری جیبوں کی تلاشی لی جائے گی کہ چوری کا مال انہی میں چھپا ہوگا اور بس تمہاری گرفتاری ہوا چاہتی ہے۔ یہ بھی بتانے کی ضرورت نہیں کہ اپنے پرس، شاپنگ بیگ اور تھیلے بھی باہر ہی رہنے دو، بلکہ بہتر ہوگا ننگے ہو کے شاپنگ کرو۔ یقین کرو کہ کبھی کبھی جسم کے پوشیدہ حصوں کی بھی تلاشی لی جائے گی لیکن تمہیں کالے امریکی ہونے کا جو خدا داد استحقاق حاصل ہے، اس کے عوض تو یہ نہایت معمولی قباحت ہے۔ اس استحقاق کی بدولت تم اشیاء کی خریداری سے ۲۷۵ بلین ڈالر اپنی جیب سے خرچ کرتے ہو اور یہ رقم ہر سال گوروں کی معیشت میں شامل ہوتی جاتی ہے۔

(۳) ایک کالے ووٹر کی حیثیت سے

گوروں نے اس یقینی امر کے ذریعے کہ رائے شماری کی ساری دقیانوسی اوراز کار رفتہ مشینیں شہر میں کالی آبادی کے مضافات میں پہنچا دی گئی ہیں اور اس طرح ہمارے انتخابات میں زبردست دھاندلی کی گئی ہے۔ تم رائے شماری کی جگہ کو اس وقت تک ہرگز نہ چھوڑو، جب تک بچشم خود یہ دیکھ نہ لو کہ تمہارے ووٹ پر تمہاری مرضی کا نشان لگ گیا ہے اور ووٹ مقفل بیلٹ باکس میں پہنچ گیا ہے۔ اگر تم ووٹنگ مشین استعمال کر رہے ہو تو پولنگ پر موجود کارکن سے کہو کہ ووٹ پڑ جانے کے بعد مشین کو جانچ لیں تاکہ یہ اطمینان ہو جائے کہ تمہارا ووٹ شمار کیا جا چکا ہے۔

اس اطمینان کی خاطر کہ تمہارے ووٹ کا اندراج ہو چکا ہے، وہ تمام اشیاء ساتھ لاؤ جو تمہارے خیال میں اس موقع کے لیے ضروری ہیں۔ وہ نمبر پنسل، سیاہ مارکر، بنائی والی سوئی (اس اطمینان کی خاطر کہ تم نے بیلٹ پر محض سوراخ نہیں کیا ہے بلکہ ان کے سوراخوں کو واقعی پنچ کیا ہے) نمبر۳۔ ان ون آئل، باقی چھوٹے اوزاروں کا ڈبہ، ایک دوربین شیشہ، مقامی انتخابی ضابطوں کی ایک کاپی، ووٹر کی حیثیت سے آپ کے اندراج کی ایک نقل۔ اپنی پیدائش کی سند کی ایک نقل۔ ایک دوسرے گریڈ کی رپورٹ کارڈ اور دیگر شواہد اس

بات کے کہ آپ زندہ ہیں، ایک کیمرہ کہ اگر کوئی مضحکہ خیز بات ہو تو اسے کیمرے میں محفوظ کر لیں۔ ہمراہ ایک مقامی رپورٹر ہو، جو نفس نفیس اس بات کی گواہی دے کہ جب تم نے کہا کہ تمہاری پولنگ کی جگہ بولیو یا سے جہاز میں لائی گئی تھی تو محض مذاق نہیں کر رہے تھے۔ ساتھ ہی ٹیپ ہو، ڈوری ہو، موم اور برنز ہو، دھبے دور کرنے والا ربڑ ہو، ایک وکیل، ایک پادری اور عدالت عالیہ کا جج ہو، ان سب کو ایک قطار میں لے کر چلو، پھر اس امر کا آدھا امکان ہے کہ تمہارا ووٹ شمار کر لیا جائے گا۔

۲۰۰۲ء کے انتخابات میں کانگرس کے لیے ڈیموکریٹک یا گرین امیدوار کو ووٹ دو۔ اگر صرف پانچ نشستوں پر کامیاب امیدوار پارٹی بدل کر ڈیموکریٹس کے ساتھ مل جاتے ہیں تو ڈیموکریٹس نہ صرف یہ کہ ایوان کو اپنے اختیار میں لے لیں گے بلکہ سنیارٹی کی وجہ سے کانگریس کے انیس(۱۹) کالے ارکان، عورت و مرد، دونوں اپنی اپنی ہاؤس کمیٹیوں اور ذیلی کمیٹیوں کے صدر بن جائیں گے۔ جی ہاں انیس(۱۹)، یہ ایوان نمائندگان پر کالوں کا قبضہ ہوگا، جہاں کہیں گرین پارٹی کے امیدواروں کی کامیابی کا امکان ہوگا یا جن اضلاع میں ڈیموکریٹ کا رویہ ری پبلکن جیسا ہوتا ہے وہاں گرین پارٹی کی ایک خاتون رکن کانگریس ڈیموکریٹس کے ساتھ سمجھوتہ کر کے اکثریت حاصل کر لیں گی۔ اس کے بارے میں گوروں سے زیادہ بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایک ''کالے ایوان'' کے بارے میں سنتے ہی ان پر دہشت چھا جائے گی۔۴۔ اپنے کالے ہونے پر زور کا قہقہہ لگاؤ۔

☆ ''صرف گوروں کے لیے'' ۱۹۵۰ء کے عشرے کی یادگار میں اس عبارت کی تختی لگا لو اور سب کی نظروں سے بچتے ہوئے، انہیں ایسے کاروباری اداروں کے دروازے پر آویزاں کر دو جو کالوں کو ملازم نہیں رکھتے۔

☆ آئندہ جب تم ہوائی سفر کر رہے ہو تو یہی تختی درجہ اول کی سامنے والی نشست پر رکھ دو۔

☆ کسی بڑی لیگ ٹیم کے دفتر میں باہر کی طرف یا این بی اے گیمز کی کسی بیرونی نشست پر یہی تختی رکھ دو۔

☆ امریکہ کی عدالت عالیہ کے سامنے کسی لان میں یہ تختی ٹھونک دو اور جب کلیرنس تھامس اندر داخل ہو تو دونوں بازو پھیلا کر حیرت سے پوچھو ''یہ کیا ہے؟''

زندگی، کالوں کے لیے

بہت جلد آپ اس نقطے پر پہنچ جائیں گے، جہاں یہ باتیں آپ کے لیے مزید ناقابل برداشت ہو جائیں گی۔ یعنی ڈرانے دھمکانے کا طریقہ، امتیازی سلوک، اشتعال، یہ شدید احساس کہ آپ اس قوم کے فرد نہیں، جس کی جڑیں نارواداری میں گہرائی تک پیوست ہیں۔ اس وقت تم محسوس کرو گے، گویا وقت آ گیا ہے کہ لعنت بھیجو ان حالات پر اور کسی ایسی جگہ چلو جہاں تمہیں اقلیت قرار نہ دیا جائے اور وہ جگہ اپنا گھر محسوس ہو۔

۱۹۶۵ء کے فیڈرل رائٹس ایکٹ سے (جو تمہارے لیے پرس میں ساتھ لے کر چلنے کے لیے بہت مناسب ہے۔) (ایک اقتباس)

دفعہ ۲: ''ووٹنگ کی اہلیت یا ووٹنگ کے استحقاق سے پہلے کسی اہلیت کا مطالبہ یا معیار، طریق کار یا معمول کسی بھی ریاست یا سیاسی سب ڈویژن میں امریکی شہریوں پر رنگ و نسل کی تخصیص کی بنیاد پر لاگو نہیں ہوگا۔''

افریقہ؟ ایک بار پھر سوچ لو

اب ذرا سنئے، ایمنسٹی انٹرنیشنل کا بیان افریقہ کے بارے میں، افریقی علاقوں میں، مسلح لڑائیاں، لوگوں کی اجتماعی بے مکانی اور خانہ بربادی، ایذا دہی، بدسلوکی اور کھلی معافی عام ہے۔ صحارا کے ذیلی علاقے میں ۵۲ فیصد آبادی یومیہ ایک ڈالر سے بھی کم پر زندگی گزاری رہی ہے۔ ۱۹۹۸ء میں لوگوں کا اوسط ماہانہ خرچ فی کس ۱۴ ڈالر ہے۔ یہ زندگی تو ڈیٹرائٹ میں رہنے سے بھی بدتر ہے۔

اس علاقے میں اوسط عمر زیادہ سے زیادہ ۵۷ سال ہے، یعنی اس صورت میں کہ تم گھانا میں قیام کرو اور اگر تم موزمبیق میں پھنس گئے تو تم ۳۷ سال چھ ماہ کے بڑھاپے تک زندہ رہو گے۔

اب اس میں بظاہر کبھی نہ ختم ہونے والی خشک سالی، قحط اور ایڈز کی بھاری شرح اموات اور یہ ہلاکت، اس وقت کہیں زیادہ احسان معلوم ہوگی اگر کچھ پرانی ننگی تصویروں کو ڈھونڈ نکالو (اوزن بیچ، شام ڈیلے اور دیگر تصویریں)۔

جب سے میں نے اس باب کو لکھنا شروع کیا، تب ہی سے متعدد افریقی

امریکیوں میں سے ایک شخص ایمی میکم بل کی خدمات حاصل کر لی ہیں (ایسے پانچ افراد جن کی خدمات میں نے خریدیں، وہ سب کالے تھے، سنو یہ کتاب تمھیں مزاحیہ کتابوں کے حصے سے ملے گی، یہ میں مذاق نہیں کر رہا ہوں) حقائق ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ جو لوگ اپنی ''کالی جڑوں'' تک جانا چاہتے ہیں، ان کے لیے ایک ہی طریقہ وہاں پہنچنے کا ہے، وہ ہے کاربین۔ وہ کہتی ہے، باربیدوس کیسا رہے گا۔ وہ استوائی حصے کی ایک جنت ہے۔ لوگ یہاں کے امن پسند ہیں۔ اوسط متوقع عمر بھی ستر سال ہے۔ یہاں کی آبادی ۸۰ فیصد افریقنوں کی ہے۔ اس طرح ہم خود کو بالکل اپنوں میں محسوس کریں گے اور انگریزی بھی بول لیتے ہیں اور یہ ہے اس کا عجیب حصہ۔ ہم ملکہ ایلزبتھ کو اپنی ریاست کی سربراہ کہتے ہوئے سنیں گے۔ واہ واہ۔

یہ تو اور بھی اچھا ہوگا، اگر ہم ایمی اور دوسروں کو بھی یہاں لاکر زیادہ قریبی تعلق محسوس کریں گے، کہ وہ یہیں پیدا ہوئے تھے، کیا خیال ہے آپ کا......؟

(۵) احمق قوم

کیا آپ کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ آپ ایک احمق قوم کے درمیان رہتے ہیں؟

اس ملک میں حماقت کی جو کیفیت ہے، اس سے یہ قول بار بار دہرا کر میں خود کو تسلی دیتا ہوں، اگر اس ملک میں انتہا درجے کے احمقوں کی تعداد بیس کروڑ ہے تو کم از کم آٹھ کروڑ باقی رہ جاتے ہیں جو میری بات کو پالیں گے پھر بھی یہ تعداد برطانیہ اور آئس لینڈ کی مجموعی تعداد سے زیادہ ہے۔

پھر وہ دن آیا جب میں نے ای ایس پی این کے گیم شوٹو منٹ ڈرل (Two Minute Drill) کے ساتھ شراکت کا آغاز کیا۔ اس شو سے آپ کی علمیہ استعداد کا امتحان ہوتا ہے۔ یہی نہیں کہ کون، کس حیثیت میں، کس ٹیم کے لیے کھیلتا ہے بلکہ اس بات کا امتحان بھی کہ ۱۹۲۵ء میں بوسٹن اور نیویارک کے درمیان مقابلے میں کس نے کہاں اور کس کو شکست دی۔ امریکن باسکٹ بال ایسوسی ایشن کی پرانی ٹیم میں ۱۹۶۵ء میں کون نیا فرد شامل ہوا تھا اور ۱۲ مئی ۱۹۶۷ء کی صبح کو جیک وڈ نے ناشتے میں کیا کھایا تھا۔

مجھے ان میں سے کسی سوال کا جواب معلوم نہیں تھا لیکن میں نے کسی وجہ سے

جیک وڈ کا یونیفارم نمبر ۲ یاد رکھا تھا۔ لیکن یہ بے مصرف بات مجھے کیوں یاد رہ گئی تھی؟ یہ مجھے نہیں معلوم، لیکن ای ایس پی این شو میں شرکت کے درجنوں امیدواروں کو جو وہاں ابتدائی امتحان کے منتظر تھے، مجھے ذہانت کا اور امریکی ذہن کا کسی قدر اندازہ ہو گیا۔ وہ مسخرے اور غبی ریوڑ کی طرح برآمدے میں کھڑے، اپنی زندگی کی عظیم ساعت کا انتظار کر رہے تھے اور ہزاروں واقعات اور اعداد و شمار کو اپنے ذہن میں تازہ کر رہے تھے اور سوال کر کے ایک دوسرے سے مقابلہ کر رہے تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ خدائے بزرگ و برتر کے سوا ان سوالوں کے جواب کون دے سکے گا؟ مردانہ ہارمونز سے لدے ہوئے ان ڈھور ڈنگروں کو دیکھ کر کوئی بھی شخص کہہ سکتا تھا کہ وہ بڑے جاہل ہیں اور کسی شیشی پر لیبل بھی پڑھ سکیں تو ان کی خوش نصیبی ہوگی۔

دراصل یہ سب انتہائی ذہین لوگ ہیں۔ یہ سارے مبہم اور لایعنی سوالوں کے جواب ۱۲۰ سیکنڈ سے بھی کم وقت میں دے سکتے ہیں، یعنی ایک سوال کا جواب چار سیکنڈ میں۔ اس میں وہ وقت بھی شامل ہے، جو کسی مشہور عالم کھلاڑی کو اپنے سوالات آہستہ آہستہ پڑھنے میں لگتا تھا۔

میں نے ایک بار ماہر لسانیات اور سیاسی امور کے مصنف نوم چومسکی کو یہ کہتے سنا تھا کہ اگر تم کو اس امر کا ثبوت چاہئے کہ امریکی احمق نہیں ہیں، تو ریڈیو پر کوئی ٹاک شو (سوال و جواب) سن لو کہ معلومات کو کس طرح ناقابل یقین طریقے سے ذہنوں میں محفوظ کر لیا جاتا ہے۔ یہ حیران کن ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ امریکی ذہن زندہ ہے اور خیریت سے ہے۔ دراصل یہ ذہن کسی دلچسپ اور ولولہ خیز آزمائش سے دو چار نہیں ہوتا۔ چومسکی نے کہا دراصل ہمارا چیلنج کوئی ایسا طریقہ دریافت کرنا ہے، جو سیاست کو بھی کھیلوں کی طرح پرکشش اور ولولہ خیز بنا دے اور جب یہ وقت آتا ہے تو دیکھو اس وقت امریکی کچھ نہیں کہتا، سوائے اس کے کہ ڈبلیو ٹی او (WTO) کے حروف پڑھنے سیکھنا ہوں گے۔

چار کروڑ چالیس لاکھ امریکی وہ ہیں جو چوتھے درجے سے اوپر کی سطح تک نہ پڑھ سکتے ہیں، نہ لکھ سکتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر وہ عملاً ان پڑھ ہیں۔

یہ اعداد و شمار میں نے کہاں سے حاصل کئے ہیں۔ جی، میں نے پڑھا ہے اور اب تم نے پڑھا ہے اور اب تم نے پڑھا ہے چنانچہ مطالعہ سے ہی یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ

ایک اوسط بالغ امریکی ایک سال میں کتاب کے مطالعہ پر ۹۹ گھنٹے صرف کرتا ہے۔ اس کے مقابلے میں وہ ٹی وی دیکھنے پر ۱۴۶۰ء گھنٹے گزارتا ہے۔

میں نے یہ بھی پڑھا ہے کہ صرف ۱۱ فیصد امریکی شہری اخبار پڑھتے ہیں اور تفریحی کالموں اور پرانی گاڑیوں کے اشتہارات کے سوا اخبار میں کچھ اور بھی پڑھتے ہیں۔

لہٰذا اگر آپ ایک ایسے ملک میں رہتے ہوں جہاں چار کروڑ چالیس لاکھ افراد ان پڑھ ہوں اور غالباً دو کروڑ کے لگ بھگ پڑھ تو سکتے ہوں لیکن عموماً پڑھتے نہ ہوں تو میرے دوستو، ہم ایک نہایت لرزہ خیز ملک میں رہتے ہیں۔ ہم ایک ایسی قوم ہیں جو نہ صرف یہ کہ ان پڑھ طلباء تیار کرتی ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر لاعلم اور احمق بنے رہنے پر اصرار کرتی ہے۔ دنیا کا کاروبار اس قوم کو نہیں چلانا چاہئے کم از کم اس وقت تک نہیں جب تک اس کے باشندوں کی اکثریت نقشے میں یہ نہ بتا سکے کہ کوسوو کہاں ہے (یا کوئی اور ملک جہاں اس نے بمباری کی ہو۔)

غیر ملکیوں کے لیے یہ بات بالکل حیران کن نہیں کہ امریکی جو اپنے احمق ہونے پر بہت اتراتے ہیں۔ ایک ایسے صدر کو ''منتخب'' کریں گے جو شاذ و نادر ہی کچھ پڑھتا ہے بلکہ اپنی بریفنگ کے کاغذات بھی نہیں پڑھتا اور یہ سوچتا ہے کہ افریقہ براعظم نہیں ہے، ایک قوم ہے۔ ایک گھامڑ قوم کا، گھامڑ صدر۔ اس شاندار سرزمین پر جہاں ہر شے کی فروانی ہے، اگر حقائق اور اعداد و شمار سے، ناقدانہ غور و فکر سے اور کسی معاملے کی تفہیم سے، اس میں سپورٹس شامل نہیں، ذہن کے کسی گوشے کو زیر بار کرنا پڑ جائے تو کم بھی بہت زیادہ ہے۔

ہمارا احمقوں کا سربراہ، اپنے جہل کی پردہ پوشی کے لیے کچھ نہیں کرتا بلکہ اس کا بڑے فخر سے اظہار کرتا ہے۔ ۲۰۰۱ء کے ییل کلاس (Yale Class 2001) میں جارج بش نے افتتاحی خطبہ دیتے ہوئے بڑے فخر سے کہا تھا کہ وہ ییل میں ایک معمولی درجے کے طالب علم تھے ''اور سی'' کلاس کے طلبہ سے میں کہوں گا کہ تم بھی امریکہ کے صدر بن سکتے ہو'' تاہم ایک مقام پر تمہیں یہ ضرورت ہو گی کہ تمہارا باپ صدر اور بھائی ایک ریاست کا گورنر ہو، گمشدہ انتخابی پرچیوں کا مالک اور ایک سپریم کورٹ ہو، جس میں تمہارے باپ کے لنگوٹئے یار بیٹھے ہوں لیکن ایک مختصر تقریر میں اتنی باتوں کو شامل کرنا بہت پیچیدگی پیدا کرتا ہے۔

ایک امریکی کی حیثیت سے، ہماری یہ ایک فخریہ روایت ہے کہ ہمیشہ لاعلم سربراہ ہماری نمائندگی کرتے رہے ہیں۔ ۱۹۵۶ء میں جب صدر ڈوائٹ ڈی آئزن ہاور نے سیلون (اب سری لنکا ہے) کی سفارت کے لیے اپنے آدمی کو نامزد کیا تو سینٹ میں جب اس عہدے پر باقاعدہ تقرری کا موقع آیا، تو وہ نہ یہ بتا سکا کہ سیلون کا وزیراعظم کون ہے اور اس کے دارالحکومت کا نام کیا ہے۔ پھر بھی، یہ کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ مکسول گلک کے تقرر کی توثیق ہوگی۔ ۱۹۸۱ء میں جب صدر رونالڈ ریگن نے ڈپٹی سیکرٹری آف سٹیٹ کے عہدے کے لیے ولیم کلارک کو نامزد کیا تو اس کی توثیق کے موقع پر کلارک نے خارجہ امور کے متعلق اپنی بے حد وحساب لاعلمی کا اعتراف کیا۔ امریکہ نے مغربی یورپ میں جو ایٹمی میزائل نصب کر رکھے ہیں اور اس کے متعلق ان ملکوں کے احساسات کیا ہیں، کلارک کو ان کا کوئی ادراک نہیں تھا، اسے تو جنوبی افریقہ یا زمبابوے کے وزرائے اعظم کے نام بھی معلوم نہ تھے لیکن اس سے کیا ہوتا تھا۔ اس کی تقرری کی توثیق ہوگئی۔ انہی باتوں سے بے بی بش کے آگے بڑھنے کا راستہ صاف ہوگیا، جس نے ہندوستان یا پاکستان کے رہنماؤں کے نام ذہن نشین کر لئے۔ سات ملکوں میں سے یہ دو ملک ہیں، جن کے پاس ایٹم بم ہیں اور پھر بش کو ییل اور ہارورڈ بھیجا گیا۔

حال ہی میں ۵۵۶ سرکردہ طلبہ کے ایک گروپ کا جو ۵۵ باوقار امریکی یونیورسٹیوں سے تھے (یعنی ہارورڈ ییل، اسٹان فورڈ) اس طرح امتحان لیا گیا کہ انہیں ''ہائی سکول کی سطح'' کے سوالات دیئے گئے اور انتخاب کا کئی گنا موقع دیا گیا کہ اپنی پسند کے سوالات کے جواب دیں۔ کل ۳۴ سوالات پوچھے گئے تھے، ان سرکردہ طلبہ سے وہ محض ۵۳ فیصد صحیح جواب دے سکے۔ صرف ایک طالبعلم تھا، جس نے سارے سوالات کے صحیح جواب دیئے۔

سخت حیرت ہے کہ چالیس فیصد طلبہ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ سول وار (امریکہ میں خانہ جنگی) کب شروع ہوئی تھی جبکہ صحیح تاریخ بتانے کے لیے ان کے سامنے وسیع انتخاب موجود تھا۔ (الف) ۱۷۵۰ء تا ۱۸۰۰(ب) ۱۸۰۰ء تا ۱۸۵۰ء(س) ۱۸۵۰ء تا ۱۹۰۰ء (ج)۱۹۰۰ء تا ۱۹۵۰ء یا (د)۱۹۵۰ء کے بعد (لڑکو! اس کا جواب ''س'' ہے) وہ دو سوال جس کے کالج کے طلبہ نے سب سے زیادہ جواب دیئے یہ تھے۔ (ا) اسنوپی ڈاگی

ڈاگ کون ہے؟ (۹۸ فیصد نے اس ایک سوال کے صحیح جواب دیئے) (۲) بیویز(Beavis)اور بٹ ہیڈ (Butt Head) کون ہیں؟ (۹۹ فیصد کو معلوم تھا)۔ مجھ سے پوچھو، تو بیویز اور بٹ ہیڈ، انیسویں صدی کے بہترین امریکی طنز نگاروں کی نمائندگی کرتے تھے اور اسنوپی اوراس کے دوستوں نے امریکہ کی سماجی خرابیوں کو بخوبی بیان کیا، اس کے لیے میں ایم ٹی وی کو الزام نہیں دوں گا۔

مجھے تو اس بات کی تشویش ہے کہ سینیٹر جولیبرمین (Senator Joe Lieberman) جن کا تعلق کنکٹی کٹ سے ہے اور وسکنسن کے ہر برٹ کوہل (Herbert Kohl) اور ان جیسے سیاستدان ایم ٹی وی کے پیچھے کیوں پڑ گئے، جبکہ امریکہ میں نظام تعلیم کی زبردست ناکامی کے ذمہ داری وہی لوگ ہیں۔ کسی بھی پبلک سکول میں چلے جاؤ اورقرین امکان یہی ہے کہ طلباء کی بھرمار ہوگی، کلاس روم کے باہر ابلے پڑ رہے ہوں گے، چھتیں ٹپک رہی ہوں گی اور اساتذہ دل شکستہ نظر آئیں گے۔ چار میں سے ایک سکول میں آپ طلبہ کو ان نصابی کتب سو''سیکھتے'' ہوئے پائیں گے، جو ۱۹۸۰ء کے عشرے میں یا اس سے بھی پہلے شائع ہوئی تھیں۔

ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ سیاسی رہنماؤں نے اور انہیں ووٹ دینے والی عوام نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ بچوں کو تعلیم دینے سے بہتر ہے کہ ایک بمبار تیار کر لیا جائے۔ یہ لوگ جیک ایس(Jack Ass) جیسے ٹیلیویژن شو کی متبدل پیشکش پر سماعتیں شروع کریں گے لیکن ہمارے سکولوں اور کالجوں میں خود ان کے پیدا کردہ استدلال کو نظر انداز کر دیں گے، کیونکہ ان کے دعوے کے مطابق کرۂ ارض پر ہمارا ملک بہترین ہے۔

مجھے یہ سطور لکھتے ہوئے برا لگتا ہے، میں اس بھاری بھرکم امریکہ سے محبت کرتا ہوں اور اس کے دیوانے لوگوں سے بھی لیکن جب میں اوسط امریکہ کے کسی دیہات میں جاتا ہوں، جیسا کہ سن ۸۰ء کی دہائی میں ایک بار کیا تھا اور بارہ بارہ برس کے بچوں سے ورلڈ بینک کے متعلق ان کے اندیشوں کا احوال سنتا ہوں تو مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ متحدہ ریاست ہائے امریکہ میں ضرور کوئی کمی ہے۔

ہمارا مسئلہ محض یہ نہیں کہ ہمارے بچے کچھ نہیں جانتے بلکہ وہ بالغ افراد جو انہیں پڑھاتے ہیں، وہ بھی کچھ بہتر نہیں۔ میں یہ سوچ کر حیران ہوتا ہوں کہ اگر ہم امریکی

کانگریس کا امتحان لیں کہ ہمارے نمائندے کتنا جانتے ہیں، تو اس وقت کیا ہوگا؟ ہمارے مبصر جو ریڈیو اور ٹی وی پر رٹے ہوئے فقرے فرفر کر کے بولتے جاتے ہیں، اگر ان کو متفرق اور مشکل سوالوں کے جواب دینے کو کہا جائے، تو اس وقت کیا ہوگا؟ ان میں سے کتنے درست ثابت ہوں گے؟

ابھی کچھ دنوں پہلے میں نے یہ معلوم کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ اتوار کی صبح تھی جب ٹی وی پر ایک طرف پریڈ آف ہومز (Parade of Homes) کا پروگرام تھا۔ اس کے مقابل میک لالن گروپ (The Mclaughlin Group) کا شو تھا اور ان دو میں سے ایک کا انتخاب کرنا تھا تو اتوار کی اس صبح کو مجھے مجبوراً کالم نگار فریڈ بارسنن کو(جواب دائیں بازو کے مجلّے ویکلی سٹینڈرڈ کے ایڈیٹر اور فاکس نیوز کے شو بیلٹ سے بوائز The) (Boltway Boys کے معاون میزبان ہیں) سننا پڑا۔ میں اجتماعی دعا کے لیے چرچ نہیں گیا تھا غالبًا یہ اس کی سزا تھی۔ میں امریکہ میں تعلیم کی صورتحال پر اساتذہ پر اور ان کی مفسدانہ یونینوں پر جن کی بدولت طلبہ اس برے حال تک پہنچے ہیں، کڑھتا اور برا بھلا کہتا رہا۔

''ان بچوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ایلیڈ (The Iliad)اور اوڈیسی The) (Odyssey کیا ہیں'' اس نے گرجدار آواز میں کہا، پینل پر بیٹھے ہوئے ارکان نے فریڈ کے اس شریفانہ تاسف کو سراہتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

دوسری صبح میں نے فریڈ بارنسن کو اس کے واشنگٹن آفس میں فون کیا۔ میں نے کہا، ''فریڈ، ذرا مجھے بتاؤ ایلیڈ اور اوڈیسی کیا ہیں؟''

وہ ''ہوں، ہاں'' کرنے لگا۔ اچھا ہاں، وہ اور وہ یونو...... اوکے، ٹھیک ہے، آپ میرا مفہوم سمجھ گئے ہوں گے، بس مجھے نہیں معلوم یہ کیا ہے۔ اب تو آپ خوش ہیں؟

جی نہیں، بالکل نہیں۔تم امریکہ میں ٹی وی کے چند سر کردہ ماہروں میں سے ایک ہو، خود اپنے شو میں اور بہت سے دوسرے شو میں بھی ہر ہفتے نمودار ہوتے ہو۔تم سینکڑوں اور ہزاروں خوش عقیدہ شہریوں کو اپنی ''دانش'' نہایت خوشی سے فروخت کرتے ہو اور لاعلم لوگوں کی بڑی مسرت کے ساتھ تضحیک کرتے ہو۔ اس کے باوجود تم اور تمہارے مہمان خود بہت کم علم ہیں یا سرے سے کچھ نہیں جانتے۔ ذرا بڑے بنو، کچھ کتابیں لو اور اپنے کمرے

میں بیٹھ جاؤ۔

ییل اور ہارورڈ، پرنسٹن اور ڈارٹ ساؤتھ، اسٹینفورڈ اور برکلے، ان یونیورسٹیوں میں سے کسی ایک سے ڈگری لو اور پھر اپنی زندگی کا آغاز کرو۔ پھر کیا ہوا، اگر میں نے ذرا پہلے کالج کے طلبہ کے امتحان کے بارے میں لکھا تھا کہ ان اعلیٰ درجے کے سکولوں میں ۷۰ فیصد طلبہ نے ووٹنگ رائٹس ایکٹ یا صدر لنڈن جانسن کی عظیم سماجی تحریک (Great Society Initiatives) کا نام بھی نہیں سنا تھا اور کسی کو اس طرح کی باتیں جاننے کی ضرورت بھی کیا ہے، جب تم ٹسکن میں اپنے شاندار مکان میں بیٹھے غروب آفتاب کا منظر دیکھ رہے ہوتے ہو اور یہ حساب کرتے ہو کہ آج منافع کتنا ہوا؟

پھر کیا ہوا اگر ان سرکردہ یونیورسٹیوں میں کسی ایک نے بھی یہ اہتمام نہیں کیا کہ لاعلم طلبہ کو امریکن تاریخ میں گریجوایشن پر آمادہ کریں؟ اور پھر جب آپ ہی کل اس کائنات کے آقا بننے والے ہیں تو پھر تاریخ کی ضرورت بھی کیا ہے؟

اور پھر اس بات کی بھی کسے پرواہ ہے اگر امریکی کالجوں سے گریجوایشن کرنے والے ۷۰ فیصد طلبہ کو کوئی ایک غیر ملکی زبان سیکھنے کا پابند نہیں کیا جاتا۔ کیا باقی ساری دنیا انگریزی ہی بولتی ہے اور اگر ایسا نہیں تو انہی غیر ملکیوں نے کیا اسی پروگرام کو بہتر طور پر پیش نہیں کیا؟ اور ۷۰ بڑی امریکی یونیورسٹیوں میں ہونے والے انگریزی ادب کے ستر پروگراموں میں سے صرف ۲۳ میں اعلیٰ نصاب کے اندر شیکسپیئر پڑھایا جاتا ہے۔ کیا کوئی مجھے بتائے گا کہ شیکسپیئر اور انگریزی کا ایک دوسرے سے کیا واسطہ ہے؟ اس کاروباری دنیا میں ان پرانے کھیلوں کا کیا فائدہ؟ بہر حال ممکن ہے یہ میرا حاسدانہ رویہ ہو، کیونکہ میرے پاس کالج کی ڈگری نہیں، جی ہاں میں میکائیل مور کالج کا بھگوڑا ہوں۔ جی ہاں، مجھے سرکاری طور پر کہیں کالج کا ڈراپ آؤٹ تسلیم نہیں کیا گیا۔ ہوا یہ کہ میں جن دنوں کالج کے دوسرے سال میں تھا، فلنٹ میں اپنے کیمپس کی پارکنگ میں اور آس پاس کی دوسری جگہوں پر بھی گاڑی کھڑی کرنے کی جگہ تلاش کرتا اور برابر گردش کرتا رہا۔ وہاں گاڑی کھڑی کرنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ ساری جگہیں بھری ہوئی تھیں اور کوئی نکل بھی نہیں رہا تھا۔ میں اپنی شیورلٹ امپالا ۶۹ ماڈل میں گھنٹے بھر تک مایوسی کے عالم میں گھومتا رہا۔ آخر کھڑکی سے سر نکال کر پکار کر بولا، لو پھر میں ڈراپ آؤٹ کر رہا ہوں۔ میں اپنی گاڑی میں گھر آ گیا اور والدین سے کہہ

دیا کہ اب میں کالج میں نہیں ہوں۔ انہوں نے سوال کیا کیوں؟ میں نے جواب دیا، مجھے وہاں گاڑی کھڑی کرنے کی جگہ نہیں ملی اور پھر یونہی ساری زندگی گھومتا رہا، کبھی سکول کے ڈیسک پر بیٹھنے کا موقع نہ ملا۔

تاریخ کے یادگار دن

۱۹ جون ۱۸۶۵ء حالانکہ اعلان آزادی کے تحت غلاموں کو دو سال پہلے ہی آزاد کر دیا گیا تھا لیکن جنوب میں ہر ایک کو اس کی خبر نہیں ملی تھی، اس روز گالوسٹن، ٹیکساس میں یونین کا ایک جنرل آیا اور غلاموں کو خبر دی کہ اب وہ آزاد ہیں۔

۲۹ دسمبر ۱۸۹۰ء

وَنڈڈنی(Wounded Knee) میں قتل عام۔ امریکی دستوں کو باقی ماندہ انڈین باغیوں کی بغاوت کو دبانے کے لیے اور سوکس انڈین قبیلے کے سردار بگ فوٹ کی گرفتاری کے لیے بھیجا گیا۔ قبیلے کے افراد پکڑے گئے، ان سے ہتھیار رکھوا لئے گئے اور امریکی فوجی دستوں کے محاصرے میں ایک کیمپ کے اندر محصور کر دیا گیا۔ ۲۹ دسمبر کو انڈین کیمپ پر سپاہیوں نے فائرنگ کر دی، جس میں تین سو نہتے سوکس، جن میں بگ فوٹ بھی شامل تھا، ہلاک کر دیئے گئے۔ مقامی امریکنوں کے خلاف نسل کشی کی مہم میں چار سو سال کے اندر یہ آخری لڑائی تھی۔

۱۸ مئی ۱۸۹۶ء پلیسی بمقابلہ فرگوسن

امریکہ کی سپریم کورٹ نے فیصلہ کیا کہ ریل کاروں میں کالوں کے لیے کمتر درجہ کی نشستوں سے چودھویں ترمیم کی خلاف ورزی نہیں ہوتی، جس میں مساوی تحفظ کی دفعہ شامل ہے۔ اس فیصلے نے ''الگ لیکن مساوی'' پر مبنی پالیسیوں کی راہ ہموار کر دی، جس کا نتیجہ جم کراؤ لاز (Gim Crow Laws) کی صورت میں نکلا۔

۱۴ اپریل ۱۹۱۴ء

لڈلو میں قتل عام، کولریڈو کے کانکنوں نے جو برسوں سے یونین سازی کی کوشش کر رہے تھے، ہڑتال کر دی۔ انہیں کمپنی کے دیئے ہوئے مکانوں سے دھکے دے کر نکال دیا

گیا۔پھر ہڑتالیوں اوران کے خاندان کے افراد نے سرکاری زمینوں پر خیمہ بستیاں بسا لیں۔۱۴ اپریل کو کولوریڈا کی ملیشیا کے جوانوں نے اور ہڑتال توڑنے والے دوسرے افراد نے کیمپ پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی اور ان کے خیموں کو آگ لگا دی، جس میں بیس افراد جن میں بیشتر عورتیں اور بچے تھے، ہلاک ہو گئے۔

۲۲ مارچ ۱۹۴۷ء

صدر فروسین نے ۹۸۳۵ نمبر کا حکم صادر کیا تا کہ حکومت میں غیر وفادار افراد کے داخلے کو روکا جائے، اس سے خوف اور دہشت و بدگمانی کے ایک نئے دور کا آغاز ہو گیا اور ساٹھ لاکھ مبینہ کمیونسٹوں کے بارے میں چھان بین ہوئی اوران میں سے پانچ سو افراد کو ان کی ''قابل اعتراض وفاداری'' کی بنا پر ملازمتوں سے نکال دیا گیا۔

یکم دسمبر ۱۹۵۵ء

ایک کاریگر عورت اورشہری حقوق کے ایک مقامی کارکن نے الباما، روز اپارکس میں ایک گورے مسافر کے لیے بس میں اپنی نشست خالی کرنے سے انکار کر دیا۔ اس خاموش عمل سے منٹگمری بس کا بائیکاٹ شروع ہو گیا اور یہ سلسلہ ۳۸۱ دنوں تک چلتا رہا، جس میں مارٹن لوتھر کنگ کی حیثیت تحریک کے سربراہ کے طور پر تسلیم کی جانے لگی، یہ بائیکاٹ اس وقت ختم ہوا جب سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ دیا کہ نسلی امتیاز کے قوانین کا اطلاق پبلک ٹرانسپورٹ پر نہیں ہوتا اور اس طرح کا امتیاز غیر قانونی ہے۔

۳۰ نومبر ۱۹۷۵ء

سقوط سائیگان، امریکہ کی زمینی افواج اگرچہ سرکاری طور پر ویتنام سے دو سال پہلے ہی نکل آئی تھیں لیکن یہ دن اس وحشیانہ جنگ کے خاتمے کی نمائندگی کرتا ہے۔کئی ہفتے تک انتشار کی کیفیت باقی رہی کہ کمیونسٹ فوجیں قبضہ کرنے والی ہیں بالآخر اس صورتحال کا خاتمہ اس طرح ہوا کہ بھگدڑ کی حالت میں امریکہ کے محافظ ہیلی کاپٹروں نے امریکی سفارتخانے کی چھتوں سے پرواز کی اور اس میں تھوڑے سے پناہ گزینوں کو جنہیں ساتھ لے جا سکتے تھے اپنے ساتھ لے آئے۔

سکول سے میری ناپسندیدگی ابتداء اس وقت ہوگئی، جب میں پہلی گریڈ میں تھا اور ابھی دوسرا مہینہ گزرا تھا۔ میرے والدین نے اور اس خدمت کے عوض خدا ہمیشہ ان پر اپنی برکات نازل کرے، اسی وقت مجھے لکھنا پڑھنا سکھا دیا تھا، جب میں ابھی چار سال کا تھا چنانچہ جب میں سینٹ جان ایلیمنٹری سکول میں داخل ہوا تو مجھے وہاں بیٹھ کر یہ ظاہر کرنا پڑا کہ میں پڑھنے میں دلچسپی لے رہا ہوں، جبکہ اس وقت دوسرے بچے روبوٹ کی طرح ''اے بی سی ڈی ای ایف جی'' گا رہے ہوتے تھے، جبکہ میں اے بی سی جاننے لگا ہوں، بتاؤ'' تم میرے بارے میں کیا جانتے ہو'' یہ فقرہ میں جب بھی سنتا، میرا جی چاہتا کہ چیخ پڑوں اور کہوں، تو پھر سنو میں تمہارے بارے میں کیا سوچتا ہوں۔ یہ خرافات گانا چھوڑ و کوئی مجھے ''ٹوئنکل'' لا دے۔

میں حد سے زیادہ بور ہو چکا تھا۔ نز کی یہ خوبی تھی کہ انہوں نے اس کیفیت کو بھانپ لیا۔ ایک سسٹر جان کیتھرین مجھے ایک طرف لے گئیں اور کہا کہ انہوں نے مجھے فوری طور پر ترقی دے کر دوسرے گریڈ میں بٹھانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ میں خوشی سے جھوم اٹھا۔ گھر پہنچ کر میں نے بڑے جوش سے والدین کو یہ بتایا کہ سکول کے پہلے ہی مہینے میں ترقی کر کے میں دوسرے گریڈ میں پہنچ گیا ہوں۔ میری غیرمعمولی ذہانت کے اس ثبوت سے انہیں بظاہر کوئی خوشی نہیں ہوئی۔ اس کے بجائے وہ بولے ''وہ کیوں'' پھر انہوں نے کچن میں داخل ہو کر دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ میں نے اپنی والدہ کو فون پر مدر سپیریئر سے یہ کہتے سنا کہ یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی کہ ہمارا ننھا میکائیل اپنی عمر سے بڑے لڑکوں کے ساتھ کلاس میں بیٹھے، اس لئے پلیز سسٹر اس کو پہلے گریڈ میں واپس بھیج دیجئے۔

میں بری طرح ٹوٹ پھوٹ گیا۔ میری والدہ نے مجھے یہ کہہ کر سمجھایا کہ اگر میں نے ایک گریڈ چھوڑ کر اوپر پہنچ گیا تو جب تک سکول میں رہوں گا، ہمیشہ اپنی کلاس کا سب سے کم عمر اور سب سے چھوٹا لڑکا شمار ہوں گا، (حالانکہ اپنی کاہلی اور فاسٹ فوڈ کی بدولت ماں کی یہ بات غلط ثابت ہوگئی) والد سے درخواست کرنا لاحاصل تھا کیونکہ تعلیم کے بارے میں بیشتر فیصلے انہوں نے میری والدہ پر چھوڑ دیئے تھے، جس نے ہائی سکول کلاس کے بعد تعلیم کو خدا حافظ کہہ دیا تھا۔ میں نے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ اگر مجھے پہلی کلاس میں واپس بھیج دیا گیا تو یہ معلوم ہوگا کہ پہلے روز میں دھوکے سے دوسرے گریڈ میں پہنچ گیا تھا۔ اس

میں میرے لئے اندیشہ یہ تھا کہ پہلے گریڈ والے، جنہیں میں چھوڑ کر گیا تھا، میرا دماغ درست کر دیں گے اورزور دارنعرہ لگائیں گے ''دیکھا! دھوکے باز تھا نا!'' لیکن ماں پر ان باتوں کا کوئی اثرنہیں ہوا۔ تب مجھ پر انکشاف ہوا کہ وہ ایک مقتدر شخصیت، جنہیں مدر سپرئیر پر برتری حاصل تھی، وہ مدرمور (Mother More) تھیں۔

دوسرے دن میں نے تہیہ کرلیا کہ پہلی گریڈ میں جانے کی بابت اپنے والدین کی ہدایتوں کونظرانداز کرتا رہوں گا۔ صبح کے وقت جب سکول کا گھنٹہ بجتا ہے، اس سے پہلے سارے طلبہ سکول کے باہر قطار میں کھڑے ہو جاتے ہیں، پھر اپنے اپنے ہم جماعتوں کے ساتھ ایک قطار بنا کر عمارت کے اندر داخل ہوتے ہیں، خاموشی کے ساتھ حکم عدولی کرتے ہوئے، میں دوسرے گریڈ والوں کی قطار میں کھڑا ہو گیا اور دعا مانگتا رہا کہ خدا کرے نن اندھی ہو جائیں اورانہیں یہ دکھائی نہ دے کہ میں کہاں کس قطار میں کھڑا ہوں؟ گھنٹہ بجا اور اس وقت تک مجھے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ دوسرے گریڈ کی قطار میں حرکت ہوئی، میں بھی ان کے ساتھ چلنے لگا۔ جی ہاں! میں نے سوچا تھا کہ اگر میں یہاں سے بچ نکلا اوراگر میں دوسرے گریڈ کے کلاس روم میں داخل ہوگیا اوراپنی نشست پر بیٹھ گیا تو وہاں سے کوئی مجھے اٹھانہیں سکے گا۔ ابھی میں سکول کے دروازے میں داخل ہونے ہی والا تھا کہ مجھے یہ لگا جیسے کسی ہاتھ نے مجھے کوٹ کے کالر سے پکڑ کر کھینچا۔ یہ سسٹر جان کیتھرین تھیں۔

انہوں نے سختی سے کہا، میکائیل، میرا خیال ہےتم غلط قطار میں آ گئے ہو۔ اب تم دوبارہ پہلے گریڈ میں ہو۔ میں نے احتجاج کرنا شروع کیا۔ یہ جو میرے والدین نے کیا ہے۔ یہ سب غلط ہے یا وہ واقعی میرے والدین نہیں تھے، یا پھر......

اس کے بعد آئندہ بارہ سال تک میں کلاس روم میں بیٹھتا رہا۔ اپنے کام بھی کرتا رہا اور خود کومصروف رکھا اور برابر دیکھتا رہا کہ ایک موقع ملے اور میں نکل جاؤں۔ جن دنوں میں چوتھے گریڈ میں تھا، میں نے ایک زیرزمین سکول پیپر شروع کیا۔ اسے بند کر دیا گیا چھٹے گریڈ میں پہنچ کر میں نے اسے دوبارہ شروع کیا، اسے پھر بند کر دیا گیا، آٹھویں گریڈ میں جانے کے بعد میں نے نہ صرف یہ کہ وہ اخبار دوبارہ شروع کر دیا بلکہ اپنی مہربان ٹیچرز کو یقین دلایا کہ مجھے اپنی کلاس کے لیے ایک کھیل لکھنے دیں جسے میں کرسمس کے جشن میں پیش کروں گا۔ وہ کھیل کچھ اس طرح کا تھا کہ گرجا ہال میں کتنے چوہوں نے قبضہ جما رکھا ہے

اور کس طرح ملک کے سارے چوہے سینٹ جان پیرس ہال میں اتر کر آ گئے ہیں تا کہ یہاں چوہوں کا سالانہ کنونشن منعقد کریں۔ پادری نے اسے سختی سے روک دیا اور اخبار کو ایک بار پھر بند کر دیا گیا۔ اس کے بجائے مجھے اور میرے دوستوں کو ہدایت دی گئی کہ سٹیج پر جائیں، تین بار کرسمس کیرول (دعائیہ گیت) گائیں اور سٹیج سے نیچے اتر آئیں......منہ سے ایک لفظ نکالے بغیر۔ میں نے آدھی کلاس کے طلبہ کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ سٹیج پر جائیں اور منہ سے ایک لفظ نہ نکالیں چنانچہ ہم سٹیج پر کھڑے رہے اور ہم نے کیرول گانے سے انکار کر دیا۔ یہ سنسر شپ کے خلاف ہمارا خاموش احتجاج تھا۔ دوسرے گانے کے موقع پر حاضرین میں سے چند والدین کی گھورتی ہوئی آنکھوں سے ڈر کر چند احتجاجی گانے میں شامل ہو گئے اور پھر تیسرے گانے کے ساتھ میں نے بھی ہتھیار ڈال دیئے اور ''او ہولی نائٹ (O Holy Night) میں شامل ہو گیا، اپنے دل میں یہ عہد کرتے ہوئے کہ لڑائی، پھر کسی دن سہی۔

ہائی سکول جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں، بزرگوں کی جانب سے بچوں کے خلاف ایذا رسانی ہے، ان پر بیمار نوعیت کی سزا ہے، یہ ان کی انتقامی کارروائی ہے کیونکہ وہ خود ذمہ داریوں سے آزاد نوجوانوں کی طرح لاابالی زندگی کے مزے نہیں لوٹ سکتے۔ وہ چار بے رحمانہ سال، جن کے دوران توہین آمیز تبصرے سننے کو ملتے ہیں، جسمانی سزا ملتی ہے اور یہ یقین ہے کہ صرف تم ہو، جنہیں جنسی تعلق رکھنے کی اجازت نہیں۔ آخر بزرگوں کے اس رویے کا سبب اور کیا ہو سکتا ہے۔

جونہی میں ہائی سکول میں داخل ہوا اور پبلک سکول سسٹم میں آ گیا، سینٹ جوزف کی سسٹرز کی سختیوں کے جواب میں ہماری ساری رنجشیں اور شکائتیں جاتی رہیں۔ اچانک وہ سب مجھے عالم اور فرشتہ سیرت نظر آنے لگیں۔ اب میں ہال میں دو ہزار سے بھی کچھ زائد قلم اٹھائے ہوئے طلبہ کے ہجوم میں شامل ہو گیا تھا، جہاں ننز نے کسی دنیاوی انعام کی خواہش کئے بغیر محض تدریس کے لیے اپنی ساری زندگی تج دی تھی، وہاں اب پبلک ہائی سکول چلانے والوں کا بس ایک ہی سادہ مشن تھا ''ان احمقوں کو اس طرح پکڑو، جیسے کتوں کو پکڑتے ہیں اور اس وقت تک انہیں پنجرے میں رکھو، جب تک ان کی قوت ارادی ختم نہیں ہو جاتی یا انہیں جہاز میں ڈال کر گوند بنانے والے کارخانے میں بھجوا دو'' ہر وقت، یہ کرو، یہ مت کرو۔ قمیض پینٹ کے اندر ٹھونس لو، مسکرانا چھوڑو، اور وہ تمہارا ہال پاس کہاں ہے...... یہ

غلط پاس ہے، سیزا۔''

ایک دن سکول سے واپسی پر میں نے اخبار اٹھالیا۔ شہ سرخی کی عبارت یہ تھی ''۲٦ ویں ترمیم منظور، رائے دہی کے لیے عمر کم کر کے اٹھارہ سال کر دی گئی۔'' اس کے نیچے ایک اور سرخی تھی، ''سکول بورڈ کا صدر ریٹائر ہونے کو ہے۔نشست انتخاب کے لیے خالی ہے۔''

''ہوں تو پھر یوں ہے۔'' میں نے کاؤنٹی کلرک کو فون کیا، ''میں چند ہفتوں کے اندر اٹھارہ سال کا ہونے والا ہوں۔ اگر میں ووٹ دے سکتا ہوں، تو کیا عہدے کے لیے کھڑا بھی ہوسکتا ہوں؟''

خاتون نے جواب دیا ''یہ مجھے دیکھنا پڑے گا...... یہ تو ایک نیا سوال کھڑا ہو گیا۔''

وہ کچھ دیر کاغذات کو الٹتی پلٹتی رہی، پھر ٹیلیفون پر واپس آ کر بولی ''جی ہاں، آپ انتخاب میں کھڑے ہو سکتے ہیں، آپ کو بس یہ کرنا ہو گا کہ بیلٹ پر جہاں آپ کا نام ہو، وہاں بیس افراد کے دستخط ہوں گے۔''

''بیس دستخط'' تو یہ ہے بات؟ مجھے بالکل یہ خیال نہیں آیا تھا کہ انتخابی عہدے کے لیے اتنا معمولی کام کرنا ہوگا۔ میں نے بیس دستخط حاصل کر لئے، درخواست جمع کر دی اور اپنے حق میں مہم شروع کر دی، میرا مطالبہ کیا تھا......؟

''ہائی سکول کے پرنسپل اور اسسٹنٹ پرنسپل کو نکالو۔''

اس خیال سے خوفزدہ ہو کر ہائی سکول کا ایک طالبعلم قانونی اختیار حاصل کرنے کے بعد، واقعی انہی ناظمین کو برطرف کر دے گا، جنہوں نے اس کی نگہداشت کی تھی، پانچ مقامی بالغ مردوں نے درخواستیں نکال لیں اور بیلٹ میں انہیں بھی شامل کر دیا۔

پھر ان کا خاتمہ اس طور ہوا کہ بالغ ووٹ آپس میں بٹ گئے، یہ پانچ طریقوں سے ہوا اور میں جیت گیا۔ اٹھارہ سے پچیس سال کے اندر ہر انفرادی ووٹ میرے حصے میں آئے (وہ ممکن ہے پھر کبھی ووٹ نہ دیں لیکن یہ سوچ کر خوشی ہو رہی تھی کہ اپنے ہائی سکول کے وارڈن صاحبان کو ایک بار پھر پھانسی پر لٹکا دیں گے۔''

جس روز میں ووٹ لے کر کامیاب ہوا، میں سکول کے ہال میں تمکنت سے گھوم رہا تھا (طالبعلم کے طور پر ابھی مجھے ایک ہفتہ اور رہنا تھا) میں اسسٹنٹ پرنسپل کے قریب سے گزرا۔ اپنی قمیض کے دامن کو میں نے بڑے فخر سے باہر نکال لیا تھا ''صبح بخیر مسٹر مور''

اس نے ترش لہجے میں کہا۔ ایک ہی دن پہلے میرا نام ''اے،تم'' تھا۔ آج میں اس کا باس تھا۔

جب میں نے سکول بورڈ میں اپنی نشست سنبھالی۔ اس کے نومہینوں کے اندر پرنسپل اور اسسٹنٹ پرنسپل نے اپنے ''استعفےٰ'' تحریری طور پر داخل کر دیئے۔ یہ ایسے شخص کے لیے آبرو بچانے کا ایک حلیہ ہوتا ہے جب اس سے ''کہا'' جانے والا ہو کہ اب کرسی چھوڑ دو۔ دو سال بعد پرنسپل پر دل کا دورہ پڑا اور وہ مر گیا۔

میں اس شخص کو، جو پرنسپل تھا، کئی سال سے جانتا تھا۔ میں جب آٹھ سال کا تھا تو وہ مجھے اور میرے دوستوں کو، اپنے مکان سے ملحق چھوٹے سے تالاب پر اسکیٹنگ کرنے اور ہاکی کھیلنے دیتا تھا۔ وہ مہربان اور فراخدل تھا اور ہمیشہ اپنے گھر کا دروازہ کھلا رکھتا تھا تاکہ ممکن ہے ہم میں سے کوئی اسکیٹنگ بدلنا چاہے یا سردی لگ رہی ہو اور ہم اپنے آپ کو گرم رکھنا چاہیں۔ کئی سال بعد مجھ سے کہا گیا کہ میں بینڈ میں، جسے ابھی مرتب کیا جا رہا تھا باس بجاؤں لیکن باس تو میرے پاس نہیں تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کا باس عاریتاً لے کر مجھے دے دیا۔ میں یہ گزارش اس لئے کر رہا ہوں کہ اپنے آپ سے یہ اقرار کروں کہ دراصل سبھی لوگ دل سے اچھے ہوتے ہوں اور خود کو یاد دلاؤں کہ وہ شخص جس کے ساتھ میرا شدید اختلاف تھا، وہ بھی وہی تھا، جس نے ہمسائے کے سردی سے ٹھٹھرتے ہوئے بچوں کو گرم چاکلیٹ کی پیالی پینے کو دی تھی۔

ٹیچر ان دنوں سیاستدانوں کے پسندیدہ ہدف ہوتے ہیں۔ چسٹفق، بڑے والے بش کی حکومت میں سابق اسسٹنٹ سیکرٹری تھے۔ ان کی گفتگو تو سوچو گے کہ ہمارے معاشرے میں ساری تباہیوں کا سبب کاہل، کام چور اور نااہل ٹیچر ہیں۔ ''اگر تمہیں دس ایسے انتہائی مطلوب افراد کی فہرست درکار ہو، جو امریکی نظام تعلیم کو قتل کر رہے ہیں، تو مجھے نہیں معلوم کہ اساتذہ کی یونین کی فہرست میں سب سے اوپر کون ہوگا، یا ایجوکیشن سکول کے اساتذہ میں سے کون ہوگا'' مسٹر فن نے کہا تھا ٹھیک ہے، بہت سے ٹیچر ہیں جو اس نظام کو محض چوس رہے ہیں ایسوں کو تو کہیں حاضری لگانے کے کام پر ہونا چاہئے، لیکن ایک بہت بڑی اکثریت نہایت مخلص معلموں کی ہے، جنہوں نے ایک ایسے پیشے کا انتخاب کیا ہے، جنہیں اس سے بھی کم معاوضہ ملتا ہے، جتنا ان کے طلبہ اخبار بیچ کر کما لیتے ہیں بلکہ اس سے

بھی کم اور اس قربانی کے عوض ہم انہیں سزا دینا چاہتے ہیں۔ میں تمہارے بارے میں نہیں جانتا لیکن میں ایسے لوگ چاہتا ہوں جنہیں میرے بچے کی براہ راست توجہ اس سے زیادہ وقت تک حاصل ہوتی ہے، جتنی دیر محبت اور لگن سے ہم خود ان پر توجہ کرتے ہیں۔ وہ میرے بچے ہیں، وہ اس دنیا کے لیے ''تیاری'' کر رہے ہیں، تو میں ان سے بے جھجی کیوں برتوں؟ آپ سوچتے ہوں گے کہ معاشرے کا رویہ کچھ اس طرح ہونا چاہئے۔

ٹیچر صاحبان، آپ نے اپنی زندگی میرے بچے کے لیے تج دی، اس کا شکریہ۔ بتایئے میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں۔ کیا آپ کو کچھ چاہئے؟ کس طرح کی مدد آپ کو چاہئے؟ میں یہاں آپ ہی کے لیے موجود ہوں، کیوں بھلا؟ کیونکہ آپ میرے بچے کی مدد کر رہے ہیں، میرے بچے کی تا کہ وہ سیکھے اور بڑا ہو، آپ نہ صرف یہ کہ بڑی حد تک اس امر کے ذمہ دار ہوں گے کہ میری بیٹی روزی کمانے کے قابل ہے بلکہ آپ کی شخصیت اس پر یوں اثر انداز ہوگی کہ وہ دنیا کو کس نظر سے دیکھے گی۔ دنیا والوں کو کس طرح سمجھے گی اور اپنے بارے میں اس کے محسوسات کیا ہوں گے۔ میں اس میں یہ اعتماد دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کسی بھی کام کے لیے کوشش کر سکے گی، کوئی بھی دروازہ اس کے لیے بند نہیں ہوگا، کوئی خواب اس سے دور نہیں ہوگا۔ میں سات گھنٹے یومیہ کے لیے اپنی زندگی کی سب سے وقیع چیز تمہارے سپرد کر رہاں، لہٰذا تم میری زندگی میں سب سے اہم شخصیت ہو، شکریہ۔

لیکن نہیں، اساتذہ، جو کچھ سنتے ہیں وہ یہ ہے:

- ☆ ''ہمیں حیرت ہوتی ہے، ان اساتذہ پر جن کا دعویٰ ہے کہ بچوں کے مفاد کو اولیت دیتے ہیں اور پھر دیکھو کہ اپنی اجرتیں بڑھا کر پورے نظام کو کھوکھلا کر رہے ہیں(نیو یارک پوسٹ دسمبر ۲۶، ۲۰۰۰ء)
- ☆ مجموعی طور پر ۲۶ لاکھ اساتذہ میں، برے اساتذہ کی تعداد ۵ فیصد سے اٹھارہ فیصد تک ہے۔ (میکائیل چیپ مین، انوسٹرز بزنس ڈیلی ۲۱ ستمبر ۱۹۹۸ء)
- ☆ بیشتر تعلیمی پیشہ ور گوشہ نشیں عقیدت گزاروں کی طرح جو تلاش اور تحقیق پر جس کی ضرورت ہے توجہ نہیں کرتے بلکہ عام فلسفیانہ خیالات کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ (گلس کارپنین کا بیان مانٹریال گزٹ مطبوعہ یکم جون ۲۰۰۱ء میں)
- ☆ ٹیچرز یونین سنگین مجرموں کی پشت پناہی کرتی ہیں اور ٹیچر طلبہ سے جنسی تعلق قائم

کرتے ہیں اوران سے بھی جو پڑھانے کے اہل ہی نہیں۔ (پیٹرشیونیرن، نیشنل ریویو ۱۷اگست ۱۹۹۸ء)

امریکہ میں تعلیم کے بارے میں ہماری ترجیحات کیا ہیں؟ اوہ، یہ تو چندے کی فہرست پر ہے۔ گوشت کے معائنہ کاروں سے کم تنخواہ وہ شخص جو ہر روز ہمارے بچوں کی نگہداشت کرتا ہے، اس کو اوسطاً ۴۱ ہزار ۳۵۱ ڈالر سالانہ اوسط تنخواہ ملتی ہے۔ کانگریس کا ایک رکن جس کو محض یہ فکر لاحق رہتی ہے کہ آج تمباکو سگریٹ والوں کا کون سا حمایتی ایسے عشائیہ پر لے جائے گا، سالانہ ایک لاکھ ۴۵ ہزار ایک سو ڈالر پاتا ہے۔

ذرا سوچو، ہمارا معاشرہ روز کے روز ہمارے ٹیچروں کے منہ پر کس طرح تماچے مارتا ہے۔ پھر حیرت کیوں جو بہت کم لوگ اس پیشے کا انتخاب کرتے ہیں؟ معاشرے میں ٹیچروں کی تعداد اتنی قلیل ہے کہ بعض سکولوں کے ادارے امریکہ سے باہر کے ٹیچروں کو بھرتی کر رہے ہیں۔ ابھی حال ہی میں شکاگو نے ۲۸ غیر ممالک سے اساتذہ ملازم رکھے، ان ممالک میں چین، فرانس اور ہنگری شامل ہیں۔ نیویارک سٹی میں جب تک نیا تعلیمی سال شروع ہوگا، سات ہزار پرانے ٹیچرز ریٹائر ہو چکے ہوں گے اور ان کی جگہ جو ٹیچر ملازم رکھے جائیں گے، ان میں سے ۶۰ فیصد غیر سند یافتہ ہوں گے۔

لیکن ایک دھماکے والی خبر میرے پاس ہے۔ ۲۰۰۰ء اور ۲۰۰۱ء کے تعلیمی سال میں نیویارک میں جو سٹی کھولے گئے ہو پرنسپل کے بغیر چل رہے ہیں، ظاہر ہے کہ شہر کے میئر اور سکول بورڈ کے ارکان خلفشار کے نظریے پر تجربہ کر رہے ہیں...... پانچ سو نادار بچوں کو ایک زمین بوس ہوتی ہوئی عمارت میں دھکا دے کر پہنچا دو اور انتظار کرو کہ قدرت کیا راہ اختیار کرتی ہے، ایک ایسے شہر میں جہاں سے دنیا کی بیشتر دولت کنٹرول کی جاتی ہے اور جہاں فی مربع فیٹ میں اتنے کروڑ پتی ہیں کہ چیونگ گم بھی نہیں ہوں گے، اس شہر میں ہمیں اتنی رقم میسر نہیں آتی کہ ایک ٹیچر کی سالانہ ابتدائی تنخواہ ۳۱ ہزار نو سو ڈالر سے زیادہ نہیں دے سکتے اور جب نتائج حاصل نہیں ہوتے تو حیران ہوتے ہیں اور محض ٹیچر نہیں ہیں، جنہیں نظر انداز کیا گیا ہے۔ امریکی سکول واقعتاً ٹوٹتے بکھرتے جا رہے ہیں۔ ۱۹۹۹ء میں امریکی پبلک سکولوں میں سے ایک چوتھائی سکولوں کے بارے میں خبر ملی ہے کہ ان کی عمارتیں بیحد ناکافی ہیں۔ ۱۹۹۷ء میں پورے واشنگٹن ڈی سی کے درسی نظام کو تاخیر سے کام شروع کرنا پڑا

اوراس میں تین ہفتے لگ گئے کیونکہ کم از کم ایک تہائی سکولوں کی عمارتیں غیر محفوظ پائی گئیں۔

امریکہ کے پبلک سکولوں میں سے کم از کم دس فیصد سکولوں میں طلبہ کی تعداد مستقل عمارتوں میں گنجائش سے ۲۵ فیصد زیادہ ہے چنانچہ طلباء کی کلاسیں برآمدوں میں، باہر کھلے آسمان میں جمنازیم اور کیتھیریا میں ہوتی ہیں۔ میں نے ایک کھیل دیکھا جہاں کلاس ایک جناز گاہ کے بغلی کمرے میں ہو رہی تھی گویا جناز گاہ کا وہ کمرہ جسے صفائی کی غرض سے بنایا گیا ہے، وہاں وہ صفائی نہیں ہوتی بہرحال، نیویارک سٹی کے گیارہ سو پبلک سکولوں میں سے پندرہ فیصد میں کل وقتی خدمتگار موجود نہیں چنانچہ ٹیچر مجبوراً اپنا فرش خود صاف کرتے ہیں اورلڑکے ٹوائلٹ پیپر کے بغیر کام چلاتے ہیں، ہم اپنے بچوں کو سڑک پر کینڈی بار بیچنے کے لیے بھیج دیتے ہیں تا کہ ان کے سکولوں کی انتظامیہ بینڈ کے لیے ساز و سامان خرید سکے۔اب کیا رہ جاتا ہے؟ اب آخری بات یہی رہ جاتی ہے کہ بچوں کا ایک گروہ ہو، جو کتابوں کے گرد منڈلا رہا ہو۔

طلبہ کے حقوق

تم نے غالباً ایک امریکی طالبعلم ہوتے ہوئے امریکہ کے آئین اور خود اپنے شہری حقوق کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں سیکھا، لہٰذا یہ اطلاعات پر مبنی ایک ہلکی پھلکی گائیڈ ہے، جو ہم نے امریکن سول لبرٹیز یونین سے حاصل کی ہیں۔طلبہ کے حقوق کے بارے میں مزید جاننے کے لیے جس میں لباس کے آداب، آپ کا تعلیمی ریکارڈ اور جنس کی بنیاد پر تفریق وغیرہ کے نکات شامل ہیں۔ امریکن سول لبرٹیز یونین کے اپنے ریاستی ادارے سے رجوع کیجئے۔اس کی ویب سائٹ یہ ہے www.aclu.org/students/s/free

☆ آئین کی پہلی ترمیم کی رو سے تمہیں آزادی اظہاراور تنظیم سازی کا حق حاصل ہے اور امریکہ کی سپریم کورٹ کے مطابق ان حقوق کا اطلاق تم پر بھی ہوتا ہے۔ تم بیچارے لڑکوں کو کم از کم کچھ عرصے کے لیے۔

☆ سپریم کورٹ نے ۱۹۶۹ء میں ایک مقدمے (ٹینکر بمقابلہ دیس موئز، انڈیپنڈنٹ کمیونٹی سکول ڈسٹرکٹ) میں یہ فیصلہ دیا تھا کہ پہلی ترمیم کا اطلاق پبلک سکولوں

کے طلبہ پر بھی ہوتا ہے۔ نجی سکولوں کو زیادہ اختیار حاصل ہے کہ وہ آزادانہ اظہار خیال کے لیے اپنے ضابطے خود بنائیں کیونکہ وہ حکومت کے دائرہ عمل میں نہیں آتے۔

☆ پبلک سکولوں کے طلبہ اپنی آرام کا اظہار زبانی اور تحریری دونوں طرح کر سکتے ہیں (اشتہاروں کے ذریعے یا بٹن، بازو پرٹی شرٹ پر بنے ہوئے نشان اور علامات کے ذریعے) جب تک کہ وہ عملاً اور نمایاں طور پر کلاس میں تدریس اور سکول کی سرگرمیوں میں رکاوٹ پیدا نہیں کرتے۔

☆ سکول کے عہدیدار غالباً طلبہ کو ''بیہودہ اور ناشائستہ زبان'' کے استعمال سے روک سکتے ہیں لیکن متنازعہ معاملے میں یک طرفہ طور پر پابندی نہیں لگا سکتے۔

☆ اگر تم اور دوسرے طلبہ اپنا اخبار نکالو اور سکول میں تقسیم کرنا چاہو تو انتظامیہ اس اخبار پر سنسر لگانے یا اس کی تقسیم کو روکنے کی مجاز نہیں ہوگی (بشرطیکہ وہ ناشائستہ نہ ہو، یا اس کی تقسیم سے سکول کی سرگرمیوں میں خلل پڑتا ہو)

☆ لیکن انتظامیہ سکول کے سرکاری اخبار میں چھپنے والے مواد کو سنسر کر سکتی ہے (وہ اخبار جو سکول کے سرمائے سے چھاپا جا رہا ہو) ۱۹۸۸ء میں ہیزل وڈ سکول ڈسٹرکٹ بمقابلہ کیلیر کے مقدمے میں امریکی سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ کیا کہ سکول کی انتظامیہ سکول کی سرکاری مطبوعات میں سرگرمیوں پر طلبہ کی تقریر کے حوالے سے سنسر لگا سکتی ہے (ان میں سکول میں ہونے والا کھیل، آرٹ کی نمائش، سالنامہ یا اخبار شامل ہیں) اگر انتظامیہ کے خیال میں طلبہ کوئی ایسی بات کہہ رہے ہیں، جو نامناسب اور نقصان دہ ہے، خواہ وہ بیہودہ نہ ہو اور اس سے سکول کی سرگرمیوں میں رکاوٹ بھی نہ پڑتی ہو۔

☆ بعض ریاستوں کے اندر جن میں کولوریڈا، کیلیفورنیا، آسیوا، کنساس اور میسی چوٹس شامل ہیں ہائی سکول فری ایکسپریشن (آزادی اظہار) کے قوانین موجود ہیں، جن کے تحت طلبہ کو بڑے پیمانے پر تقریر کا حق حاصل ہے۔ اپنے یہاں کی سول لبرٹیز یونین سے معلوم کرو کہ ایسے قوانین کیا تمہارے یہاں بھی ہیں۔

بظاہر ''صدر'' بش کو اس سے اتفاق ہے۔ اپنی پہلی بجٹ تقریر میں انہوں نے یہ

تجویز پیش کی تھی کہ وفاقی بجٹ میں لافربربون پر ہونے والے مصارف میں تین کروڑ ۹۰ لاکھ ڈالر کی کٹوتی کے بعد یہ رقم سولہ کروڑ ۸۰ لاکھ ڈالر رہنے دی جائے یعنی ۱۹ فیصد تخفیف کی جائے۔ اس سے ایک ہی ہفتہ پہلے صدر کی اہلیہ لارا بش نے جو ایک سابق سکول کی لائبریرین کو''قوم کا خزانہ قرار دیا، جو علوم کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے اور یہ دولت سب کو مساوی طور پر میسر ہے۔'' صدر کی ماں باربرا بش خاندان میں خواندگی کی فاؤنڈیشن کی سربراہ ہیں۔ اس سے اچھی کوئی بات نہیں کہ خاندان میں ہی خواندگی کے لیے ایک ذاتی تجربہ میسر آ گیا، جس سے خیراتی کام کے لیے تحریک پیدا ہوگی۔

وہ بچے جنہیں گھروں میں کتابیں پڑھنے کو ملتی ہیں، ان کے لیے کتابوں سے محرومی افسوسناک ہے لیکن ایسے ماحول سے نکل کر آنے والے بچے، جہاں لوگ پڑھتے ہی نہیں اگر لائبریری سے محروم ہوں تو یہ ایک المیہ ہوگا۔ مطالعہ میں جو مسرت اور انبساط کی کیفیت ہوتی ہے، لائبریری سے محرومی اس کیفیت سے انہیں غالباً ہمیشہ کے لیے محروم کر دے گی یا اس طرح کی معلومات فراہم نہ کر سکیں گے، جس سے ان کی آئندہ زندگی کے فیصلے وابستہ ہوں، جوناتھن کوزول کئی عشروں سے محروم اور پسماندہ بچوں کے لیے کام کرتے آئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ سکول لائبریریاں اس صاف کھڑکی کی طرح ہیں، جس سے غیر تجارتی طمانیت کی دنیا نظر آتی ہے اور وہ اتنی جاذب اور پرکشش ہوتی ہے کہ نادار بستیوں کے بیشتر بچے شاید اس کے بارے میں کبھی جان سکیں۔''

وہ بچے جو اچھی لائبریریوں تک رسائی سے محروم رہتے ہیں، انہیں اطلاعاتی مہارت سے بھی محروم رکھا جاتا ہے، جن کی ضرورت انہیں اپنی کام کی جگہوں پر ہوتی ہے اور اس تیزی سے بدلتی ہوئی دنیا میں نئی نئی معلومات پر ان کا انحصار بڑھتا جاتا ہے۔ تحقیق کیسے کی جاتی ہے، (آج کے طالبعلموں کے لیے) غالباً اہم ترین مہارت ہے۔ یہ بیان سکول لائبریریوں کی امریکی ایسوسی ایشن کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر جیولی واکر کا ہے۔ جو علم (طلبہ) سکول میں حاصل کرتے ہیں، وہ ساری زندگی ان کے کام نہیں آتا۔ ان میں سے بہتوں کو اپنی زندگی میں چار سے پانچ پیشوں تک سے واسطہ پڑتا ہے۔ اطلاعات تک رسائی کیسے حاصل کی جائے، یہی اہلیت ان کے کام آئے گی۔''

لائبریریوں کے زوال کا ذمہ دار کون ہے؟ جب بات سکول لائبریریوں کی ہوتی

ہے تو آپ رچرڈ نکسن کی طرف انگلی اٹھائیں گے (جی ہاں سیدھی انگلی) ۱۹۶۰ء کے عشرے سے لے کر ۱۹۷۴ء میں قوانین بدل دیئے اور یہ صریح حکم جاری کیا کہ وفاقی رقم برائے تعلیم ''یک مشت'' ریاستوں کے حوالے کر دینا چاہئے، پھر وہ جیسے چاہیں اسے خرچ کریں۔ کسی بھی ریاست نے اس رقم کو لائبریریوں پر خرچ نہیں کیا اور یہیں سے زوال شروع ہو گیا۔ یہ بھی ایک وجہ ہے کہ آج بہت سی سکولوں کی لائبریریوں میں مطالعہ کا جو مواد ملتا ہے ہو ۱۹۶۰ء اور ۱۹۷۰ء کے عشروں کا ہے۔ جب لائبریریوں کو ملنے والے فنڈ کا رخ موڑ دیا گیا تھا۔ (نہیں، پیارے، ہمارا دشمن سویت یونین نہیں وہ تو دس سال تک ٹوٹتا رہا تھا)۔

ایجوکیشن ویک کے رپورٹر کا ''لائبریری'' کے بارے میں یہ بیان جو ۱۹۹۹ء کا ہے۔ فیلیڈیفیا کے ابتدائی سکول کا ہے، لیکن اس کا اطلاق اس طرح کے بدحال سکولوں پر خواہ وہ کتنی ہی تعداد میں ہوں، کیا جاسکتا ہے۔

''ٹی ایم پیپرنس ایلیمنٹری سکول کی لائبریری میں، جو بہترین کتابیں ہیں، وہ بھی بہت پرانی، خراب وخستہ اور بدرنگ ہو چکی ہیں۔ سب سے بری بات یہ کہ بہت سی کتابیں پارہ پارہ ہونے کو ہیں، گندی اور بساند دیتی ہوئی، ہاتھ اور کپڑوں پر کثافت چھوڑ دیتی ہیں۔ کرسیاں اور میزیں پرانی ''بے جوڑ یا ٹوٹی ہوئی ہیں۔ یہاں کوئی کمپیوٹر نظر نہیں آتا۔ انسائیکلوپیڈیا اور سوانحی کتابوں کو ہاتھ لگاؤ تو ان میں متروک کوائف اور خیالات اور واہیات باتیں نظر آتی ہیں۔ ان میں فکشن اور غیر افسانوی ادب سب شامل ہیں۔ یہاں شیلف میں جو کتابیں دھری ہوئی ہیں، ان میں کسی طالبعلم کے لیے ایڈز پر یا فی زمانہ کے کسی اور مرض پر، چاند اور مریخ کی تحقیق پر یا گزشتہ پانچ امریکی صدور پر کوئی مواد نہیں ملے گا، بلکہ کتابوں کے درمیان اس کی تلاش بھی ممکن نہیں ہوگی۔

اس صورتحال کا یہ اصل المیہ ہے کہ وہی سیاستدان جو امریکہ میں تعلیم کے شعبے کو مناسب رقم مہیا کرنے سے انکار کرتے ہیں، وہی اس بات پر ہنگامہ آرائی کرتے ہیں کہ ہمارے بچے جرمن اور جاپان بلکہ دنیا کے کسی بھی ملک کے بچوں سے، جہاں نل سے پانی آتا ہے اور جس کی معیشت کا انحصار Chiclets کی فروخت پر نہیں، بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ اس احساس کے ساتھ ہی وہ ''احتساب'' کا مطالبہ کرتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ جو اساتذہ اس حالت کے ذمہ دار ہیں، ان کا امتحان لیا جائے گا اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ بچوں

کا بھی امتحان لیا جائے اور بار بار لیا جائے۔

ایک معیاری طریقہ جس کے تحت یہ معلوم کیا جائے کہ بچے کیا کچھ پڑھتے اور لکھتے ہیں اور حساب کرنا جانتے ہیں یا نہیں، کچھ ایسا غلط نہیں، لیکن بہت سے سیاستدانوں اور تعلیم کے شعبے میں اکابر نے امتحان کو ایک قومی خلجان بنا دیا ہے گویا اس ملک کے اندر تعلیم کے شعبے میں ہر بات غلط ہے اور اگر ہم اس میں نمبر بڑھا دیں تو جادو سے ہر چیز ٹھیک ہو جائے گی۔

وہ لوگ جن کا واقعی امتحان ہونا چاہیئے (بزعم خود عالم بننے والوں کے علاوہ) یہاں کے نام نہاد سیاسی لیڈر ہیں، آئندہ جب تم ریاست کے کسی نمائندے یا کانگریس کے رکن سے ملو تو اس کو ذہنی آزمائش کے یہ سوال دے دو اور اسے یاد دلا دو کہ آئندہ تمہاری تنخواہ میں اضافے کا سوال اسی بات پر ہوگا کہ تم نے کتنے سوالوں کے صحیح جواب دیئے ہیں۔

۱۔ تمہارے حلقہ انتخاب میں سالانہ اوسط اجرت کی شرح کیا ہے؟
۲۔ رفاہی امداد پانے والوں میں بچوں کی فیصد تعداد کیا ہے؟
۳۔ پودوں اور جانداروں کی کون سی نسلیں ناپید ہونے کے قریب ہیں؟
۴۔ اوزون کی چادر کا سوراخ کتنا بڑا ہے؟
۵۔ وہ کون سے افریقی ممالک ہیں، جن میں بچوں کی شرح اموات ڈیٹرائٹ سے کم ہے؟
۶۔ کتنے امریکی شہر ہیں، جن میں ابھی تک دو اخبار ایک دوسرے سے مقابل چل رہے ہیں؟
۷۔ ایک گیلن میں کتنے اونس ہوتے ہیں؟
۸۔ میں سکول میں بندوق کی گولی سے ہلاک ہو جاؤں گا یا بجلی گرنے سے مارا جاؤں گا۔ دونوں میں سے کس بات کا امکان زیادہ ہے؟
۹۔ کس واحد ریاست کا دارالحکومت ایسا ہے، جس میں ابھی تک میکڈونلڈ نہیں پہنچا؟
۱۰۔ دی ایلیڈیا دی اوڈیسی کی کہانی بیان کرو؟

جوابات

۱۔ ۵۴۸، ۵۲۸

۲۔ ۶۷ فیصد

۳۔ ۱۱٫۴۶

۴۔ ۱۰۵ملٹن مربع میل

۵۔ لیبیا، فاریش، سسٹلز

۶۔ ۳۴

۷۔ ۱۲۸اونس

۸۔ سکول میں گولی چلنے سے ہلاکت کا جتنا اندیشہ ہے، اس سے دو گنا اندیشہ آسمانی بجلی سے ہلاکت کا ہے۔

۹۔ مونٹ پلیئر، ورماؤنٹ

۱۰۔ دی ایلیڈ ایک قدیم یونانی زرمیہ ہے، جو ٹروجن ہارس کے بارے میں ہے۔ اس کا مصنف ہومر تھا۔ دی اودیسی ٹروجن وار کے بارے میں ہومر کا دوسرا زرمیہ ہے، جس میں ٹروجن وار سے کنگ آف اتھا کا نک، اوڈیسس کے دس سالہ سفر کی سرگذشت درج کی گئی ہے۔

قرین امکان یہ ہے کہ جو ذہین وفطین لوگ، جو قانون ساز اسمبلی میں تمہاری نمائندگی کر رہے ہیں، مذکورہ بالا امتحان میں ۵۰ فیصد نمبر حاصل نہیں کرسکیں گے۔ اچھی خبر یہ ہے کہ تم ایک یا دو سال کے اندر ان کو چلتا کر دو گے۔

ملک میں ایک گروہ ان لوگوں کا ہے، جو صرف کند ذہن ٹیچروں کی شکایتیں نہیں کرتے بلکہ انہیں اس بات کی گہری تشویش رہتی ہے کہ آئندہ کس طرح کے طلبہ بالغ انسانوں کی دنیا میں داخل ہوں گے۔ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ لاکھوں نوجوان جو سماعت پر مجبور ہیں، ان سے ان لوگوں کا کوئی مفاد وابستہ ہے یا ان اربوں ڈالر سے کوئی تعلق ہے، جو وہ ہر سال خرچ کرتے ہیں۔ جی ہاں! یہ کارپوریٹ (کاروباری) امریکہ ہے، ہمارے قومی سکولوں میں ان کی فیاضی ان کے مسلسل وطن دوست جذبے کے اظہار کی ایک مثال ہے۔

یہ کمپنیاں، ہمارے بچوں کے سکولوں سے کتنی وابستگی رکھتی ہیں؟

یہاں تعلیم میں کاروباریت کا تجزیہ کرنے کے لیے ایک سنٹر قائم ہے، جس کے فراہم کردہ اعداد کے مطابق ۱۹۹۰ء کے سال سے ہی انہوں نے بے لوث خیرات زبردست پیمانے پر فراہم کی ہے۔ گزشتہ دس سال کے عرصے میں سکولوں کے پروگراموں اور سرگرمیوں کی تجارتی سپانسر شپ (مالی اعانت) ۲۴۸ فیصد بڑھ گئی ہے۔ اس سپانسر شپ کے عوض سکولوں نے کارپوریشن کو اجازت دے دی ہے کہ وہ کس پروگرام کے ساتھ اپنا نام لگا سکتی ہے۔

مثال کے طور پر ایڈی بار(Eddie Baur) نے نیشنل جاگریعنی بی کے آخری مقابلے کو سپانسر کی چنانچہ کتابوں کے گردپوش جن پر کالوں کلین کے ساتھ Nike کا اشتہار بھی ہے، طلبہ میں تقسیم کئے گئے۔ نائنک اور دوسرے جفت ساز اب منتظر ہیں کہ آنے والے دور کے روشن ستاروں تک جلد رسائی حاصل کر لیں، چنانچہ انہوں نے ہائی سکول میں باسکٹ بال ٹیموں کے اندرون شہر مقابلوں کو سپانسر کیا ہے۔

پزہ ہٹ نے بک اٹ (Book it) پروگرام نشر کیا ہے۔ یہ بچوں کو پڑھنے کا حوصلہ دلانے کے لیے ہے۔ جب طلبہ مطالعہ کا ماہانہ ہدف پورا کر لیتے ہیں، تو ان کو انعام میں ذاتی پین پزہ کے لیے سرٹیفکیٹ دیئے جاتے ہیں۔ ریستوران میں سٹور کا منیجر بچوں کو ذاتی طور پر مبارکباد دیتا ہے اور ہر ایک کو ایک اسٹکر اور سرٹیفکیٹ دیتا ہے۔ پزہ ہٹ کی جانب سے سکول کے پرنسپل صاحبان کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ سکول میں اعزاز پانے والے بچوں کی ایک فہرست پزہ ہٹ بک اٹ کے نام سے رکھیں تاکہ لوگ آئیں اور انہیں دیکھیں۔

جنرل ملز اور کیمبل سوپ نے اس سے بہتر منصوبہ بنایا۔ مفت انعام دینے کی بجائے ان دونوں نے سکولوں کو انعام دینے کے پروگرام شروع کئے ہیں، جہاں سے والدین ان کی مصنوعات خرید سکیں گے۔ جنرل ملز کے ''باکس ٹاپس فار ایجوکیشن'' پروگرام کے مطابق سکولوں کو ایک باکس ٹاپ لوگو بھیجنے پر دس سینٹ ملتے ہیں، اس طرح وہ ایک سال میں دس ہزار ڈالر تک حاصل کر سکتے ہیں۔ اس طرح جنرل ملز نے ایک لاکھ ڈالر کی مصنوعات فروخت کیں۔ کیمبل سوپ کا ''لیبل فار ایجوکیشن'' پروگرام اس سے کم نہیں ہے۔ اس نے اپنا دھندا یہ نکالا ہے کہ ''امریکی بچوں کو سکول کا ساز و سامان مفت مہیا کرتے

ہیں۔ اس طرح ایک سکول ۹۴۹۵۰ لیبل دے کر ایک ایپل کمپیوٹر مفت کمائی کر سکتا ہے۔ کیمبل کا ہر بچے کے لیے ایک ہفتے میں پانچ لیبل کا ہے۔ اس طرح ایک سکول کے ۵۲۸ بچے ایک کمپیوٹر مفت حاصل کر سکتے ہیں۔

یہ محض اس طرح کی سپانسر شپ نہیں ہے، جسے سکول اور کارپوریشن آپس میں اشتراک کرتی ہیں ۔ وہ طلبہ جن میں سرکاری سکول کی رعایت سے صحیح جذبہ موجود نہیں ہوتا، ان کے لیے اس کام میں خاصے خطرات ہیں۔ ایونز، جارجیا کے گرین بریئر ہائی سکول میں ''کوک ڈے'' کے روز مائک کیمرون نے ایک پیپسی شرٹ پہن لی تھی۔ اسے سکول سے ایک دن کے لیے نکال دیا گیا۔ ''کوک ڈے''،نیشنل ٹیم اپ کوکا کولا کے ساتھ'' نامی مقابلے میں سکول کے واقعے کا ایک حصہ ہے، جس میں ہائی سکول کو دس ہزار ڈالر کا انعام ملتا ہے جو ''کوک ڈسکاؤنٹ کارڈ'' کی تقسیم کا سب سے اچھا منصوبہ پیش کرتا ہے۔ گرین بریئر سکول کے عہدیداروں نے بتایا کہ کیمرون کو اس لیے معطل کیا گیا کہ ''اس نے انتشار پھیلایا اور سکول کی تصویر کو تباہ کر دیا۔'' وہ اس طرح کہ اس نے ایک باہر کی قمیض اتاردی اور پیپسی کی قمیض کو نمایاں کر دیا کیونکہ اس وقت طلبہ کی تصویریں اس حالت میں کھینچی جارہی تھیں کہ وہ ''کوک'' کا لفظ ادا کر رہے تھے۔ کیمرون نے بتایا کہ اس کی قمیض تو سارے دن نظر آتی رہی لیکن اس وقت تک کوئی پریشانی پیدا نہیں ہوئی، جب تک اس سے تصویر کے لیے ''پوز'' بنانا نہیں پڑا تھا۔ ادھر مارکٹینگ کے شعبے نے کوئی سستی نہیں دکھائی، چنانچہ پیپسی نے فوراً ہائی سکول کے اس سینئر طالبعلم کو پیپسی قمیضوں اور ٹوپیوں کا ایک پورا ڈبہ بھیج دیا۔

اگر طلبہ کو اشتہاری بورڈ بنانا کافی نہیں، تو اس سے بھی آگے سکول اور تجارتی کمپنیاں اکثر اوقات، سکول کو کاروباری امریکہ کے لیے ایک پرشکوہ نیون سائن بنا کر پیش کرتی ہیں۔ سکول کی جگہ کا استعمال جس میں اسکور بورڈ، عمارت کی چھت، دیواریں اور لوگوں اور اشتہار چھاپنے کی کتابیں بھی شامل ہیں، ۵۳۱ فیصد تک بڑھ گیا ہے۔

کولوریڈا اسپرنکس نے تو کوکا کولا کے ہاتھ صرف اپنی روح بیچ دینے کو کافی نہیں سمجھا بلکہ سکول کی بس پر برگر کنگ، ونڈ اور دوسری بڑی بڑی کمپنیوں کے اشتہار چپکا دیئے۔ طلبہ کے درمیان کتابوں کے کورسکول کے منصوبہ سازوں کیلوگس پاپ ٹارٹس (Kellogg's Pop Tarts) کے اشتہار اور فاکس ٹی وی کی شخصیات کی تصویریں مفت تقسیم کی گئیں۔

ٹیکساس میں گریپ وائن انڈیپنڈنٹ سکول کی انتظامیہ نے کلاس روم میں اشتہارات کی تقسیم کو روک دیا، البتہ ڈاکٹر پیپر (Dr. Pepper) اور سیون اپ کے لوگوں اور سکولوں کی چھتوں پر پینٹ کرنے کی اجازت دے دی۔ یہ محض اتفاق نہیں کہ دونوں سکول طیاروں کی پرواز کی راہ میں آتے ہیں، جہاں ڈلاس کا ہوائی اڈا ہے۔

سکول محض اشتہار بازی کا راستہ نہیں ڈھونڈتے، وہ اس امر پر بھی نظر رکھتے ہیں کہ مختلف مصنوعات کے بارے میں طلبہ کیا سوچتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تجارتی کمپنیاں چند سکولوں کے اندر کلاس روم میں تدریس کے دوران مارکیٹ ریسرچ کرتی ہیں۔ کنساس میں ایجوکیشن مارکیٹ ری سورسز نے بتایا کہ بچے کلاس روم کے ماحول میں آسانی کے ساتھ بہت کھل کر شدومد سے جواب دیتے ہیں (جی ہاں، کلاس روم میں ان سے یہی رویہ فرض کیا جاتا ہے کہ یہ انہی کے فائدے کی بات ہے، کاروباری رائے شماری مقصود نہیں ہوتی۔ بہر حال سیکھنے کے بجائے مارکیٹ سروے میں جواب دینا غالباً وہ کام نہیں، جو وہ کر رہے ہوں گے۔)

اساتذہ نے ایک شیل آئل وڈیو دکھائی ہے، جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ شیل کے گیس سٹیشن سے اپنی جیپ کی ٹنکی کو آئل سے بھرنے کے بعد کس طرح بظاہر قدرت کا مشاہدہ وہاں جا کر کیا جا سکتا ہے۔ پرنس ولیم ساؤنڈ میں، جہاں ایکسون والڈز نے آئل گرا کر ماحول کو بری طرح تباہ کیا تھا، اب ایکسون موبل نے اس جگہ پر پھلتے پھولتے ہوئے صحرائی ذی حیات کے بارے میں ایک درسی منصوبہ بنایا ہے۔ تیسرے درجے کی ریاضی کی ایک کتاب میں وہ سوالات پوچھے گئے ہیں، جو ٹوٹس رول کو شمار کرنے کے بارے میں ہیں۔ بہت سے سکولوں میں ہرش (Hershey) نے ایک نیا نصب رنج کیا ہے، جس میں ریاضی، سائنس، جغرافیہ اور غذائیت کے مضامین کے ساتھ ایک مضمون چاکلیٹ ڈریم مشین کا بھی ہے۔

کئی ہائی سکولوں میں اکنامکس (معاشیات) کا نصاب جنرل موٹرز فراہم کرتی ہے۔ جنرل منیجر نصاب کی کتاب خود لکھتا ہے اور نصابی کتب بھی فراہم کرتا ہے۔ طلبہ جی ایم کی مثال سے سرمایہ داری کے فائدوں کی بابت سیکھتے ہیں اور یہ بھی کہ کوئی کمپنی کس طرح چلائی جاتی ہے...... بالکل جی ایم کی طرح۔

اور اگر ٹی وی اور انٹرنیٹ کو براہ راست کلاس روم میں پہنچا دیا جائے تو کاروباری لوگوں کو ملک کے بچوں کے ذہنوں میں نقش کرنے کا اس سے بہتر طریقہ اور کیا ہوگا۔ کمپنی اس حق کے عوض کہ وہ طلبہ میں اشتہار بازی کرتی ہے، سکولوں کو پروگرامنگ اورضروری سازوسامان بھی فراہم کرتی ہے، چنانچہ الیکٹرک مارکیٹنگ ۱۳۹ فیصد بڑھ گئی ہے۔

اس کی ایک مثال زیپ می کارپوریشن ہے، جوسکولوں کو کمپیوٹر لیب بالکل مفت دیتی ہے اور ویب سائٹ تک رسائی فراہم کرتی ہے جس کا انتخاب اس نے پہلے ہی کر لیا ہوتا ہے۔ اس کے عوض سکول انتظامیہ سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ لیب ہر روز کم از کم چار گھنٹے استعمال میں ہوگی۔ اس میں فائدہ کیا ہے؟ دی زیپ می ویب میں اشتہارات مسلسل آتے رہتے ہیں، اس طرح کمپنی کو معلوم ہوتا رہتا ہے کہ طلبہ کی ضرورت کیا ہے اور وہ ویب میں کیا تلاش کرتے ہیں۔ پھر یہی اطلاع وہ دوسری کمپنیوں کو فروخت کر دیتے ہیں۔

چینل ون ٹیلیویژن، الیکٹرانک میں کاروبار کرنے والوں سے سب سے برا ہے۔ بارہ ہزار کلاس روم میں اسی (۸۰) لاکھ طلبہ چینل ون دیکھتے ہیں۔ یہ سکول کا اندرونی نیوز اور ایڈورٹائزنگ پروگرام ہے، جو ہر روز چلتا ہے۔(جہاں ہر روز بچے، پورے دن کے سکول کے چھ گھنٹے کے برابر وقت چینل ون دیکھنے میں لگا دیتے ہیں جو امریکہ کے مڈل اور ہائی سکول کے چالیس فیصد کے برابر ہوتا ہے۔ سیکھنے کا وقت صرف اشتہاروں کی نذر؟ ہر سال ایک پورا دن یہ ٹیکس گزار کی سالانہ ادائیگی کے ایک اعشاریہ ۸ بلین کے برابر ہے۔

ٹھیک ہے، ہمارے ڈاکٹر اور ارباب تعلیم اس بات پر متفق ہیں کہ بچوں کو زیادہ ٹی وی نہیں دیکھنا چاہئے۔ اور غالباً سکولوں میں کچھ ٹیلی ویژن پروگراموں کے لیے بھی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اپنے گریڈ سکول کے آڈیٹوریم میں، میں نے ٹی وی کے پردے پر خلانوردی کو ایک دھماکے کے ساتھ فضا میں جاتے ہوئے دیکھا تھا، جس کی دلنشیں یادیں میرے ذہن میں محفوظ ہیں لیکن چینل ون کی روزانہ بارہ منٹ کے نشریوں میں صرف ۳۰ فیصد وقت کہانیوں کو، سیاست اور معیشت کو سماجی اور تہذیبی موضوعات کو دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد حیرت ناک طور پر ۸۰ فیصد وقت اشتہارات، کھیل، موسم اور فیچرز کو اور پھر چینل ون کی اپنی تشہیر کو دیا جاتا ہے۔

چینل ون کو سکولوں میں نہایت غیر متناسب طریقے سے پیش کیا جاتا ہے، یعنی کم

آمدنی والے طبقوں اور کثیر اقلیتی آبادیوں کے درمیان جہاں تعلیم کے لیے بہت قلیل رقم میسر ہوتی ہے اور جہاں درسی کتابوں اور تعلیم سے متعلق سامان پر بہت ہی کم خرچ کیا جاتا ہے۔ حکومت خود سکولوں کو مناسب رقم مہیا نہیں کرتی۔

کیا تم ایک پکے سکول دشمن ہو؟

ایف بی آئی (وفاقی تفتیشی ادارے) نے ذیل میں ان رجحانات کی نشاندہی کی ہے، جو طلبہ میں ''خطرناک عناصر'' شمار کیے گئے ہیں، جن کا نتیجہ جارحانہ اقدامات کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ یہ علامتیں جن طلبہ میں نظر آئیں ان سے دور رہو۔

☆ میل کو پیدا کرنے میں ناکافی صلاحیت
☆ اسلحہ حاصل کرنے کی اہلیت
☆ ذہنی دباؤ
☆ شراب نوشی، منشیات خوری
☆ سب سے الگ الگ رہنا
☆ نرگسیت: حد سے بڑھی ہوئی خود پسندیدگی
☆ ناشائستہ ہنسی مذاق
☆ ٹیلیویژن اور انٹرنیٹ کا بے روک ٹوک استعمال

چونکہ آپ میں یہ سب خصوصیات شامل ہیں، اس لئے سکول فوراً چھوڑ دیجیے۔ گھر کی تعلیم بھی کوئی قابل عمل متبادل طریقہ نہیں، کیونکہ آپ کو تو خود اپنے آپ سے دور رہنا ہے۔

ہم میں سے بیشتر کو کسی امریکن ہائی سکول میں داخلے کا اس وقت موقع ملتا ہے، جب اس کی حدود میں رہتے ہوئے ووٹ ڈالنا ہو (یہ بھی ایک المیہ ہے، اگر اسے المیہ مان لیا جائے کہ ہم جمہوریت کی ایک مقدس رسم ادا کرنے جا رہے ہیں جبکہ انہیں عمارت میں دو ہزار طلبہ ایک جابرانہ آمریت کے تحت رہتے آئے ہیں، اس عمارت کے کمروں میں بیٹھتے ہوئے نوعمر طلبہ اپنے سوختہ وجود کے ساتھ ایک سے دوسرے کمرے میں جاتے نظر آتے ہیں، چکرائے ہوئے، بوکھلائے ہوئے، اس بات پر حیران کہ وہ وہاں کر کیا رہے ہیں! وہ وہاں چبائے ہوئے نوالوں کی طرح جوابات نگلتے ہیں۔ وہی جواب جو ان کی فہم کے مطابق

ریاست ان سے سننا چاہتی ہے اور اگر اس ضمن میں کوئی انفرادی کوشش نظر آئے، تو وہ اس شک کی بنیاد بن جائے گی کہ اس نوجوان کا تعلق کسی خطرناک زیرزمین مجرموں کے گروہ سے ہے۔ حال ہی میں ایک سکول میں میرا جانا ہوا، جہاں چند طلبہ نے مجھ سے پوچھا، کیا آپ نے دیکھا کہ خود ہم نے اور سکول کے دوسرے طلبہ نے بھی سفید لباس یا کوئی اور بے رنگ لباس پہن رکھا ہے۔ کوئی سیاہ کپڑے پہننے کی جرات نہیں کرسکتا، تاوقتیکہ بالکل ہی وحشی اور بدراہ نہ ہوگیا ہو اس کے بعد تو سکول کے پرنسپل کی طرف سے فوراً پرچی کاٹ دی جائے گی جہاں دفتر میں سکول کا کوئی ماہرنفسیات بیٹھا، اس امر کی تصدیق کرنا چاہئے گا کہ آیا تم نے جولمپ بیکٹ (Limp biket) شرٹ پہن رکھی ہے، تو کیا تم چوتھے گھنٹے کی کیومٹری کلاس میں مس نلسن کو گولی مارنا چاہتے ہو۔

اس طرح بچوں کو سکھایا جاتا ہے کہ ذاتی اظہار سے اجتناب کرو۔ انہیں یہ بتایا جاتا ہے کہ سب کے ساتھ مل کر چلنا اچھا ہوتا ہے تاکہ تم اس طرح چلتے رہو۔ انہیں یہ سکھایا جاتا ہے کہ مروجہ نظام میں رخنہ ڈالنے کے نتیجے میں، تم خود اس سے باہر کر دیئے جاؤ گے۔ اقتدار کو چیلنج مت کرو جیسے کہا جاتا ہے، ویسا ہی کرو۔ سوچو مت، میں جو کہتا ہوں وہ کرو۔

ایک تابعدار طالبعلم بننے کے بجائے ایک تخریبی طالبعلم کیسے بنا جائے

تمہارے لئے، اپنے ہائی سکول میں اپنا دفاع کرنے کے، کئی طریقے ہیں اور ایسا کرتے ہوئے تمہیں بہت لطف آئے گا۔ ایک کلیدی بات یہ ہے کہ سارے قوانین جان لو اور یہ کہ تمہارے قانونی اور ضلع سکول کی پالیسی کے تحت تمہارے قوانین کیا ہیں۔ اس طرح تم غیرضروری مشکلات سے بچے رہو گے۔ اس سے تمہیں کچھ فائدے بھی ہو سکتے ہیں۔

کالج کے ایک طالبعلم ڈیوڈ شنکلا، جنہوں نے اس کتاب کے سلسلے میں میری کچھ مدد بھی کی تھی۔ اس زمانے کو یاد کرتے ہیں، جب وہ کنٹکسی کے ہائی سکول میں تھے، انہیں اور ان کے دوستوں کو ایک بھولا بسرا ریاستی قانون مل گیا، جس میں کہا گیا تھا کہ کوئی بھی طالبعلم جو ریاستی میلے میں شرکت کے لیے ایک دن کی چھٹی چاہتا ہو، اسے یہ چھٹی لازماً دی جائے گی۔ ریاست کی قانون ساز اسمبلی نے کئی برس پہلے سکول کے ایک بچے کے لیے وہ قانون منظور کر دیا تھا، جو میلے میں اپنے چہیتے سؤر کو لے جانا چاہتا تھا تاکہ اس کی خواہش

پوری ہو جائے اور اسے سکول سے سزا نہ ملے لیکن وہ قانوں کتابوں میں محفوظ رہ گیا اور اس سے کسی بھی طالبعلم کا یہ حق محفوظ ہو گیا کہ کوئی موسم ہو یا نہ ہو، وہ ریاستی میلے میں جانے کے لیے ایک دن کی چھٹی مانگ سکتا ہے، اب تم تصور کر سکتے ہو کہ ڈیوڈ اور اس کے دوستوں نے جب سکول سے ایک دن کی چھٹی کا مطالبہ کیا، تو پرنسپل کے چہرے کی کیا کیفیت ہوتی ہوگی لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

اب کچھ اور ترکیبیں جو آپ کر سکتے ہیں۔

(۱) ووٹ کا تمسخر اڑاؤ

طلبہ کی کونسل اور کلاس میں انتخابات وہ سب سے زیادہ فریب کارانہ رویے ہیں جو سکول میں روا رکھے جاتے ہیں، محض یہ خوش فہمی جتانے کے لیے کہ سکول کے انتظامی امور میں تمہارا بھی اختیار چلتا ہے۔ وہ بہت سے طلبہ جوان عہدوں کے لیے انتخابات میں کھڑے ہوتے ہیں، وہ یا تو اس دھوم دھڑکے میں بڑی سنجیدگی سے حصہ لیتے ہیں یا یہ سمجھتے ہیں کہ تمہاری کالج کی درخواستوں پر اس کے اندراج پر اچھا اثر پڑے گا۔

تو پھر تم خود کیوں نہ کھڑے ہو جاؤ۔ الیکشن میں حصہ لو محض اس مضحکہ خیز عمل کا تمسخر اڑانے کے لیے۔ اپنی پارٹی خود بناؤ، جس کا ایک احمقانہ سا نام ہو۔ اول جلول قسم کے وعدوں کے تحت انتخابی مہم چلاؤ، جیسے اگر میں منتخب ہو گیا تو میں سکول کے علامتی نشان کو بدل کر اس کی جگہ ایک بلبلہ رکھ دوں گا یا اگر میں منتخب ہو گیا تو میں اس بات پر اصرار کروں گا کہ سکول لنچ جو طلبہ کو دیا جاتا ہے، اس سے پہلے پرنسپل ہر روز وہ لنچ خود کھائے۔ بینر لگاؤ جس پر یہ نعرہ درج ہو ''ووٹ مجھے دو، یقینی ہار کا امیدوار۔''

اور اگر تم منتخب ہو جاؤ تو اپنی ساری توانائی ان معاملات کے حصول پر صرف کرو کہ انتظامیہ پاگل ہو جائے لیکن اپنے ساتھی طلبہ کو اس سے بچائے رکھو (مفت کنڈوم کی فراہمی کا مطالبہ، طلبہ کا یہ استحقاق کہ اساتذہ کی صلاحیتوں کو پرکھیں۔ ہوم ورک میں کمی تاکہ آدھی رات ہونے تک سو سکو۔ وغیرہ)

(۲) ایک سکول کلب شروع کرو

تمہیں ایسا کرنے کا حق ہے۔ ایک ہمدرد ٹیچر کو ڈھونڈ لو جو اس کا آغاز کر سکے۔

اس کے نام پر ''چوائس کلب'' فری اسپیچ کلب، دی انٹگریٹ آور اون کلب وغیرہ ہو سکتے ہیں کلب کے ہر رکن کو اس کا ''صدر'' بنا دو۔ آئندہ اپنے کالج کی درخواستوں پر سبھی طلبہ ''صدر'' ہونے کا اعزاز استعمال کر سکیں گے۔ ایک طالبہ کے بارے میں مجھے معلوم ہے کہ اس نے فیمنسٹ (زنانہ) کلب شروع کرنے کی کوشش کی تھی لیکن پرنسپل نے اس کی اجازت نہیں دی کیونکہ اس طرح وہ پابند ہو جائیں گے کہ ایک ''میل شیونسٹ (مردانہ عصبیت کا حامل) کلب'' کو مساوی وقت دیں تمہیں اس طرح کی احمقانہ سوچ کا مقابلہ کرنا پڑے گا، لیکن حوصلہ نہ ہارو (اگر ایسی صورتحال کا سامنا ہو تو کہو ٹھیک ہے، اور ساتھ ہی پرنسپل کو مشورہ دو کہ وہ شیونسٹ کلب شروع کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔)

(۳) اپنا اخبار یا ویب زائن خود شروع کرو

تم وہ حق رکھتے ہو، جسے آئینی تحفظ حاصل ہے۔ اگر اس بات کا خیال رکھ سکو کہ اس میں فحاشی نہ آنے پائے، کوئی بات کسی کے لیے توہین آمیز نہ ہو اور کوئی موقع نہ دو کہ تمہارے اخبار کو بند کر دیں تو تمہارے سکول میں جو کچھ ہوتا رہا ہے، اس کی صداقتوں کو سامنے لانے کا ایک بہت بڑا وسیلہ ہوگا، جس مزاح سے کام لو طلبہ اس سے محبت کرنے لگیں گے۔

(۴) اجتماع میں شامل ہو جاؤ

سکول بورڈ کے اجلاس میں جاؤ اور وہاں لوگوں کو بتاؤ کہ سکول میں کیا ہو رہا ہے۔ درخواست دو کہ وہ پرانی باتوں کو بدلیں۔ وہ تمہیں نظر انداز کرنے کی کوشش کریں گے یا بہت دیر دیر تک تمہیں بٹھائے رکھیں گے۔ اس سے پہلے کہ وہ تمہیں کہ وہ تمہیں بولنے دیں طویل اور تھکا دینے والی میٹنگ ہوگی۔ اپنے مقامی اخبار کے ایڈیٹر کو خطوط لکھو۔ عام لوگوں کو اس کا کوئی اندازہ نہیں کہ تمہارے ہائی سکول میں کیا ہو رہا ہے، ان کو مطلع کرو۔ اس امر کا امکان ہے کہ وہاں تمہاری تائید کرنے والا کوئی نہ کوئی مل جائے گا۔

کوئی ایک بات یا بہت سی باتیں مل کر کھلبلی مچا دیں گی لیکن ضرورت ہوئی تو تمہارے بچ نکلنے کا راستہ مل جائے گا۔ اگر سکول کوئی ردعمل ظاہر کرتا ہے تو مقامی سول لبرٹیز یونین (شہری آزادی کے ادارے) سے رابطہ کرو۔ انہیں دھمکی دو کہ ہم مقدمہ کر دیں گے۔ سکول کے منتظم تو اس لفظ کو سنتے ہی گھبرا جاتے ہیں۔ یاد رکھو، اس سے زیادہ قابل اطمینان

کوئی بات نہیں ہوسکتی کہ جب تمہیں بالا دستی حاصل ہو جائے تو ایک نظر اپنے پرنسپل کے چہرے پر ڈالو اور کبھی نہ بھولو کہ کوئی ریکارڈ مستقل نہیں ہوتا۔

باب چھ، خوبصورت کرۂ ارض

میں اس باب کا آغاز اپنے اس انکشاف سے کرنا چاہتا ہوں کہ جو میرے خیال میں اس وقت ماحول کے لیے سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ میں، جی ہاں، یہ بالکل درست ہے، میں ماحول کے لیے ایک چلتا پھرتا بھیانک خواب ہوں۔

میں سارے پھوپاؤں کی ماں ہوں۔

میں ابتداء اس بات سے کرتا ہوں کہ میں ری سائیکل نہیں کرتا۔ (اپنے آپ کو دوبارہ استعمال کے لیے تبدیل نہیں کرتا۔)

میرا خیال ہے کہ ری سائیکلنگ کا عمل چرچ جانے کی طرح ہے۔تم وہاں ہفتے میں ایک بار ہو آؤ، پھر اپنے آپ کو بہتر محسوس کرنے لگو گے کہ اپنا فرض ادا کر دیا، پھر سارے پرلطف گناہوں میں مصروف ہو جاؤ۔

میں تم سے ایک سوال کرتا ہوں۔ کیا تمہیں ایمانداری سے یہ معلوم ہے کہ جب تم اخبار کو ری سائیکلنگ کے مرکز پر ڈال جاتے ہو تو یہ اخبارات کہاں جاتے ہیں یا جب تم سوڈے کی بوتلیں استعمال کے بعد ری سائیکلنگ کے ڈبے میں ڈال دیتے ہو تو ان کا انجام کیا ہوتا ہے؟ کسی ایسی سہولت کے لیے جہاں انہیں ری سائیکل کیا جائے گا لیکن کہاں؟ ٹرک جب ری سائیکل کی جانے والی چیزوں کو اٹھا کر روانہ ہوتا ہے تو کیا تم نے کبھی یہ جاننے کے لیے اس پیچھا کیا کہ یہ کہاں جا رہا ہے؟ کیا کبھی تم نے اس بات کی پرواہ کی؟ کیا تمہارے لئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ شیشے کو پلاسٹک سے الگ کر دو، اپنے کاغذ کو دھات سے الگ رکھو اور پھر باقی کام کسی اور کے لیے چھوڑ دو لیکن کون؟

میں انسانوں میں چوہوں جیسی فطرت دیکھ کر ہمیشہ بے حد حیران ہوتا ہوں اور پھر صاحب اختیار کی اطاعت، بے چون چرا، سوال کے بغیر۔ اگر کہیں ''ری سائیکل'' کا نشان موجود ہو تو ہم اپنے حصے کا کام انجام دے دیتے ہیں اور یہ فرض کر لیتے ہیں کہ وہاں جو بھی چیز پڑی ہوگی، ری سائیکل ہو جائے گی اگر کسی ردی شے کا رنگ نیلا ہوگا تو یہ اس

بات کی یقینی علامت ہو گی کہ شیشے کی بوتل جو ہم نے وہاں ڈال دی تھی پس جائے گی، پگھلا دی جائے گی اور ''راکو'' کی نئی بوتلوں میں ڈھال دی جائے گی۔

اچھا، تو ایک بار پھر سوچئے۔

ایک رات کام سے واپسی میں گھر آتے ہوئے میں نے دیکھا کہ کوڑا اٹھانے والے کوڑے کرکٹ کے نیلے تھیلوں کو جو واضح طور پر شیشوں سے بھرے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ دوسری ردی چیزوں کے ساتھ ٹرک کے کرشر میں (پیسنے والے حصے میں) پھینکے جا رہے تھے۔ میں نے اس شخص سے جو ہماری ہی عمارت میں کام کرتا ہے، پوچھا کیا ان کا یہی معمول ہے۔ اس نے جواب دیا، انہیں بہت سا کوڑا کرکٹ اٹھانا پڑتا ہے۔ کبھی کبھی ان کے پاس چیزوں کو ایک دوسرے سے الگ کرنے کے لیے وقت نہیں ہوتا۔''

میں یہ سوچ کر حیران ہوتا رہا کہ کیا یہ کوئی غیر معمولی بات ہے، یا معمول کی بات ہے۔ کچھ باتیں جو میرے علم میں آئی یہ ہیں۔ ہندوستان میں ماحولیات کے سرگرم کارکنوں پر ۱۹۹۰ء کے وسط عشرے میں یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ ان کے یہاں کوڑے کو ٹھکانے لگانے کے سلسلے میں پیپسی پیچیدہ مسئلہ پیدا کر رہی ہے۔ پیپسی کی استعمال شدہ بوتلیں جو امریکہ میں ری سائیکلنگ کے لیے جاتی تھیں، انہیں جہاز میں بھر کر ہندوستان بھیجا جا رہا تھا تا کہ ری سائیکلنگ کے بعد انہیں پیپسی کی بوتلوں میں یا پلاسٹک کے ڈبوں میں ڈھالا جا سکے لیکن مدارس سے باہر فیوچرا انڈسٹری فیکٹری کے سینئر منیجر نے یہ اعتراف کیا کہ بیشتر کوڑا کرکٹ فی سائیکل نہیں کیا جا رہا تھا، اس سے بھی زیادہ بری بات یہ کہ انہی دنوں جب ری سائیکلنگ کے بارے میں مذکورہ انکشاف ہوا، کمپنی نے اعلان کیا کہ وہ امریکہ اور یورپ میں برآمد کرنے کے لیے سنگل ڈسپوزیبل (استعمال کے بعد پھینک دی جانے والی) بوتلیں بنانا شروع کریں گے، اس طرح اس کے زہریلے عناصر ہندوستان میں ہی رہ جائیں گے۔ یوں جہاں ہندوستان کو صحت اور ماحولیات کے نقصان کا بوجھ اٹھانا پڑے گا، صنعتی ملکوں کو کوئی نقصان اٹھائے بغیر پلاسٹک کی مصنوعات ملتی رہیں گی اور پھر ہم صارفین شکر گزاری کے جذبے کے ساتھ مزے کرتے رہیں گے کہ ہم ''ری سائیکلنگ'' کی بدولت ماحول کو بہتر بنا رہے ہیں۔

اس کی ایک اور مثال ہے۔ سان فرانسسکو میں ایک اخبار کاغذ ری سائیکل کرنے

والے ایک شخص سے معاہدہ کیا کہ ہر مہینے ان کے دفتر سے سفید ردی کاغذ اٹھا لیا کرے۔ ایک دن ایک ملازم نے جب ردی کاغذ کو دروازے سے لے جاتے ہوئے دیکھا تو یہ نظر آیا کہ جس کاغذ کو ری سائیکلنگ کے لیے الگ کیا جا رہا تھا، اس میں میکڈونلڈ کے گتے اور سٹاربکس کے کپ بھی شامل ہیں۔ ری سائیکلنگ کمپنی سے جب اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے انکار کر دیا۔

۱۹۹۹ء میں چھان بین اس بارے میں کی گئی کہ کانگریس جو ردی کاغذوں کے ڈھیر لگاتی ہے (یہاں تم اپنا لطیفہ ڈال لو) وہ کہاں جاتے ہیں۔ اس وقت یہ انکشاف ہوا کہ اس سال مقننہ کی شاخ نے جو ۶۷۰۰ ٹن کاغذ استعمال کیا۔ اس کا ۷۱ فیصد حصہ ری سائیکل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس میں جھوٹا کھانا اور وہ بہت سی اشیاء شامل ہو گئی تھیں، جو ری سائیکل نہیں ہوتیں۔ اس سال شیشے کی بوتلیں، المونیم کے ڈبے، گتے اور دوسرا گوڑا جسے ری سائیکل کیا جا سکتا تھا اور جس کی مقدار پانچ ہزار ٹن تھی، ایک نشیبی جگہ بھرنے کے لیے پھینک دیا گیا اور اس پر کوئی باز پرس نہیں ہوئی اگر کانگریس نے انہی اشیاء کی صحیح طرح ری سائیکلنگ کی ہوتی تو ٹیکس گزاروں کے ساتھ لاکھ ڈالر بچائے جا سکتے تھے۔

ایک کے بعد دوسری مثال، وہی بات بار بار ہو رہی ہے۔ صحیح معنوں میں کوئی ری سائیکلنگ نہیں ہوتی، ہمیں فریب دیا جا رہا ہے۔

لہٰذا میں نے ری سائیکلنگ بند کر دی۔ میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ جن دنوں میں ری سائیکلنگ کر رہا تھا، وہ دراصل ایک الزام سے بچنے کے لیے کر رہا تھا، جب تک میں کاغذ سے شیشے اور دھات کو الگ کرنے کا فریضہ ادا کر رہا تھا، اس وقت تک اپنی مادر گیتی کو بچانے کے لیے کچھ نہیں کر رہا تھا۔ ایک بار جب میں نے بوتلیں، ڈبے اور اخبارات ڈرم میں ڈال دیئے تو میں اس کے بعد اپنے ضمیر سے تقاضا اور اس پر بھروسہ کر سکتا تھا کہ باقی کام دوسرے لوگ کریں گے۔ آنکھ اوجھل، ذہن سے دور اور میں (پٹرول سے چلتی ہوئی اپنی گاڑی میں واپس، جی ہاں میرے پاس منی وین ہے، چھوٹی سی وین جو ایک گیلن میں پندرہ میل چلتی ہے۔ اس کے اپنے دعوے سے سات میل کم۔ مجھے اپنی منی وین سے محبت ہے۔ بڑی کشادہ ہے، رفتار میں رواں اور ہموار ہے اور سامنے سے گزرنے والی گاڑیوں سے ایک فٹ بلند ہے، اس طرح میں سب کچھ دیکھ سکتا ہوں۔

مجھے معلوم ہے، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ باقی دنیا کے مقابلے میں ہمارے یہاں گیس سٹیشن پر تیل کی کم قیمتوں نے امریکیوں کو بگاڑ دیا ہے۔ ہمارے مقابلے میں دوسرے تین گنا زیادہ قیمت دیتے ہیں لیکن سنو تو سہی، یہ کوئی بلجیم نہیں ہے، جہاں ہم پورے ملک کا فاصلہ ایک سے دوسرے سرے تک ۳۵ منٹ میں طے کر لیں۔ ہم ایک بھاری بھرکم قوم ہیں، ہمیں دور دور تک گھومنا پھرنا ہوتا ہے۔ ہمارے یہاں جانے کے لیے جگہیں بہت ہیں، کرنے کے لیے کام بہت ہیں، باقی دنیا کو یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ ہم جب ایک سرے سے دوسرے سرے تک جاتے ہیں تو ہماری اس اہلیت سے انہی کو فائدہ ہوتا ہے۔ اگر ہم ہمہ وقت گردش میں نہ رہتے تو اتنے سخت کوش کیسے کہلاتے کہ ہم ایک کام تو ان کے اوقات میں کرتے ہیں پھر دوسرا کام رات میں انجام دیتے ہیں اور یہ سب کچھ ایک عالمگیر معیشت کو بروئے کار لانے کے لیے ہمارے عظیم ترین منصوبے کا حصہ ہے۔

دیکھو، میں فلنٹ (مشیگن) سے آ رہا ہوں جو گاڑیوں کا شہر ہے۔ اسے کاروں کے شہر کے ساتھ غلط ملط نہ کرنا ہم ڈیٹرائٹ سے شمال میں ایک گھنٹہ کے فاصلے پر ہیں اور ایک زمانے میں میرا یہ آبائی شہر بیوک گاڑیاں بنا تا تھا، جو ساری دنیا میں استعمال ہوتی تھیں۔ اب وہ لوگ بیوک نہیں بناتے۔

ایک کار کے کلچر میں پروان چڑھنا، الگ تجربہ ہے، پھر تم کار کو اپنی ہی شخصیت کی توسیع سمجھنے لگتے ہو۔ تمہاری کار تمہارا سٹیریو روم ہے، کھانے کا کمرہ ہے، خواب گاہ ہے، گھر کے اندر ایک تھیٹر ہے، تمہارا دفتر ہے، مطالعہ کا کمرہ ہے اور زندگی میں جو کچھ بھی کرتے ہو، اس کے لیے پہلی جگہ یہی کار ہے۔

میں جب بڑا ہوا تو میں نے طے کر لیا کہ میں جنرل موٹرز کی کار نہیں لوں گا، خاص طور پر اس لیے کہ مجھ سے زیادہ وہ خود راستے میں رک جاتی تھی چنانچہ میں نے واکس ویگن اور ہونڈا گاڑیاں خریدیں اور بڑے فخر سے ان میں گھومتا رہا۔ اگر کسی نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے امریکی گاڑی کیوں نہیں لی تو میں نے گاڑی کا ہڈ اوپر اٹھا کر انجن پر لگی ہوئی میڈ ان برازیل کی پلیٹ دکھا دی۔ اس کے فین بیلٹ پر میڈ ان میکسیکو کے حروف درج ہوتے اور ریڈیو پر میڈ ان سنگا پور لکھا ہوتا۔ ڈیش بورڈ پر لکھے ہوئے حروف سے قطع نظر پوری گاڑی امریکہ کی بنی ہوئی تھی۔

میری ہونڈا سوک نے کبھی راستے میں جواب نہیں دیا۔ میں نے اسے آٹھ سال میں ایک لاکھ ۱۵ ہزار میل چلایا۔ دیکھ بھال کی مقررہ تاریخوں کے علاوہ میں کبھی اسے ورکشاپ میں نہیں لے گیا، جس دن وہ ختم ہوئی، میں دیوالیہ ہو چکا تھا اور بیروزگار تھا، وہائٹ ہاؤس سے تقریباً چار بلاک پہلے، میں پنسلوانیا ایونیو کے آدھے راستے میں پھنس کر رہ گیا تھا۔ میں گاڑی سے نیچے اترا، اسے دھکا دے کر ایک جگہ جہاں رکاوٹ تھی لے گیا۔ گاڑی کی پلیٹیں نکال لیں اور اسے خیر باد کہا۔

میں نے نو سال تک کوئی کار نہیں خریدی۔ میرا کام زیادہ تر نیویارک میں تھا، اس لیے مجھے کار کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ شہر میں عام لوگوں کے لیے ٹرانسپورٹ کا بندوبست بہت اچھا ہے اور ٹیکسی ڈرائیور بھروسے کے ہیں لیکن چونکہ میں نے اپنے آبائی شہر مشیگن میں خاصا عرصہ گزارا تھا۔ اس لیے کرائے پر گاڑی لیتے لیتے تھک گیا اور ایک کرسلر منی وین خریدلی۔ یہ میں ضرور کہوں گا کہ تم مجھے وہ چھوٹا ٹین کا ڈبہ استعمال کرتے ہوئے کبھی اندر پھنسا ہوا نہیں دیکھو گے۔

زمین کے اس سیارے پر تمازت پیدا کرتے ہیں، ہر شے سے زیادہ انجن کے داخلی نظام نے کام کیا ہے، جو تیل کو جلا کر حدت پیدا کرتا ہے۔ ہماری ہوا میں کثافت ہے، اس کی نصف مقدار وہ ہے جو تمہاری کار سے پیدا ہوتی ہے اور ہوا کی اسی کثافت کے باعث ہر سال دو لاکھ افراد ہلاک ہو جاتے ہیں۔ عالمگیر پیمانے پر اس حرارت نے کرۂ ارض کی گرمی میں سال بہ سال اضافہ کیا ہے، جس کی وجہ سے بعض علاقوں میں خشک سالی کا خطرہ بڑھ گیا ہے اور اس کے نہایت خطرناک اثرات زراعت اور صحت پر مرتب ہوئے ہیں اگر ہم نے کوئی ایسا طریقہ نہیں نکالا جس سے اس حدت کو روکا جا سکے تو ہم ایک نہایت ہولناک المیے کے قریب ہوتے جائیں گے۔

لیکن یہ تو دیکھو کہ میری منی وین کیسے کام کرتی ہے۔ اس کے اندر اتنی خاموشی رہتی ہے کہ جب تک میں اپنا کورن (Korn) نہیں چلاتا اور ڈیک سے کام نہیں لیتا جس میں سی ڈی/ٹیپ اور اسپیکر لگے ہوئے ہیں اور ان کی آواز نہیں سنائی دیتی، خاموشی ہی رہتی ہے۔ یہ کار چلتی رہتی ہے، ایئر کنڈیشنر چلتا رہتا ہے، دونوں ہاتھ آزاد ہونے میں جو سیٹلائٹ پر پیغام لیتے رہتے ہیں، انھی میں ایک نہایت اہم پیغام روپرٹ مرکا ہے، جس

نے مجھے اس نفیس کتاب کی تالیف پر مبارکباد دی۔

ڈیڑائٹ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ اپنی ٹیکنالوجی کی بدولت ایسی کاریں بڑے پیمانے پر بنا سکتے ہیں جو ایک گیلن میں ۴۵ میل جاتی ہیں اور ایسے ٹرک اور وین بھی جو ایک گیلن میں ۳۵ میل سفر کرتے ہیں۔ آٹو کمپنیوں نے بتایا ہے کہ ۱۹۸۷ء وہ بہترین سال تھا جس میں فی میل کم سے کم پٹرول خرچ ہوا۔ یہ رونالڈ ریگن کا دور حکومت تھا۔ اس زمانے میں ایک اوسط درجے کی کار نے ایک گیلن میں ۲۶ میل کا فاصلہ طے کیا لیکن اس ماحول دوستی کے آٹھ سال بعد جب بل کلنٹن آئے اور انہوں نے وعدہ کیا کہ ان کے صدارتی دور کے آخر تک گاڑیاں چالیس میل فی گیلن کی شرح سے چلنے لگیں گی تو یہ شرح کم ہو کر ۲۴۷ گیلن رہ گئی۔ جنرل موٹرز نے کلنٹن کے افتتاح پر واشنگٹن میں ایک نہایت پرتکلف دعوت دی تھی، میرا خیال ہے، یہ بات قدرے ناگوار ہوگی کہ اس میزبان کو جس نے آپ کے اعزاز میں دعوت دی، پریشان کیا جائے۔

کاریں بنانے والے تین بڑے اداروں کے لیے کلنٹن کا سب سے بڑا تحفہ یہ تھا کہ انہوں نے عام مسافروں پر سے فی میل پٹرول بچت کی شرط اٹھا دی۔ اس استثنا کی وجہ سے ان پٹرول خوروں نے یومیہ ۲ لاکھ ۸۰ ہزار گیلن پٹرول زائد خرچ کرنا شروع کر دیا۔ بش انتظامیہ اس بات پر زور دے رہی ہے کہ قطب شمالی، الاسکا میں، جونیشنل پریذرو (National Preserve) یعنی ماحول کے تحفظ کا علاقہ ہے، وہاں بھی تیل کے لیے کھدائی شروع کر دی جائے، اس مطالبے کا ایک سبب پٹرول کی بڑھتی ہوئی مانگ ہے۔ بش کا بیان ہے کہ وہاں کھدائی سے ہر روز پانچ لاکھ اسی ہزار بیرل تیل نکلنے لگے گا، اس طرح سڑکوں پر بھاری گاڑیوں کی آمدورفت دگنی ہو جائے گی۔

اب اس پر غور کیجئے! میری منی وین نے گیلن فی میل کا جو معیار قائم کیا ہے اگر کلنٹن بھاری گاڑیوں کو اس معیار کا پابند کر دیتے۔ (اس میں چند میل فی گیلن کا اضافہ ممکن تھا) تو آج بش کے پاس الاسکا میں تیل کے لیے کھدائی کا جواز باقی نہ رہتا۔

سڑک پر ان دیوہیکل گاڑیوں کی موجودگی میں، اب میں سامنے سے گزرنے والی گاڑیوں کے اوپر سے نہیں دیکھ سکتا۔ یہ اتنی بھاری بھرکم اور ہراساں کر دینے والی ہیں کہ ایسا لگتا ہے کہ اٹھارہ پہیوں والی کوئی ہیبت ناک چیز سڑک پر آ گئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس کا

حاصل کیا ہے؟ فو مٹانا میں کسی کو اس سے کیا فائدہ ہوگا اور مزید یہ کہ ان گاڑیوں کے اندر بیٹھے ہوئے فضول خرچ نو دولتئے میں ہٹن چوک پر) سڑکوں پر گاڑیاں چلا کر کیا لے لیں گے؟

سرکردہ امریکی سائنسدانوں کے ایک پینل نے جون ۲۰۰۱ء میں یہ بتایا تھا کہ کرۂ ارض پر بڑھتی ہوئی حدت(Global Warming)ایک حقیقی مسئلہ ہے اور وہ حدت بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ انہوں نے اپنی تحقیق کی بنا پر بش دوئم اندرون وہائٹ ہاؤس سے درخواست کی کہ زمینی ماحول کی اس حدت کی بڑی وجہ انسانی سرگرمیاں ہیں، جس کے نتیجے میں ہمارے لیے سنگین خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ یہ حدت گیارہ ماحولیاتی سائنسدانوں کی تحقیق ہے (جن میں وہ بھی شامل ہیں، جنہیں ماضی میں مسئلہ کی اس وسعت کا اندازہ نہیں تھا۔)

اس تحقیق نے منظر عام پر آنے کے بعد جارج بش کو (میں تو خوب مزے سے سوتا ہوں) مشکل میں ڈال دیا ہے۔ بش نے اور ان کی انتظامیہ کے دیگر ارکان التزاماً ''گلوبل وارمنگ'' کی اصطلاح کے استعمال سے گریز کرنے لگے اور بار بار اس خیال کے بارے میں شک ظاہر کرنے لگے کہ ہوا میں کثافت کی وجہ سے ہی ماحول خطرناک طور پر گرم ہو رہا ہے۔ بش نے جولائی ۲۰۰۱ء میں اس وقت بین الاقوامی لیڈروں کی بڑی توہین کی، جب اس نے کیوٹو پروٹوکول (Kyoto Protocol) کو رد کر دیا۔ اس معاہدے کو ابتداً ۱۶۰ ملکوں نے مشاورت کے بعد منظور کیا تھا اور ماحول کی قوت کو کم کرنے کا تہیہ کیا تھا، (اس معاہدے میں امریکہ بھی شامل تھا لیکن اب بش کے اپنے سائنسدان یہ کہہ رہے ہیں کہ کرۂ ارض ایک بھیانک تباہی کی طرف جا رہا ہے۔)

جی ہاں! مجھے نہیں معلوم، ممکن جواں سال بش نے اس میں بھی کوئی نکتہ پالیا ہو۔ بہر حال مجھے گرم ہی اچھا لگتا ہے۔ سفاک سرمایوں کی سرزمین مشیگن سے آتے ہوئے جہاں سارا موسم گرما تین ہفتے رہتا ہے، میں تو اس موسمی حرارت سے لطف لیتا ہوں۔ لوگوں سے پوچھ لو۔ کیا وہ ساحل پر ایک خوشگوار گرما گرم دن کو پسند کریں گے یا منجمد کر دینے والے موسم کو جب زبانیں دانتوں میں چپک کر رہ جاتی ہیں اور میں شرط لگا کر کہتا ہوں کہ دس میں سے نو امریکیوں نے پہلے ہی گاڑیوں میں گرمی کے اسباب رکھ لئے ہیں، شیشوں پر شیڈ چڑھا دیئے ہیں، اس کے بعد اگر گاڑی ۱۲۵ میل کی رفتار سے جا رہی ہو تو سن اسکرین کی ضرورت بھی کیا ہے؟

گزشتہ گرما میں کوئی ایسی ہی بات ہوئی، جس سے مجھے کچھ صدمہ ہوا۔ نیویارک ٹائمز نے یہ خبر دی کہ قطب شمالی کی معلوم تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا کہ وہاں برف پگھلنے لگی۔ بہت سے سائنسدان، جہاز میں سوار دنیا کی سب سے بلند سطح پر جا پہنچے اور برف غائب ہو گئی۔ اس خبر نے ایسا خوف و ہراس پیدا کیا کہ چند ہی دنوں کے اندر ٹائمز کو ایک تصحیح شائع کرنی پڑی کہ برف کا کرہ سچ مچ پگھل نہیں رہا تھا، برف ذرا سی نرم ہو گئی تھی۔ ٹھیک مجھے یاد ہے کہ اس طرح انہوں نے پچھلی مرتبہ معاملے کو گول مول کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ ۱۹۹۰ء کا عشرہ تھا۔ انہوں نے بتایا کہ ایک بڑا شہاب زمین سے ٹکرانے کے لیے تیزی سے آ رہا ہے اور یہ واقعہ آئندہ بیس سال کے اندر رونما ہوگا لیکن ایک بار پھر انہوں نے اپنی خبر واپس لے لی لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم خبروں کو اس طرح کی واپسی کے در پردہ مفہوم کو سمجھنے لگے ہیں۔ مقتدر لوگ ہمیں یہ کبھی نہیں بتائیں گے کہ خطرہ سر پر آ گیا ہے۔ انہیں عام لوگوں کی بھگدڑ اور اس کے نتیجے میں سالانہ خریداری کے لیے آرڈر منسوخ ہونے کا خطرہ لاحق ہوتا ہے۔

گزشتہ برفانی عہد، کرۂ ارض پر درجہ حرارت میں صرف نو درجے کے برابر تبدیلی کا نتیجہ تھا۔ اب ہم اس کے نصف تک پہنچ گئے ہیں۔ بعض ماہرین کا دعویٰ ہے کہ آئندہ صدی میں ہی درجہ حرارت ۴.۱ تک پہنچ جائے گا۔ وینزیلا میں اس ملک کے چھ گلیشیر ۱۹۷۲ء سے پگھل رہے ہیں۔ کلمنجا دو کے مشہور زمانہ برف زار تقریباً ختم ہو چکے ہیں۔ کیپ ہیٹرس میں روشنی کا جو مینار ۱۸۷۰ء میں تعمیر کیا گیا تھا۔ وہ سمندر کے ساحل سے ۱۵۰۰ فٹ کے فاصلے پر تھا۔ اب سمندر کی لہریں بلند ہو کر اس سے ۱۶۰ فٹ کے فاصلے تک پہنچ گئی ہیں۔ اب اس مینار کو یہاں سے خشکی پر کچھ اور پیچھے لے جانا ہوگا۔

قطب شمالی کی برفیلی چوٹیوں کو پگھلنے کے نتیجے میں سمندر کی سطح تیس فٹ تک بلند ہو سکتی ہے، جس کے نتیجے میں تمام ساحلی شہر غرق ہو جائیں گے۔ اس کے ساتھ فلوریڈا کی پوری ریاست (اس کے پولنگ بوتھ اور سب کچھ) نابود ہو جائیں گے۔ میرا اندازہ ہے کہ اس میں نیویارک اور لاس اینجلز بھی اچھی طرح رگڑے جائیں گے لیکن پورے مین ہٹن پر سمندر کے نمکین پانی کا پھیل جانا، اس کہانی کا تو میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔

فلوریڈا کے تذکرے سے یاد رہے کہ اس کے خراب حالات کی ذمہ دار یہ بھی

ہے۔ کیوں؟ اس کے بارے میں مسٹر فربون سے پوچھیے۔ ایئر کنڈیشننگ کے رواج سے پہلے فلوریڈا اور باقی جنوب میں بھی چھدری چھدری آبادی تھی۔ تپش اور حبس کی کیفیت قابل برداشت تھی۔ میرا مطلب یہ تھا کہ تم ٹیکساس میں یومیہ ایک سو درجہ حرارت میں رہتے ہوئے، بس چل پھر سکتے تھے نیو آرلینز میں ہوا اتنی بوجھل ہے کہ تم بمشکل سانس لے سکتے ہو۔ اس لئے جنوب کے لوگ بولنے میں الفاظ کو اس طرح کھینچ کر ادا کرتے ہیں کہ ان کی گفتگو سمجھ میں نہیں آتی اور اس پر حیرت بھی نہیں ہوئی۔ نئے خیالات سامنے نہیں آئے اور تہذیب کو آگے لے جانے کے لیے جنوب کی طرف سے کوئی نمایاں پیشکش نہیں ہوئی، (اس میں چند ممتاز لوگ شامل ہیں، للیان ہل مین، ولیم فاکنر، آر جے رینالڈز، جب گرمی شدید ہو تو پڑھنا تو دور رہا، سوچ بھی کون سکتا ہے۔

گلوبل وارمنگ میں کیسے زندہ رہا جائے

☆ گھریلو استعمال کی ان اشیاء کو اپنی نظر میں رکھئے، جنہیں برف پگھلنے کی صورت میں تیرنے کے لیے چھوڑ دیا جائے، منتھک کی بنی ہوئی چیزوں پر خاص توجہ کیجئے جن پر پانی کا اثر نہیں ہوتا۔

☆ باہر دیکھنا نہ بھولو۔ تمہاری واٹر پروف کرسیاں بھی سمندر میں اس طرح تیرتی آئیں گی جیسے تمہارے مکان کے عقبی تالاب میں ہوں۔ کون کہتا ہے کہ قطب شمالی میں برف کے پگھلنے سے جس تباہی کا اندیشہ ہے وہ لطف سے خالی ہوگی۔

☆ نقشے میں اپنے علاقے کے جغرافیائی محل وقوع کا جائزہ لو اور یہ دیکھو، سب سے اونچی جگہ کون سی ہے اور وہاں تک پہنچنے کا قریب ترین راستہ کہاں ہے۔ فرار کی مشقیں کرتے رہو۔

☆ زپ والے تھیلوں اور واٹر پروف کیمروں میں سرمایہ کاری کرو۔

☆ مقامی وائی ایم سی اے (ینگ مین کرسچین ایسوسی ایشن) سے رابطہ کرکے تیراکی سیکھو۔ پانی میں چلنے کی ہدایات پر بطور خاص توجہ دو۔

☆ اپنی تعطیلات گزارنے کا منصوبہ فلوریڈا سے مونٹانا منتقل کر دو۔ بچوں سے بھی کہہ دو کہ ڈیٹونا کے ساحل کے بجائے بوائس چلنے کی سوچیں۔

اس ہولناک گرمی کے پیش نظر ایئر کنڈیشنر کی ایجاد سامنے آئی اور اچانک محسوس ہوا کہ جنوب میں بیٹھ کر بھی کچھ کام ہوسکتا ہے۔ سارے علاقے میں فلک پیا عمارتیں تعمیر ہونے لگیں اور شمال کے لوگ جو سردی سے بیزار ہو چکے تھے جوق در جوق جنوب کی طرف پہنچنے لگے۔ انہیں اندازہ ہوا کہ تم اپنی ایئر کنڈیشنڈ گاڑی میں بیٹھ کر کام پر جا سکتے ہو۔ ایئر کنڈیشنڈ دفتر میں بیٹھ کر تمام دن کام کر سکتے ہو۔ ایئر کنڈیشنڈ کالج میں بیٹھ کر باربی کیو اور دیگر تفریحات کے منصوبے بنا سکتے ہو۔

اس سے پہلے کہ ان باتوں کا ہمیں علم ہوتا، جنوب اٹھ چکا تھا اور اس نے ملک کو اپنی مرضی سے چلانا شروع کر دیا تھا۔ آج قدامت پرستی کے نظریے نے جو جنوب کے وفاق میں پیدا ہوا تھا، پورے ملک میں گرفت میں لے لیا ہے۔ اب حکم صادر ہوا ہے کہ تمام پبلک مقامات پر ٹین کمانڈمنٹس (مسیحیت کے دس احکام) لکھ کر لگائے جائیں۔ مسیحیت کی تعلیم کے ساتھ سکولوں میں عبادت کی پابندی پر زور دیا جائے، کتابوں پر پابندی لگائی جائے، جو وفاقی (شمالی) حکومت کے خلاف نفرت پھیلاتی ہیں، حکومتی اور سماجی خدمات میں تخفیف کی جائے۔ جنگ کے لیے بڑھتی ہوئی طلب کہ ایک پل کی پیشگی اطلاع پر آمادہ جنگ ہو جائیں اور اس بات کے لیے بے چین رہنا کہ کوئی مسئلہ ہو تو اسے تشدد سے حل کریں۔ یہ ہیں ''نئے'' جنوب کے منتخب قانون سازوں کی امتیازی خصرحیات۔ کنفیڈریشن نے بالآخر سول وار جیت لی۔ ایک کامیابی جس کا مدتوں سے انتظار تھا، احمق امریکی (سول وار میں شمال کے امریکی) جنہیں پانچ ہزار بی ٹی یو (بھاری موٹر گاڑیوں) اور آئس میکر کا لالچ دے کر حاصل کر لی گئی۔

جنوب کی اچھی باتیں

جنوب کا جو چہرہ میں نے پیش کیا ہے، یعنی پسینے میں لت پت مزدور اور آئندہ زمانے کا تجارتی مرکز تو اپنے بیان کو متوازن بنانے کے لیے مجھ سے کہا گیا ہے کہ ایک فہرست ان باتوں کی پیش کروں جن کے لیے ہمیں جنوب کا شکر گزار ہونا چاہیے، تو وہ یہ ہے:

☆ بڑے گوشت کے خشک پارچے

☆ لیمونڈ
☆ فینسی گیندیں
☆ شائستہ آداب
☆ دیہاتی موسیقی
☆ جھولنے میں اونگھنا
☆ حسن کی ملکائیں
☆ میکائیل جورڈن
☆ وال مارٹ
☆ گھڑیال سے زور آزمائی
☆ والٹ ڈزنی ورلڈ

اب تو جنوب کی ہی عملداری ہے اور اگر اب بھی آپ کو یقین نہیں آتا تو گزشتہ چار صدارتی انتخابات کو دیکھ لیجئے۔ اگر آپ کامیاب ہونا چاہتے تھے تو آپ کو جنوب میں پیدا ہونا چاہئے تھا یا اس کو اپنا آبائی وطن مان لیتے۔ دراصل پچھلے صدارتی انتخابات میں کامیاب (یا سپریم کورٹ کا نامزد کردہ فرد) وہی ہوا ہے، جس کے قدم جنوب میں یا مغرب میں مضبوطی سے جمے ہوئے ہوں، قوم کی قیادت کے لیے شمال سے کوئی فرد منتخب نہیں ہوسکتا۔

ایئر کنڈیشنگ نے ہر بات کو ممکن بنا دیا ہے اور اب جبکہ جنوب کی طرف معتدل موسم کا دروازہ کھل گیا ہے، اب یہاں سے جنوب کی گرم ہوائیں ساری دنیا کے لیے برآمد ہوں گی اور اس کے لیے اوزون کی چادر میں سوراخ کرنا ہوگا جو ایک حقیقت ہے، یہ سوراخ قطب شمالی کے اوپر بن گیا ہے اور اپنے طول وعرض میں یہ یورپ سے ڈھائی گناہ بڑا ہے۔

فضا میں یہ اوزون کی تہہ ہمیں عنابی ریڈیائی لہروں سے محفوظ رکھتی ہے، جس سے ہمیں کینسر ہوسکتا ہے اور موت واقع ہوسکتی ہے، ہم نے جو اس تہہ میں سوراخ کر دیا ہے وہ کلورونیٹڈ فلوروکاربن سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ مخصوص کیمیاوی مادے ایئر کنڈیشنز اور ریفریجریٹر میں استعمال ہوتے ہیں اور ایکروسول کے ڈبے بنانے میں کام آتے ہیں، جب یہ کیمیاوی اجزاء فضا میں پہنچتے ہیں اور برقی لہروں مثلاً ریڈیائی لہروں سے ٹکراتے ہیں، تو ایسے مراکبات پیدا ہوتے ہیں جو اوزون کو تباہ کر دیتے ہیں۔ اوزون کو غارت کرنے والا سب

سے بڑا عنصر سی ایف سی (CFC) ہے، کار کا ایئر کنڈیشنگ یونٹ، امریکیوں کے سفر کا سب سے محبوب ساتھی۔

اس سے مجھے ایک اور چیز یاد آئی جو نوجوان امریکیوں کی ناگزیر ضرورت ہے اور وہ ہے بوتل بند پانی، نل سے یا چشمے سے مفت پانی لے کر کیوں پیو، جب تم اس چیز کے ایک ڈالر اور بیس پنس دے سکتے ہو۔ جو پلاسٹک کی بوتل میں مل جائے گا جو تمہارے اطمینان کے لیے بعد میں ری سائیکل ہو جائے گی۔

میں نیو یارک میں ہمیشہ بوتل کا پانی نہیں پیتا۔ دراصل مجھے ہمیشہ اس عوامی حکایت پر بڑا یقین رہا کہ نیویارک میں پانی کی فراہمی کا نظام، دنیا میں سب سے زیادہ صاف ہے۔ معلوم ہوا کہ پانی کو بجائے خود اکٹھا کر کے کیٹل کل اور اپر ہڈسن دریا کے علاقوں میں ذخیرہ کیا جاتا ہے۔ تعداد میں یہ بائیس ذخائر کھلی چھت والے ہوتے ہیں۔ یہاں سے پانی کو وسیع پیمانے پر نل کے ذریعے لایا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ بہت صاف اور پاکیزہ معلوم ہوتا ہے لیکن ایک رات، ایک دوست کے یہاں دعوت میں ایک شناسا نے یہ بتایا کہ ''جب بھی موقع ملتا ہے، وہ خود اور اس کے گھر کے لوگ کروٹن کے آبی ذخیرے پر واقع اپنے کیبن تک پہنچ جاتے ہیں۔''

میں نے پوچھا، ہمارے پانی کے ذخیرے کے عین کنارے آپ اپنا کیبن کیسے بنا سکتے ہیں؟

''نہیں، یہ آبی ذخیرے کے اوپر نہیں ہے۔ یہ سڑک کے دوسری طرف ہے۔''

آپ کا مطلب یہ ہے کہ ہم جو پانی پیتے ہیں اس کے گرد کوئی شاہراہ تعمیر کی گئی ہے؟ سڑک سے پیدا ہونے والی کثافت کے بارے میں کیا خیال ہے اور انجن سے ٹپکنے والا تیل اور پہیوں کی رگڑ سے نکلنے والا کچرا؟

''پانی ایک بار نیویارک سٹی پہنچ جائے تو پھر اس کو جراثیم سے پاک کر دیتے ہیں۔'' اس نے جواب دیا، میں نے احتجاج کیا، آپ ہر چیز کو، جو یہاں آ جائے پاک نہیں کر سکتے۔'' (جب تک یہ پانی نیو یارک پہنچے، تمام جراثیم کش اسباب جو انسان کو میسر ہیں اور اس کے علم میں ہیں، جارحانہ جذبے کے ساتھ سرگرم عمل ہو چکے ہوں گے۔'' یہ کہنے کے بعد اس نے نہایت خوشی اور سرشاری کی کیفیت کے ساتھ یہ بتانا شروع کیا کہ آبی ذخیرے

کے گرد کشتی رانی کتنا خطرناک تجربہ ہے۔

''کشتی؟'' میں چیخ پڑا۔تم میرے پینے کے پانی میں کشتی چلاتے ہو؟

''جی ہاں، اور مچھلی بھی پکڑتا ہوں۔ ریاست نے ہمیں اجازت دی ہے کہ اپنی کشتی کنارے پر ہی رکھیں۔

یہ اس وقت ہوا، جب ایویان (Evion) کے معاملات میرے اپارٹمنٹ میں آنے لگے۔

یہ ٹھیک ہے کہ بوتل بند پینے کا پانی (اس کی اذیت ناک قیمت کے علاوہ) کچھ ایسا ہے کہ یہ ایک پل کے لیے مجھے خالی ڈبوں کی ری سائیکلنگ کی طرح امریکہ میں پانی کی صورتحال کے بارے میں بھی کچھ سوچنے نہیں دیتا۔ جب تک میں اس قابل ہوں کہ اپنی کافی تعداد میں کتابیں بیچ کر ''فرانسیسی'' چشمے کا پانی پی سکوں، اس وقت تک میں کیوں یہ سوچ کر اپنا وقت ضائع کردوں کہ ہڈسن دریا میں جنرل الیکٹرک نے کیا کچھ ڈال رکھا ہے۔ سینکڑوں سال پہلے انڈینز اپنی غلاظت ہڈسن میں ہی پھینکتے تھے اورابتداء میں آنے والے آباد کار دریا کو گندے پانی کی مسلسل بہتی ہوئی نالی کے طور پر استعمال کرتے تھے اور دیکھو ذرا اس عظیم الشان شہر کی طرف جسے انہوں نے تعمیر کیا۔

مین ہٹن چاپنوں کے لیے بہترین جگہ ہے۔ چند سال پہلے تک مجھے یاد نہیں کہ اپنی بالغ عمر میں بڑا گوشت نہ کھایا ہواور اکثر تو دن میں دوبارہ اس کے بعد کسی واضح سبب کے بغیر، میں نے بڑا گوشت کھانا چھوڑ دیا۔ گائے کے گوشت کا ایک لقمہ تک میں نے چار برس میں نہیں کھایا، مجھے یہ بتانا ہے کہ وہ میری صحت مندانہ زندگی کے چار بہترین سال تھے (نوٹ: میرے جیسے لوگ صحت مند کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ ''میں مرا نہیں تھا'')

پانی کے ساتھ دیگر اضافی اشیاء

حکومت فی الحال پانی کی فراہمی میں فلورائڈ ملاتی ہے، اس کے علاوہ بہت سی کمپنیاں اپنی مصنوعات میں کیفین، وٹامنز، پھلوں کا ست اورنظر نہ آنے والے جراثیم ملا کر بوتل میں بند کرتی ہیں لیکن کیا وہ اس سے بہتر کام نہیں کرسکتیں؟ ایسی چیز کو کیوں بند کر دیتی ہیں، جن کے لیے دندان ساز کہتے ہیں کہ آپ کی صحت کے لیے مفید ہے۔اس کے علاوہ ٹوتھ پیسٹ میں بھی

فلورائیڈ ہوتا ہے۔ پانی کو ان پسندیدہ ذائقوں میں کیوں نہ پیش کریں۔

☆ بڑے گوشت کا سوپ

☆ چٹخارے دار مسالہ(Tex mex)پروز یک اضافے کے ساتھ

☆ مزے دار چیزیں ٹماٹر کا جوس کول رینج (لائٹ)

☆ بڑا گوشت کہاں ہے؟ کہیں نہیں، ہندو کیسے بنیں

ہندو ازم کے دائرے میں داخل ہونے کے لیے روایتی طور پر ہندو عقائد قبول کرنے اور اس کے مطابق زندگی گزارنے سے زیادہ کچھ اور باتیں بھی ہیں۔ انہی میں ایک عقیدہ یہ ہے کہ گائے کا مقدس ماں کی طرح احترام کرنا چاہئے کیونکہ وہ زندگی بخش دودھ دیتی ہے لہٰذا گائے کو ذبح کرنا خلاف مذہب ہے۔ عام طور پر ہندو بننے کے لیے درج ذیل تدبیریں ضروری ہیں۔

☆ ہندوؤں کی عبادت گزار برادری میں شامل ہو جایئے۔ آپ کو اپنے قریب یہ برادری مل جائے گی۔

☆ ہندو ازم کا دوسرے عقائد کے ساتھ تقابلی مطالعہ کیجئے۔

☆ پنے بدلے ہوئے عقائد کے بارے میں پہلے عقیدے کے نمائندوں سے بحث کیجئے اور اپنی سابقہ مذہبی تنظیم سے ایک خط اس مضمون کا حاصل کر لیجئے کہ آپ نے مذہب ترک کر دیا ہے۔

☆ بپتسمہ کی رسم میں شامل ہوکر ایک ہندو نام اختیار کر لیجئے۔

☆ ایک مقامی اخبار میں تین دن تک اس مضمون کا اشتہار شائع کرایئے کہ آپ نے کن اسباب کی بنا پر اپنا گزشتہ مذہب ترک کر دیا اور نیا نام اختیار کر لیا ہے۔

☆ کسی مصدقہ ہندو پجاری سے اس مضمون کا صداقت نامہ حاصل کر لیجئے جس میں آپ کے نئے مذہب اختیار کرنے کی تصدیق کی گئی ہو۔

ممکن ہے، میں نے اوپراہ ونفری کو اپنے شو میں جو ۱۹۹۶ء میں ہوا تھا۔ میڈ کاؤ ڈریزیز (پاگل گائے) کی خبر سن کر یہ اعلان کرتے سن لیا ہو کہ اس کے بعد میں نے دوسرا

برگر نہیں کھایا۔ انہی دنوں اوپراہ کو اتنی ہی خطرناک دھمکی سننی پڑی۔ ٹیکساس کے گلے بانوں نے اس کے خلاف ایک کروڑ ۲۰ لاکھ ڈالر کا دعویٰ دائر کر دیا۔ (مقدمہ کرنے والوں میں گوشت اور گلہ بانی کے پرانے طرفدار موجود تھے جنھوں نے میڈ یاؤ ڈیزیز کے خطرناک عوامل پر گفتگو کی۔ انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ اوپراہ اور ہواڈالے مین نے ٹیکساس کے قانون کی خلاف ورزی کی ہیم جس کے تحت جلد خراب ہوجانے والی غذائی اشیاء کے خلاف جھوٹی اور منفی باتیں کرنے کی ممانعت تھی۔ یاد رہے کہ وہ گفتگو اوپراہ نے ایک اوپیرا میں کی تھی ''جہاں اسے دوسرا برگر کھانے سے روک دیا گیا تھا۔ میں نے نہیں کہا تھا، یہاں بھلا کوئی چاہے گا کہ اس کے خلاف مقدمہ دائر ہو۔ اوپراہ نے ۱۹۹۸ء میں مقدمہ جیت لیا۔ پھر اس نے ٹیکساس میں انہی لوگوں سے اپنی سینگ پھنسانے کے لیے یہ اعلان کیا کہ میں اب بھی ہیم برگر سے دور ہوں۔'' دوسری طرف میں بدقسمتی سے کوڑے گاڑی سے نیچے ٹپک پڑا اور بے چاری یلسی (Elsie) کو کبھی کبھار چکھتا رہا، تم سوچتے ہوگے کہ میں نے سن ۷۱ء کی نصف دہائی میں سبق سیکھ لیا ہوگا، جب گوشت کے بجائے، میں آتشی کھانے کھاتا رہا۔

مشیگن کے لاکھوں باشندوں کی طرح میں نے ایک سال تک پی بی بی کھاتا رہا، یعنی ناہضم کرتارہا۔ یہ وہ کیمیکل ہے جو بچوں کے پاجامے میں استعمال ہوتا ہے اور مجھے اس کا علم ہی نہیں تھا۔ یہ پی بی بی ایک مقبول عام شے کی صورت میں آیا، جس کا نام فائر ماسٹر تھا، سے وہی کمپنی بناتی تھی جو اتفاق سے جانوروں کا چارہ بھی تیار کرتی تھی۔ ایک مرتبہ انہوں نے اتفاق سے تھیلے آپس میں گڈمڈ کر دیئے اور وہ سب آتش اجزا جن پر فنڈ چارہ (Feed) کا لیبل لگا ہوا تھا، مشیگن کے ایک مرکزی تقسیم کار کو بھی بھیج دیئے، جو ریاست کے تمام کیٹل فارم کو چارہ فراہم کرتا تھا۔ پھر تو یہ ہوا کہ گائیں پی بی بی کھانے لگیں اور ہم ان گایوں کا گوشت کھانے اور ان کا دودھ پینے لگے جن میں پی بی بی خوب بھرا ہوا تھا۔

پی بی بی کے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ جسم سے خارج نہیں ہوتا اور نہ پوری طرح ختم ہوتا ہے۔ یہ معدے اور نظام ہضم میں موجود رہتا ہے۔ جب اس گڑبڑ کا راز کھلا تو مشیگن کے لوگوں میں زبردست اشتعال پھیل گیا۔ (معلوم ہوا کہ مشیگن کی ریاست نے اس گھپلے کی خبر لوگوں سے سختی سے دبا کر رکھی تھی۔) پھر تو بہت سے سروں کا جھٹکا ہوا، سیاستدان عہدوں سے نکال باہر کئے گئے اور ہم کو یہ بتایا گیا کہ پی بی بی پر کس طرح کا اثر ڈالے گی۔

سائنسدان اس بارے میں کچھ نہیں کر سکتے اور غالباً آئندہ پچیس سال تک اس بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکے گا۔

چلئے، ایک چوتھائی صدی تو گزر گئی اور میرے خیال میں اچھی خبر یہ ہے کہ میرے معدے میں کبھی آگ نہیں بھڑکی لیکن میں تمام تر تشویش میں مبتلا بیٹھا ہوں۔ اس انتظار میں کہ دیکھیں گائے کا دوسرا کھر کب آ کر گرتا ہے۔ مجھے سنٹریلیا، پینی سلوانیا کے لوگوں کا رہ رہ کر خیال آتا ہے، جہاں کے لوگ اپنے یومیہ کاروباری زندگی میں مصروف رہے، جبکہ درپردہ ان کے اندر مسلسل سالہا سال تک آگ بھڑکتی رہی۔ سائنس کے پاس ہر بات کا جواب نہیں ہوتا۔ کیا مشیگن کے لاکھوں باشندے ایسے سرطان کا شکار ہوتے جائیں گے کہ بدن پر قطار در قطار پسو لپٹے ہوں گے یا دودھ کی بالٹی کو لات مارنے لگیں گے یا یہ ہوگا کہ ہمارے دماغ ماؤف ہو جائیں گے اور انجانے میں ایک ایسے امیدوار کے لیے کام کرنے لگیں گے، جو کامیاب تو نہیں ہو سکتا لیکن اس کے بدلے میں خاصا نقصان پہنچا سکتا ہے۔

میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں اور کسی اور کے پاس بھی نہیں اگر تم مشیگن کے کسی باشندے کو جانتے ہو (اور مجھے یقین ہے کہ ۱۹۸۰ء کے عشرے میں ریگن کی لائی ہوئی دربدری کے نتیجے میں کوئی ایسی صورت نظر آ جائے گی، جہاں تک تمہاری آواز پہنچ سکے) تو اس سے پوچھ لو کہ پی بی بی کیا ہے اور دیکھو کہ اس کا چہرہ کس طرح راکھ کی طرح سفید ہو جاتا ہے۔ یہ ایک راز، معمولی سا لیکن گندا جسے ہم زیر بحث لانا نہیں چاہتے ہیں، لیکن اس وقت گائے کی پیدا کی ہوئی وحشت سے زیادہ خطرہ، جس کی کوئی ریاستی اور علاقائی سرحدیں نہیں اور جو اس قابل ہے کہ کوئی مسخرا گھنٹی کی طرح اسے اپنے گلے میں باندھے، وہ ہے میڈ کاؤ۔ (پاگل گائے)

نسل انسانی کو درپیش یہ سنگین ترین خطرہ ہے۔ ایڈز سے بھی زیادہ خطرناک، طاؤن سے بھی زیادہ، دانتوں میں پھنسے ہوئے ریشے کو صاف نہ کرنے سے جو خطرہ پیدا ہوتا ہے، اس سے بھی زیادہ خطرہ۔

میڈ کاؤ بیماری کا کوئی علاج نہیں۔ اس سے بچاؤ کا کوئی ٹیکہ نہیں۔ یہ بیماری جسے لگ جائے، مر جاتا ہے، اس میں کوئی استثنا نہیں، بڑی پر ہول اور اذیت ناک موت ہوتی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ بیماری خود انسانوں کی پیدا کردہ ہے۔ انسان کے

ایک لمحاتی جنون کی کیفیت میں جبکہ ہم نے معصوم گایوں پر الزام دھر دیا اور انہی کو مردم خور بنا دیا۔ یہ شروع کیسے ہوا؟ دو محقق پاپوانیوگنی یہ معلوم کرنے کے لیے گئے کہ انسانوں کا گوشت کھانے سے کیا اثرات نکلتے ہیں اور اس کے نتیجے میں پاپوا کے بہت سے باشندے پاگل کیسے ہو گئے۔ انہوں نے تحقیق سے معلوم کیا کہ یہ لوگ ایک ایسے مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں، جن سے دماغ ماؤف اور اس کے اثرات خون میں اسفنج کی طرح نمودار ہوتے ہیں،۔ یہ ہے ٹی ایس ای (TSE) مقامی باشندے اسے کورو کہتے ہیں، ٹی ایس ای میں یہ ہوتا ہے کہ ہلاکت خیز پروٹینز، دماغ کے خلیوں کو جونک کی طرح لگ جاتے ہیں اور انہیں غیر معمولی شکلیں دیتے ہیں۔ اچھے پروٹینز تو ٹوٹ کر خون میں شامل ہو جاتے لیکن یہ دشمن پروٹینز عصبی نظام کے خلیوں کو تہہ و بالا کر دیتے ہیں اور دماغ سوراخوں سے بھر جاتا ہے، جیسے پرانی سوئس گاڑی کے سال خوردہ پہیے۔

معلوم ہوا کہ یہ بیماری پاپوانیوگنی میں مردم خوری کے نتیجے میں پیدا ہوئی۔ بظاہر اس کے آغاز کے بارے میں کوئی نہیں جانتا کہ یہ کہاں سے پھیلی، لیکن ایک بار انسانی جسم میں اگر یہ پہنچ جائے تو سارے وجود کو تہہ و بالا کر دیتی ہے۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ جسے یہ بیماری لگ چکی ہو اس کا ذرا برابر گوشت بھی دوسری گایوں میں اپنے جراثیم پھیلا سکتا ہے، اس گوشت سے فسادی عناصر جونہی خارج ہوتے ہیں وہ ایک طوفانی لشکر کی طرح سیدھے دماغ کا رخ کرتے ہیں اور جو کچھ راستے میں نظر آئے اسے ہڑپ کر جاتے ہیں اور اس کا ایک ناقابل یقین پہلو بھی ہے۔ تم انہیں ہلاک نہیں کر سکتے کیونکہ وہ زندہ ہی کب ہیں۔

یہ بیماری سب سے پہلے برطانیہ کے ایک فوڈ چین (غذائی اشیاء کی فراہمی کے مراکز) سے پھیلی۔ پہلے یہ ایک بھیڑ کو لگی اور پھر گایوں تک پہنچ گئی، ہوا یہ کہ ان کے چارہ میں بھیڑ اور گایوں کے گوشت پیس کر شامل کئے گئے تھے۔ یہی گوشت برطانیہ کے شہریوں میں تقسیم ہوا۔ یہ مرض جسم میں تیس سال تک بے حس رہ سکتا ہے تا آنکہ اپنا عذاب لے کر ٹوٹ پڑتا ہے۔ ۱۹۹۶ء میں جب دس نوجوان اس مرض سے ہلاک ہو گئے تو اس کے بعد ہی برطانوی حکومت نے یہ اقرار کیا کہ گوشت کی فراہمی میں کہیں کوئی غلطی ضرور ہے؟ جی ہاں، کوئی غلطی جس کا شک دس برس بعد ہوا۔

اس مرض کو بنیادوں سے ختم کرنے کا حل برطانیہ کے نزدیک یہ ہے کہ جس گائے پر

کورو میں یا میڈ کاو ڈیزیز میں مبتلا ہونے کا شک ہو، اسے جلا دیا جائے لیکن اسے جلا دینے سے خطرہ ختم تو نہیں ہو جاتا جیسا کہ میں نے کہا، تم اسے ہلاک نہیں کر سکتے۔ اس کا دھواں اور راکھ کسی نئی جگہ اڑ کر پہنچ جائیں گے اور انگریز کے ڈنر ٹیبل تک پہنچنے کے راستہ نکال لیں گے۔

امریکی شہری اس ہلاکت خیز مرض سے محفوظ نہیں۔ بعض ماہروں کا اندازہ ہے کہ تشخیص سے جن دو لاکھ شہریوں میں ضعف اعصاب اور حافظہ ختم ہو جانے کی شکایت پائی گئی ہے وہ دراصل کوئی ناپسندیدہ پروٹین اپنے جسم میں رکھتے ہوں گے، جس کے نتیجے میں ان کی یادداشت جاتی رہی اور حقیقتاً یہ بھی میڈ کاؤ، ڈیزیز کی ایک قسم ہوگی۔

برطانیہ اور کئی دیگر ملکوں نے بھی جانوروں کو انہی کی قسم کا گوشت کھلانے پر پابندی لگا دی ہے اور اس بات پر بھی کہ انسانوں کی بچی ہوئی خوراک اور دیگر چیزیں، جانوروں کے فارم پر استعمال نہیں کی جاسکیں گی۔

امریکہ میں غذا اور ادویہ کے انتظامی ادارے نے بھی اس کی پیروی کی ہے اور جانوروں کی خوراک میں انہی کی قسم کے جانوروں کا گوشت شامل کرنے پر پابندی عائد کر دی ہے لیکن حیوان خوری پر مبنی غذائیں اب تک چل رہی ہیں اور یہ کتنی خوفناک ہیں۔ بہت سے ٹیکے اور دوائیں، جن میں پولیو، خناق، تشنج اور دیگر کئی امراض کی دوائیں شامل ہیں، ممکنہ طور پر ان اشیاء سے بنائی گئی ہوں، جن میں نظریاتی اعتبار سے میڈ کاؤ ڈیزیز شامل ہوں گے۔ اس بڑھتے ہوئے خوفناک مرض کے خلاف برطانیہ اور مریکہ دونوں میں عمل کی رفتار بہت سست ہے۔ اگر تمہیں برگر یا چانپ کھانی ہو تو اپنا اطمینان کرلو، اسے اتنا پکاؤ کہ بالکل کالا ہو جائے، گوشت جتنا پتلا ہو، اتنا ہی اچھا ہے۔ باقی رہا میں، تو میں تو گوشت کھانا بند کر رہا ہوں تا آنکہ مجھے کوئی یہ ثابت کر دے کہ میں جو اپنی آنتوں میں پی بی بی لئے پھر رہا ہوں، اس سے انسانی دماغ کو چاٹ جانے والے میڈ کاؤ کے جراثیم بھسم ہو جائیں گے۔

میں نے کیلیفورنیا منتقل ہونے کا ارادہ کر لیا ہے اور سبزی خوری کا بھی، نہیں ذرا ٹھہریے کیلیفورنیا نہیں کسی ایسی جگہ کی بات کرو کہ جہاں جس طرف جاؤ ماحولیاتی تباہی منہ کھولے کھڑی ہوگی۔ اگر یہ طلائی ریاست زلزلے سے تباہ نہ ہوئی تو یہ جنگل کی آگ سے جس پر قابو پانا ممکن نہ ہوگا، راکھ ہو جائے گی، جو چیز آگ سے تباہ نہیں ہوگی، اسے مٹی کے تودے گر کر ختم کر دیں گے، اگر ریاست میں کوئی بڑی خشک سالی نہ آئی تو اس پر لانینا

(Lanina)ایل نینو (El nino) یا ایل لوکو (El loco) کا حملہ ہوسکتا ہے۔ مجھے اب پختہ یقین ہو چکا ہے کہ قدرت کو ہماری نسل کے لوگوں کا وہاں آباد ہونا کبھی منظور نہیں تھا اس کی ماحولیاتی ساخت، ہمارے وجود کی سلامتی کے لیے بنی ہی نہیں۔ اس ریت پر تم جتنی چاہو گھاس لگی ہوئی مٹی بچھا دو اور ہزار میل دور کولوریڈو دریا سے جتنا چاہو، پانی لے کر یہاں ڈالو، تم مادر فطرت کو دھوکہ نہیں دے سکتے اور اس سلسلے میں جب بھی کوشش کرو گے، اس کا چہرہ فق ہو جائے گا۔

مقامی انڈینز نے اس حقیقت کو بہت پہلے پا لیا تھا۔ بعض سائنسدان کہتے ہیں کہ یہاں اسی لاکھ گاڑیوں کی آزادانہ آمد و رفت سے اتنی کثافت پیدا نہیں ہوتی، جتنی ان دنوں پیدا ہوتی ہے جب لاکھوں انڈینز یہاں خیمے لگاتے اور آگ جلاتے تھے۔ پھر پہاڑوں کے درمیان وہ دھواں جس طرح فضا میں معلق رہتا تھا، انڈینز کے لیے اسے برداشت کرنا مشکل ہوتا تھا، پھر جب زمین میں زلزلہ آیا اور وہ شق ہونے لگی تو انہوں نے اشارہ سمجھ لیا اور یہاں سے رخصت ہو گئے لیکن ہم وہ نہیں ہیں۔ کیلیفورنیا ہمارے خوابوں کی سرزمین سے تین کروڑ چالیس لاکھ افراد، ہماری آبادی کے آٹھویں حصے کے برابر لوگ سلسلہ کوہ اور ساحل سمندر کے درمیان ایک قطعہ زمین پر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے زندہ ہیں۔ انرجی (توانائی) پیدا کرنے والی کمپنیوں کے لیے تو ایک نعمت ہے۔ تین کروڑ چالیس لاکھ سادہ لوح شہری اس سے بہرہ مند ہو رہے ہیں۔

خوش آمدید، بلیک آؤٹ اور بار بار بلیک آؤٹ

اچھے دنوں میں علاقائی اجارہ دار کیلیفورنیا میں بجلی فراہم کرتے تھے، بجلی کی شرح ریاست کی قانون ساز اسمبلی مقرر کرتی تھی۔ پھر ۱۹۹۰ء کے عشرے کے وسط میں ڈی ریگولیشن کا شوشہ چھوڑا، ایٹمی پاور پلانٹ کی تنصیب میں جو بھاری لاگت آئی تھی، ان کے لیے اس سے بچنے کا اور زائد کمائی کا ایک حیلہ تھا۔ ڈی ریگولیشن کا ایک نہایت چرب زبان حمایتی این رون (Enron) تھا۔ ری پبلکن پارٹی اور خاص طور پر ڈبلیو بش کی مالی اعانت کرنے والا شخص۔ ڈی ریگولیشن کا نفاذ ۱۹۹۶ء میں ہوا اس ایک قانون کو منظور کرانے میں تین ہفتے لگ گئے اور کیلیفورنیا کو سہولتیں فراہم کرنے والی صنعتوں کے لیے ضمانت کی رقم بیس بلین ڈالر قرار پائی جس ناکام سرمایہ کاری کے گزشتہ فیصلوں کی پردہ پوشی بھی شامل تھی۔

قیمتیں چار سال تک منجمد رہیں، اوسط کی سطح سے قدرے اوپر، لیکن اس کے بعد مقابلے بھی آئے جب مارکیٹ میں ڈی ریگولیشن ہو تو فرض کر لیا جاتا ہے کہ قیمتیں بڑھیں گی۔ نئے پاور پلانٹ کی تنصیب میں رکاوٹ پیدا ہوئی چنانچہ ریاستی اختیار سے باہر، بجلی سپلائی کرنے والے آزاد اداروں پر کیلیفورنیا والوں کا انحصار بڑھ گیا، چنانچہ ایک سال سے یہ ہو رہا ہے کہ بجلی یومیہ شرح کے حساب سے روز کے روز خریدی جا رہی ہے اور اس کے نرخ خوفناک حد تک بڑھ گئے ہیں۔

آج کل بجلی کے خریدار نہ صرف یہ کہ زائد رقم دے رہے ہیں بلکہ دن کے چند اوقات میں ان کو بجلی کے بغیر بھی گزارا کرنا پڑتا ہے اور اس لئے نہیں کہ بجلی کافی مقدار میں موجود نہیں، آزاد سسٹم آپریٹر، جو کیلیفورنیا کی ایجنسی ہے اور بجلی کی ترسیل پر نظر رکھتی ہے، اس کی رسائی ۴۵ ہزار میگاواٹ بجلی بچا کر رکھتی ہے۔ (وہ اس کی وجہ بتانا ضروری نہیں سمجھتیں) اگست ۲۰۰۰ء میں وال سٹریٹ جرنل نے خبر دی تھی، پچھلے سال کے مقابلے میں اب کے برس ۶۱ء۴ فیصد کم بجلی فراہم کی گئی ہے۔ اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ کم بجلی کے معنی زیادہ قیمتیں لیکن جن شہروں میں سہولتوں کی فراہمی اجتماعی ملکیت کے اداروں کے تابع ہے وہاں یہ معاملہ نہیں ۔ لاس اینجلز اور دوسرے علاقوں میں جہاں بجلی کی فراہمی پبلک کے ہاتھ میں ہے، وہاں شہریوں کو بلیک آؤٹ کا تجربہ نہیں ہوتا۔ جنوب مغرب میں اور بحرالکاہل کے شمال مغرب میں بجلی وافر طور پر موجود ہے چنانچہ کیلیفورنیا کے حالیہ بحران میں انہوں نے ۲۵ فیصد تک بجلی دے کر انہیں مشکل سے بچا لیا تھا۔

ادھر یہ مسائل ہیں، ادھر ہالی وڈ کا ڈرامہ چل رہا ہے۔ جونیئر اور انکل ڈک اس لمحے کو گرفت میں لینا چاہتے ہیں تا کہ مزید ایٹمی پلانٹ بنانے کے لئے۔ کوئلہ جلانے اور تیل کے لیے زیادہ کھدائی کرنے کے لیے، رائے عامہ کی حمایت حاصل کر لیں۔ اسی دوران میں نے ٹیکساس کے سبزہ زاروں میں اپنا ایک نیا مکان بنالیا ہے، جو ماحولیات کے دلدادہ کے لیے ایک خواب کی طرح ہے۔ اسے سورج کی توانائی سے حرارت ملتی ہے اور یہاں استعمال شدہ پانی، ری سائیکل کر لیا جاتا ہے اور چینی کا نائب صدارتی مکان انرجی کی مثالی سہولتوں سے مزین ہے۔ یہاں انرجی کی بچت کی نہایت اعلیٰ ترکیبیں استعمال کی گئی ہیں۔ ان کی تنصیب جلا وطن صدر الگور کے ہاتھوں ہوئی۔

ٹیکساس کے رینج (وسیع قطعہ اراضی) میں جارج ڈبلیو کا درست ماحولیاتی بندوبست

صدر بش خواہ اور کہیں ماحول کے بارے میں فکر مند ہوں یا نہ ہوں لیکن ان کی نئی کرافورڈ اور ٹیکساس پہنچ ماحولیاتی اعتبار سے حیران کن حد تک درست ہے۔

یہاں عمارت کو گرم اور ٹھنڈا رکھنے کا بندوبست ہے جو جیوتھرمل (Geothermal) ہے اور جس میں بجلی ۲۵ فیصد زیادہ خرچ ہوتی ہے۔ پانی کو گرما میں سرد اور سرما میں گرم رکھنے کے لیے پانی کا درجہ حرارت مستقلاً ۶۷ فٹ رہتا ہے۔ اسے تین سو فٹ کی گہرائی سے نکال کر پائپ کے ذریعے مکان میں پہنچایا جاتا ہے۔ اس طریقے سے سوئمنگ پول (نہانے کا تالاب) کو بھی گرم رکھا جاتا ہے، یہاں ۲۵ ہزار گیلن کی ایک ذخیرہ گاہ ہے، جہاں گھروں سے بیکار پانی اور دوبارہ استعمال کے لیے بارش کا پانی جمع کر کے باغوں میں پودوں کی آبیاری کے کام آتا ہے۔ اس پانی کی صفائی کا اپنا ایک نظام ہے جہاں گھروں کے ری سائیکل پانی سے گھاس اور جنگلی پھولوں کی بیجائی ہوتی ہے۔

سات انسانوں کا خاتمہ

اس سال کے شروع میں، میں نے اور میری بیوی نے اپنے نومولود بھتیجے اینتھونی کی بپتسمہ کی تقریب میں شرکت کی۔ ہماری جواں سال بیٹی سے کہا گیا کہ وہ بچے کی روحانی ماں بن جائے، اس کام کے لیے وہاں اس کی موجودگی ضروری تھی، کیونکہ ننھے اینتھونی کو ڈکار دلائی جائے یا اسے کیتھولک کے طور پر پالا جائے یہاں دونوں باتیں ضروری تھیں۔

ہمیں معلوم ہوا کہ کیتھولک چرچ میں بپتسمہ کی رسم بہت بدل گئی ہے، اس کے بجائے یہ کہا جاتا ہے کہ ’’جلدی کرو اور قبل اس کے کہ اس کی روح شیطان کے حوالے ہو جائے، ذرا سا پانی اس کے ماتھے پر فوراً ڈالو‘‘ اب چرچ سنڈے ماس (اتوار کی اجتماعی عبادت) کے لیے اسے ایک پرلطف تقریب بنا دیتا ہے۔

ابھی تقریب، آدھے مرحلے تک پہنچی تھی کہ فادر اینڈی نے سارے افراد خاندان سے کہا کہ رسم کی ادائیگی کے لیے پانی کے حوض کے گرد اکٹھا ہو جائیں، اس دوران میں نے

ننھے اینتھونی کو مقدس پانی میں ڈبو کر اسے اجلے ملبوس میں لپیٹ دیا گیا۔ تب پادری نے اینتھونی کو اوپر بلند کیا تا کہ وہاں موجود لوگ اسے دیکھ لیں پھر چرچ میں موجود ہر ایک نے نہایت پر جوش انداز میں واہ واہ کہا۔ لیکن تعریف کرنے میں میری آواز سے زیادہ بلند تو کسی کی آواز نہیں تھی، کیونکہ یہ پہلا واقعہ تھا کہ میرے خاندان میں تیرہ سال کے بعد کوئی بیٹا پیدا ہوا تھا۔ ہمارے خاندان میں تیرہ سال کے اندر تیرہ بچے پیدا ہوئے، جن میں گیارہ بیٹیاں اور دو بیٹے شامل ہیں۔

اب میرا خیال ہے کہ ہم میں سے بیشتر لوگ اس بات سے اتفاق کریں گے کہ بیٹی کی پیدائش کے معنی ہیں کم کام۔ یہ نہیں کہ لڑکوں کو کم پسند کرتے ہیں، پھر یہ بات بھی ہے کہ ان کی صحت کا بیمہ کرایا جاتا ہے، جس میں ہاتھ کا ٹوٹنا، دانت اور کالر بون کا ٹوٹنا، کار کے دروازے میں انگلی کا پھنس جانا اور ذاتی نقصان کے دعوے جو ہمسایوں کی طرف سے موصول ہوئے، جنھوں نے الزام لگایا کہ ہمارے ننھے سے پیارے پیارے بچے نے ان کی گاڑی کو آگ لگا دی ہے ''محض یہ دیکھنے کے لیے کہ ٹیوٹا پینٹ کتنی تیزی سے جلتا ہے'' یوں لڑکیوں کو پالنا اتنا مشکل نہیں ہوتا۔

میں نے پوری زندگی ایسے خاندانوں میں گزاری، جہاں مرد یقینی طور پر اقلیت میں تھے۔ میرا کوئی بھائی نہیں لیکن دو بڑی پیاری بہنیں ہیں، ان کے اور ماں کے درمیان ہوتے ہوئے میں نے گھر کے سارے ''زنانہ کام'' کیے اور جبکہ میرے والد کو کبھی کبھار چھٹی دے دی جاتی تھی کہ اتوار کے روز گولف ٹورنامنٹ دیکھتے، میں نے کبھی بھی کچھ زیادہ اپنے حصے کا دعویٰ نہیں کیا کیونکہ میں ان میں سب سے بڑا تھا لیکن اس سے یہی ہوا کہ بہنوں کی طفلانہ نسوانی اکثریت کچھ اور متحد اور مضبوط ہوگئی تو آج تک یہ کیفیت ہے کہ ان کے تحکمانہ رویے کو دیکھتے ہوئے جو لوگ ہمیں یکجا دیکھتے ہیں، انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ میری بہنیں مجھ سے بڑی ہیں اور خاندان کا ''بے بی'' میں ہی ہوں۔

اب میں اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ رہتا ہوں اور پھر اقلیت میں ہوں۔ میری بہنیں اور ماں میرے اندر کی مردانہ جارحیت کو اگر کسی قدر نکال دینے میں ناکام رہ گئی تھیں تو ان دونوں نے نہایت بے رحمی کے ساتھ انہیں ختم کر دیا۔ تازہ ترین یہ کہ غسل خانے کے شیشے پر ٹوتھ پیسٹ کا جھاگ، جو دانتوں میں برش کرتے وقت میں نکالتا تھا، اب اس

عادت سے بھی تعلق ٹوٹ گیا۔ اس ایک عادت کو ترک کرنے میں ۱۹ سال لگے۔ انہوں نے بتایا کہ میری عادتوں کی فہرست اب صرف ایک صفحے پر رہ گئی ہے یعنی تین چار دہلا دینے والی عادتیں رہ گئی ہیں، جنہیں ختم کرنا ضروری ہے، (یعنی گاڑی چلاتے ہوئے اسٹیرنگ وہیل کے سامنے اپنے بگ گلپ (Big Gulp) میں توازن پیدا کرنا، نیند کی حالت میں کرسی کے ہتھے پر روشنائی کے مستقل دھبے ڈال دینا، خراٹے لینا اگرچہ مجھے ڈر ہے کہ اس آخری عادت کی اصلاح اس طرح ہوسکتی ہے کہ تکیہ محض اتفاقاً پھسل کر میرے منہ پر آجائے اور پراسرار طور پر سختی کے ساتھ تین چار منٹ تک اسی جگہ رہے۔

سچ تو یہ ہے کہ میں ایک بہتر آدمی ہوں، اس لئے کہ میں نے اپنی زندگی نہایت مضبوط، ذہین اور مہربان عورتوں کے درمیان گزاری ہے۔ میرے والدین کے یہاں کوئی پوتے نہیں، میری بہنوں کی اور خود میری صرف بیٹیاں ہیں۔ میری بیوی کے والدین کی چار بیٹیاں ہیں اور صرف چار بیٹے۔ انہوں نے بھی مزید آٹھ بچیاں پیدا کیں اور صرف دو بیٹے، میری بیوی کے دو بھائیوں کی اور میری صرف بیٹیاں ہیں۔ ہائی سکول کے زمانے سے اب تک ہمارے خاندان نے مردانہ کھیل نہیں کھیلے۔ اس معاملے میں بظاہر سبھی نے ہماری قربانی کو نظر انداز کر دیا۔

ادھر یہ ہوا کہ جب مجھ سے یونیورسٹی میں یا کسی اجتماعی تقریب سے خطاب کرنے کے لیے کہا جائے تو میں پہلے سے طے شدہ ایجنڈا ایک لمحہ کے لیے الگ رکھ دیتا ہوں اور سوال کرتا ہوں کہ اس ایوان میں کتنے لوگ یہ دیکھنے آئے ہیں کہ ان کے خاندانوں میں بیٹوں کے مقابلے میں بیٹیاں زیادہ پیدا ہوئی ہیں، جواب میں بہت سے ہاتھ بلند ہوتے ہیں۔

لاتعداد لوگ مجھے اپنے راز میں شریک کرتے رہے، وہ یہ کہ لڑکوں کی تعداد گھٹتی جا رہی ہے۔ بعض کنبوں میں تو یہ سرے سے ناپید ہیں، میں ہمیشہ انہیں یقین دلاتا آیا ہوں کہ اگر کوئی بیٹا پیدا کرنے میں ناکام رہا تو اس میں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ پھر اچانک ایک خیال آیا، اس میں کوئی بات تو ہے۔

جی ہاں! بات ضرور ہے شماریات کے ادارے نے یہ تصدیق کی ہے کہ امریکہ میں ۱۹۹۰ء کے بعد سے لڑکوں کی پیدائش کی شرح سال بہ سال گھٹتی آئی ہے۔ ساتھ ہی عورتوں کی اوسط عمر بڑھتی جاتی ہے۔ مردوں کی اوسط عمر ۷۴٫۲ سال کے مقابلے میں عورتوں

کی عمر اسی سال ہے۔ جب میں بچہ تھا، ان دنوں کچھ یوں لگتا تھا کہ ملک میں مردوں اورعورتوں کی عمر کا تناسب ۵۰ء ۵ تھا۔عورتوں کی تعداد بس ذرا سی آگے تھی۔ پھر یہ تناسب ۴۹ ہوگیا۔عورتوں کی اکثریت ہوگئی، جلد ہی یہ تناسب ۴۸۔۵۲ ہو جائے گا، چنانچہ میں ایک ناگوارلیکن ناقابل تردید نتیجے پر پہنچا۔لوگو! قدرت ہمیں فنا کر دینا چاہتی ہے۔

مادر فطرت ایسا کیوں کر رہی ہے؟ کیا ہم زندگی کا بیج آگے لے جانے والے نہیں۔آخر ہم مردوں نے کیا کیا ہے، جس کی یہ سزا دی جا رہی ہے؟ جواب ہے، بہت کچھ کیا ہے؟ (انسان کے ابتدائی برسوں میں ہم نے نسل انسانی کو آگے لے جانے میں ایک نہایت نازک اور ضروری کردار انجام دیا ہم نے شکار کئے، خوراک اکٹھا کی، عورتوں اور بچوں کو ان بڑے جانوروں سے بچایا جو انہیں کھا جانے کی تاک میں تھے اور آزادانہ جنسی تعلقات کے نتیجے میں بہت سے مردانگی کے دعویداروں کو موقع دیا کہ وہ آبادی میں تیزی سے اضافہ کریں۔ زوال کی ابتداء اسی زمانے سے ہوگئی تھی۔گزشتہ چند صدیوں سے یہ نظر آرہا ہے کہ ہماری جنس کے معاملے میں حالات مہلک رخ اختیار کر رہے ہیں۔ ہم نے حسب عادت بہت سے ایسے منصوبوں پر کام کرنا شروع کر دیا ہے، جس سے ہر چیز الٹ پلٹ ہوگئی اور دنیا میں خرابیاں پھیل گئیں ہیں۔تو کیا عورتیں، ان پر کوئی الزام نہیں آتا؟ وہ تو برابر زندگی کو اس دنیا میں لاتی رہیں، البتہ ہم جب بھی ہوا، اسے تباہ کرتے رہے ایسی کتنی عورتیں ملتی ہیں، جنہیں کبھی خیال آیا ہوکہ پوری نسل انسانی کو فنا کر دیں۔ مجھے تو اپنے جمنازیم میں کوئی نہیں ملی۔کتنی عورتیں ہیں، جنہوں نے سمندروں میں تیل بہایا ہو، خوراک میں زہریلی اشیاء ملائی ہوں یا اس بات پر اصرار کیا ہوکہ نہیں اس کی گاڑی بڑی ہونی چاہیئے، بڑی بہت بڑی۔

اس زمانے سے جب کولمبس راستہ بھول گیا تھا اور یہاں آپہنچا (ایک اور شخص جس نے سمت معلوم نہیں کی) جانداروں کی ۸۱۶ اقسام دنیا سے نابود ہو چکی ہیں، ان کا اس نازک ماحولیاتی نظام سے نہایت اہم تعلق تھا، یہ بتاؤ کہ ان میں کتنے جاندار عورتوں نے تباہ کیے؟ میرا خیال ہے، سب کو اس کا جواب معلوم ہے۔ اگر تم نظام فطرت ہوتے، تو اس بے رحمانہ حملے پر تمہارا ردعمل کیا ہوتا اوراس وقت تم کیا کرتے جب یہ دیکھتے کہ انسانوں میں ایک مخصوص جنس ہے جو تمہیں تباہ کرنے کے درپے ہے؟ ٹھیک ہے، مادر فطرت کا ایک اپنا

طریقہ ہے، بنیاد سے قطع کرنے کا۔ وہ ہر ضروری طریقے سے اپنا بچاؤ کرے گی اور وہ یہی کرے گی۔ اپنی زندگی بچانے کے لیے ہر قیمت پر اپنی بقا کے لیے خواہ اس کے لیے ایسی چیز کو نصف کے برابر ختم ہی کیوں نہ کرنا پڑے، جس سے امید کی جاتی ہے کہ زندگی کی سب سے ترقی یافتہ نسل کو آگے لے کر چلے گی۔

جی ہاں! قدرت نے اپنی عنایت سے ہماری نسل کو اعلیٰ درجے کی ذہانت دی ہے اور اپنا مستقبل ہمارے حوالے کیا ہے لیکن اس نے اچانک ہی دیکھا کہ اس کی ایک جنس نے زمین پر دوسری تمام نسلوں کو ختم کر دینے کا تہیہ کر لیا ہے۔ بیزار اور مضطرب، اب جس نے بھی اس کے مشروب میں کثافت ملائی، ہو اس پر پیشاب کرے گی۔ اس کا ملزم پیشانی سے گنجا ہو رہا ہے، توند نکل آئی ہے اور ہر کام ادھورا چھوڑ دیتا ہے، کسی چیز پر ڈھکن نہیں لگاتا۔

جی ہاں! ہماری نشاندہی ہو چکی ہے۔ اب فطرت کے عتاب سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ کوئی بھی الزام عورتوں کے سر نہیں جاتا۔ وہ ایک عورت نہیں تھی، جس نے پنام بم گرایا جس نے پلاسٹک ایجاد کیا اور وہ کون تھا، جس نے کہا تھا ''لعنت بھیجو، ہمیں بیر کا وہ ڈبہ چاہیئے جس پر کھولنے والا ڈھکن لگتا ہو؟'' بدقسمتی سے ہر چھوٹی سے چھوٹی تباہی اور غارت گری، ماحول پر ہر جارحانہ حملہ، پہلے سے موجود پاکیزہ اور خالص چیزوں کے خلاف ہر ہولناکی اور جارحیت، انہی ہاتھوں نے کی کہ جب وہ ہاتھ اپنے لئے مسرت حاصل کرنے میں مصروف نہیں ہوتے تو اس دلآویز اور حیرتناک دنیا کو مٹا دینے کے لیے اضافی وقت صرف کرتے ہیں حالانکہ یہ دنیا تم سے کوئی زرِ ضمانت نہیں مانگتی، تمہارے پس منظر کے بارے میں تفتیش نہیں کرتی۔

حیرت کی بات نہیں، اگر فطرت ہم سے نجات پا رہی ہے۔

اگر ہم میں سوجھ بوجھ ہوتی تو ہم اپنے اعمال درست کرتے ہوئے، قدرت سے معافی کے خواستگار ہوتے۔ تمہیں معلوم ہے جو کام سامنے کے ہیں اور ظاہر ہیں، وہ کرو۔ قطب شمالی کے ویرانے کو تباہ نہ کرو، کار کی کھڑکی سے الابلا باہر پھینکنا چھوڑ دو، قدرت ہماری خرافات کو غالباً برداشت کر لیتی، اگر ہم کوئی اہم مقصد پورا کر رہے ہوتے جو لوگ اختیار رکھتے ہیں، ان کے لیے دو باتیں ہیں۔ عورتوں نے ان کو ہمارے لئے ضروری نہیں بنایا۔ (۱) نسل کو جاری رکھنے کے لیے ہم مادہ مفویہ فراہم کرتے ہیں (۲) ہم اپنے امکان کی

حد تک اس کی حاجت پوری کرتے ہیں۔ ہماری بدقسمتی سے چند غداروں نے اقرار حمل کا مصنوعی طریقہ دریافت کر لیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اب عورتوں کو بچے پیدا کرنے کے لیے ہم میں سے چند کا مادہ مغویہ کافی ہوگا۔ دراصل کسی شخص نے (غالباً وہ ایک عورت تھی) اریزونا میں ایک اعلان کیا کہ سائنس نے انسانوں کی پیدائش کا ایک ایسا طریقہ دریافت کر لیا ہے، جس میں عورت کے بیضے کو مادہ مغویہ کی ضرورت نہیں ہوگی۔ وہ ڈی این اے (DNA) سے اپنا کام چلا لیں گے۔ اب عورت کو بھدے بدہئیت مرد کے آغوش سے رینگ کر نکلنے کی ضرورت نہیں ہوگی، تکیے میں منہ چھپایا ہوا مرد، محض اس لئے کہ وہ بچے پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اب تو بس ٹیسٹ ٹیوب کافی ہوگا۔ دوسری ایجاد نے مردوں کی مدد کی، وہ سیڑھی ہے۔ المونیم کی ساتھ لے جانے والی سیڑھی۔ معلوم نہیں ایسا شاندار خیال کس حرامی کے ذہن میں آیا۔ اب اسے ساتھ اٹھائے پھرنے کا کیا جواز ہوسکتا ہے۔ کمزور کڑی سے نجات پانے کا قدرت کے نزدیک اپنا ایک طریقہ ہے۔ وہ لوگ جو کوئی مفید مقصد پورا نہیں کرتے، مردہ بوجھ ہوتے ہیں اور میرے دوست، وہ ہم ہی ہیں۔ پیدائش کے بارے میں سائنس نے اور المونیم کے تین چھوٹے چھوٹے ڈنڈوں نے ہم انسانوں کو آٹھ ٹریک پر چلنے والے ٹیپ کی طرح مفید بنا دیا ہے۔

خیر اس کا روشن پہلو بھی دیکھو۔ ہمیں ایک حساب سے برتری حاصل رہی ہے، ہمیں اس سماجی نظام پر ایک ہزار سال کی بالادستی حاصل ہے۔ کوئی ایک دن ایسا نہیں گزرا جب ہم مالک و مختار نہ رہے ہوں، ہمارا ہی حکم چلتا رہا۔ ہم ہی دنیا کو چلاتے رہے۔ ایسے اقتدار میں، جسے چیلنج کرنے والا کوئی نہیں، جس کے تسلسل میں کوئی وقفہ نہیں، اس کا دعویٰ تو یانکی (شمالی امریکہ کے لوگ) بھی نہیں کر سکتے۔ میرا کہنا یہ ہے کہ ہم اقلیت میں ہیں، اس کے باوجود ہم نے زمانہ قدیم سے عورتوں کی اکثریت پر حکمرانی کی ہے۔ دوسرے ملکوں میں اسے نسلی طور پر اچھوت کہا گیا ہے۔ امریکہ میں یہ معمول کہ بات ہے۔ ۲۲۵ سال سے بھی زیادہ برسوں میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس سرزمین پر کسی عورت نے کبھی پہلا یا دوسرا منصب حاصل کیا ہو۔ ان برسوں کے بیشتر زمانوں میں ہماری نظر اس بات پر رہی ہے کہ خبردار کسی عورت کو کوئی ایک عہدہ بھی حاصل نہ ہو۔ دراصل پہلے ۱۳۰ سال میں تو صدارتی انتخابات میں عورت کو ووٹ دینا ہی غیر قانونی تھا۔ پھر ۱۹۲۰ء میں عورتوں کو محض یہ دکھانے کے لیے

کہ ہم مردانگی کی جذبہ رکھتے ہیں، انہیں رائے دہی کا حق دے دیا اور ذرا سوچو، کیا ہوا، اقتدار ہمارا ہے۔

اعداد شمار کو دیکھو، عورتوں کے ووٹ زیادہ تھے، اس سیاسی کباڑ خانے میں انہوں نے ہماری مردانہ اکثریت کواحمق بنا دیا ہوتا لیکن انہوں نے کیا کیا؟ انہوں نے ووٹ ہمیں دیئے، کیسی مزے کی بات ہے، تم نے کبھی کسی ایسے ستم زدہ لوگوں کے گروہ کے بارے میں سنا کہ محض اپنی عددی برتری کی بنا پر انہیں اختیار حاصل ہوگیا اور تب انہوں نے خاصی بڑی تعداد میں اپنے انہیں ظالموں کو اقتدار میں رہنے کے لیے ووٹ دیا ہو۔ جنوبی افریقہ کے کالوں نے ایک بار آزاد ہونے کے بعد نسلی تفریق کی بنا پر گوروں کو ووٹ نہیں دیئے۔ امریکہ میں مجھے کوئی ایسا یہودی نظر نہیں آیا، جس نے جارج ویلس یا ڈیوڈ یوک یا پیلٹ بچانن (اس میں فلوریڈا کا سانحہ بھی شامل ہے) کو ووٹ دیا ہو۔

نہیں ایک ہوشمند معاشرے میں یہ معمول کی بات ہے جیسے کوٹسیا کا دستور مدت قدیم سے چلا آرہا ہے۔

اس کے باوجود حق رائے دہی حاصل کرنے کے ۸۰ سال بعد بھی عورتوں کی اس زبردست تحریک اور فروغ کے نتیجے میں کیا حاصل ہوا؟ نتیجہ دیکھ لو۔

- ☆ ۱۹۲۰ء سے اب تک اکیس قومی انتخابات میں سے بیس میں کسی ایک عورت کو بھی کسی بڑی پارٹی میں صدر یا نائب صدر کے عہدے کے لیے نامزد نہیں کیا گیا۔
- ☆ فی الوقت پچاس ریاستوں میں پانچ خواتین گورنر ہیں۔
- ☆ عورتوں کو کانگریس میں صرف ۱۳ فیصد نشستیں حاصل ہیں۔
- ☆ امریکہ کی ۵۰۰ کمپنیوں میں سے ۴۹۶ کمپنیاں مرد چلا رہے ہیں۔
- ☆ امریکہ کی ۲۱ سرکردہ یونیورسٹیوں میں سے صرف چار یونیورسٹیاں عورتیں چلا رہی ہیں۔
- ☆ ۲۵ سے ۳۴ سال کی عمر کے دوران جن عورتوں کو طلاق دے دی جاتی ہے، وہ ان ۸ فیصد عورتوں کے مقابلے میں زندگی کم تنگدستی میں گزارتی ہیں جو شادی شدہ ہوتے ہوئے خط افلاس سے نیچے زندہ رہتی ہیں۔
- ☆ مرد کی کمائی ایک ڈالر ہو تو اس کے مقابلے میں عورت کی کمائی ۷۲ سینٹ ہوتی

ہے۔اس طرح ان کی عمر بھر کا نقصان ۱۳۳ء۵۶۵۰ ڈالر بنتا ہے۔

☆ مرد کے برابر سالانہ تنخواہ حاصل کرنے کے لیے ایک عورت کو پورے سال کام کرنے کے علاوہ مزید چار مہینے کام کرنا ہوگا۔

☆ جلد یا بدیر عورتیں یہ معلوم کر لیں گی کہ اقتدار کیسے حاصل کیا جائے اور جب ایسا ہوگا تو ہمیں دعا کرنی ہوگی کہ ہم پر رحم کریں۔ بہر طور وہ مضبوط جنس ہیں۔ عام خیال کے برعکس یہ مرد ہیں، جو صنف نازک ہیں۔اس کا ثبوت دیکھ لو۔

☆ ہم اتنے عرصے زندہ نہیں رہتے، جتنے عرصے عورتیں زندہ رہتی ہیں۔

☆ مردوں کے دماغ کی ساخت مکمل نہیں ہوتی اور جوں جوں عمر بڑھتی ہے،عورتوں کے مقابلے میں ہمارے ذہن زیادہ تیزی سے سکڑتے جاتے ہیں۔

☆ خطرناک قسم کی بیماریاں جیسے امراض قلب، فالج،السر اورجگر کا ختم ہوجانا، عورتوں کے تناسب سے ان امراض کا مردوں میں پایا جانا زیادہ قرین امکان ہے۔

☆ جنسی امراض زیادہ تر مردوں کو لاحق ہوتے ہیں۔ (جسے وہ اپنی سادہ دل بیویوں اور محبوباؤں کو لگا دیتے ہیں۔)

☆ مردوں کے جسمانی نظام کا بڑا حصہ، خون کی گردش، سانس کا نظام، نظام ہضم اور بول و براز کا نظام،عورتوں کے مقابلے میں ان کا مردوں میں ناکارہ ہو جانے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ (اگرچہ بول و براز کے نظام کا ٹوٹ جانا، میرے خیال میں باتھ روم کے سنک میں ایئر فریشنر کی کثرت کو دیکھتے ہوئے حیران کن نہیں۔)

☆ صرف ہمارا نظام تناسل، یعنی مادہ مغویہ پیدا کرنے کی صلاحیت، عورتوں کے یہاں بیضہ پیدا کرنے کی اہلیت کے مقابلے میں زیادہ عرصے تک برقرار رہتی ہے لیکن جس عمر میں عورت کو گرم غسل اور اچھے ناول کی سرشاری کا احساس ہوتا ہے۔مرد کی صلاحیت کار جواب دے چکی ہوتی ہے۔

☆ مرد بچے جننے اور نسل کو آگے لے جانے کی صلاحیت سے محروم ہیں۔

☆ مرد گنجے ہو جاتے ہیں۔

☆ مرد دماغ کھو دیتے ہیں۔ (عورتوں کے مقابلے میں مردوں کے اندر خودکشی کرنے کا رجحان چار گنا زیادہ ہوتا ہے۔)

☆ عورتوں کے مقابلے میں مردوں کے حادثے میں ہلاک ہوجانے کا امکان تین گنا زیادہ ہوتا ہے۔

☆ مرد عورتوں جیسے تیز طرار نہیں ہوتے۔لڑکیاں ایلیمنٹری سکول کے امتحانوں میں لڑکوں سے زیادہ نمبر لیتی ہیں اور مقابلہ کرتی ہیں، مردوں میں عمر کے ساتھ تیزی طراری نہیں آتی۔

غالباً اس تفریق کی کوئی منطقی وضاحت نہیں کی جاسکتی۔ممکن ہے، وہی بات ہو جو نز نے نہیں سکھائی۔ یہ سب اللہ کے کئے سے ہوتا ہے، شاید نز کے اندر اس کی بصیرت ہو گی۔آخر وہ بھی تو عورتیں ہیں۔خدا کے راز وہ جانتی ہوں گی لیکن وہ میرے جیسے لوگوں کو اس راز میں شریک کرنا نہیں چاہتیں۔

یہ میرا یقین ہے اور میں جن عورتوں کے ساتھ رہتا آیا ہوں، ذاتی طور پر اپنے مشاہدے کی بنیاد پر کہوں گا کہ خدا جب کائنات کی تخلیق کر رہا تھا، تو اس نے چھٹے دن کا بیشتر وقت عورتوں کو بنانے میں لگایا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ وہ خالق اول نے جو کاریگری دکھائی، تم اس کا نظارہ کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس کی جسمانی ساخت بدن کے خم، تناسب یہ سب ایک غیر معمولی فن کے مظہر ہیں۔ ان کی جلد نرم، چکنی اور ہر طرح سے مکمل ہے۔ ان کے بال شاداب، گھنے اور چمکدار ہیں۔ میں یہ بات جنسی کشش کی بنیاد پر نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ یہ نتائج میرے اندر کے ایک ناقد کے ہیں۔ میرا خیال ہے، ہم سب اس بات سے متفق ہوں گے کہ عورتیں حیران کن حد تک خوبصورت ہوتی ہیں۔

زیادہ مردوں کی پیدائش کے لیے قدرت کو کس طرح چکر دیں

☆ ورجینیا میں ایک کمپنی نے ایک طریقہ نکالا ہے، جس پر عمل کر کے تم اپنے ہونے والے بچے کی جنس کا انتخاب کر سکتے ہو۔فرفیکس ورجینیا کے انسٹیٹیوٹ میں ایک عمل کے تحت عورت کے کروموزوم سے مردانہ کروموزم الگ کر دیئے جاتے ہیں اور والدین کو یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ پیدائش سے پہلے اپنے بچے کی جنس کا

انتخاب کر لیں۔ اس کلینک میں جانے سے پہلے اپنی بیوی کے ساتھ معمول سے زیادہ مہربانی کریں۔ یہ حق آخر اس کا ہے کہ اپنے وجود کے اندر پلنے والی ہستی کا فیصلہ کرلے اور ورجینیا میں ان لوگوں کو زیادہ مرکزی فنڈ دیں۔

☆ اپنے مادۂ مغویہ کو تندرست رکھیں۔ اسے روز کے روز خرچ کرنا بند کریں، اس طرح مادہ کمزور اور اس کے اندر کے جرثومے کی تعداد گھٹ جاتی ہے۔

☆ زندگی کے اوائل میں ہی بچے پیدا کرلو۔ پیدائش و اموات کے ایک حالیہ سروے کے مطابق معمر جوڑوں کے یہاں لڑکوں کی پیدائش کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔

وہ دیگر اشیاء جنہیں قدرت نے ناکارہ کر دیا

ٹائپ رائٹر، واشنگٹن، پیدل چلنا، معروف ٹریفک سگنل، بینک کا خزانچی، کالج کی ڈگری، مرد کی پشت پر بال، وزن کم کرنے والی گولیاں، سپریم کورٹ

خوابگاہ میں آگ لگ جائے تو جان کیسے بچاؤ گے

فرش پر آجاؤ، نیچے رہو، رینگنا شروع کرو، ممکن ہو تو منہ پر ایک گیلا تولیہ رکھ لو۔ جدھر تمہارے اندازے کے مطابق دروازہ ہے اسی طرف جاؤ، دروازہ کھولنے سے پہلے ہاتھ لگا کر دیکھ لو۔ اگر گرم ہو تو اسے مت کھولو۔ کوئی دوسرا راستہ باہر نکلنے کا دیکھو۔ اگر اس نے سارے دروازے مقفل کر دیئے ہیں تو کھڑکی توڑ کر باہر کود پڑو۔ آگ بجھانے والا آلہ ہمیشہ اپنے ہاتھ کے قریب رکھو۔ اگر ضروری ہو تو اسے بھی پستول کے ساتھ اپنے تکیے کے نیچے رکھ لو۔ تازہ پانی کا ایک ڈبہ بھی قریب رکھ سکتے ہو۔ اگر تم اپنی بیوی سے بدسلوکی کرتے آئے ہو تو بستر میں آگ سے بچاؤ والا پاجامہ پہن کر جاؤ۔ شاید اس سے تمہاری جان بچ جائے۔ مقامی آگ بچاؤ محکمے کو فون کر کے اپنا نام خاص ''حرامیوں'' کی فہرست میں لکھوالو۔ مقامی لوگوں کا رجسٹر، وہ لوگ جنہیں یقین ہے کہ اپنے ''پیاروں'' کے ہاتھوں ان کے ختم کیے جانے کے بہترین مواقع ہیں۔ اس طرح آگ بجھانے والے محکمے کو صحیح طور پر معلوم ہوجائے گا تم کہاں رہتے ہو اور تمہارا بیڈ روم کہاں ہے۔

مائک کی مرتب کردہ خواتین صدر کی فہرست

☆ صدر سنتھیا میکانی (Cynthia Mekinncy) کانگریس کے موجودہ ارکان میں بہترین شخصیت، صدر ہلیری کلنٹن۔

☆ صدر اوپراہ (ڈاکٹر فل کی ہلکی پھلکی گفتگو ہم سب کو بچا لے گی)

☆ صدر کیٹرینا ونیڈن ہیول (دی نیشن کے ایڈیٹر، قوم کے صدر بننے کے لیے نہایت موزوں امیدوار)

☆ صدر شیری یننگ (وہ پیرا ماؤنٹ پکچرز چلاتی ہے، اس نے مجھے ایک فلم میں کامیاب رول دیا تھا۔ اتنا ہی کہنا کافی ہے۔

☆ صدر کرن ڈفی (ٹی وی فیشن کے نامہ نگار، اسے کوئی بھی خبر رساں اگر چیلنج کرنے کی کوشش کرے گا تو وہ اس کے خلاف گھیرے ڈالتی رہے گی۔

☆ صدر کیرولین کینیڈی (محض اس لئے کہ یہی بہتر ہوگا۔)

☆ صدر بیلا ایزگ (مرنے کے باوجود وہ جونیئر (بش) سے بہتر ہے۔)

☆ صدر لی ٹیلر نیگ پہلی خاتون جو فلم دی بگ باؤنس میں عریاں نظر آئیں، ریان اونیل میں بھی کام کیا، میرے جیسے چھ نوجوان تھے، سب سولہ سال والے......)

پھر ہم تک آتے آتے خدا پر کیا گزری؟ ایسا لگتا ہے کہ اس نے اپنی بہترین تدبیریں عورت کی تخلیق میں صرف کر دی تھیں۔ اس کے بعد جب تک ہماری باری آئے، اسے کسی طرح ہمیں نپٹانا تھا کیونکہ دوسرے زیادہ ضروری کادرپیش تھے، جیسے آرام کا ساتواں دن۔ چنانچہ مردوں کو بنانا ایسا ہی ہوا جیسے شیولٹ گاڑیوں کا بنانا، عجلت میں تیار، قطار سے باہر کھڑی ہیں، اس یقین کے ساتھ کہ محدود استعمال کے بعد ناکارہ ہو جائیں گی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اپنی ناگیہائڈ کے ساتھ، جب تک ممکن ہے، ٹکے رہتے ہیں۔ اپنے آپ کو اٹھائے رکھنے کے بعد اسے اٹھانا جلد دل کے درد کا سبب بن جاتا ہے۔ ہمارے جسم بنائے گئے تھے، اٹھانے، ساتھ لے کر چلنے، ٹھہرنے اور پھینکنے کے لیے، لیکن یہ سب کچھ ایک محدود مدت تک کے لیے۔ مجھے یہ کہنا ہے کہ ہمیں اک زائد چیز جو دی گئی وہ کیا تھی؟ اس بات کو میں ممکن حد تک نازک پیرا ہے میں بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔ ایسا لگتا ہے کہ خالق نے کام ختم کرنے کی عجلت میں دکان کے اندر ایک فالتو پرزہ پڑا ہوا دیکھ کر اسے ہمارے ساتھ ٹھونک دیا، کیونکہ یہ کسی حساب سے صحیح نہیں لگتا۔ اس طرح کے ایک آلے کو لے کر اگرتم بجلی

کے کھمبے یا ایک درخت کے تنے سے چپکا دو تو خود ہی بول اٹھو گے ''نہیں، یہ تو کچھ ٹھیک نہیں لگتا لیکن کسی اور وجود میں اس کی موجودگی پر اعتراض نہیں ہوتا۔ گویا یہ کسی اجنبی تخلیق کا نمونہ تھا جسے ملفوف کیا گیا ہے۔ مردانہ آلہ تناسل اس امر کا ثبوت ہے کہ خدا جس طرح بنگلہ دیش کے سیلاب یا برطانیہ کے انقلاب کی طرح اس پر قابو پانے اور اسے درست کرنے میں ناکام رہا، اس طرح اسے بھی وقتاً فوقتاً درست نہ کر سکا۔

حالات ہمارے خلاف ہیں لیکن پھر بھی کچھ لوگ ذہنی توازن کھو بیٹھے ہیں اور جس طرح بھی ہو جنگ کرنے پر آمادہ ہیں۔ اگر فطرت عورتوں کی حامی ہے، تو ان افراد نے معاملے کو اپنے طور پر نپٹانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ان کا رویہ کیا ہے، اگر ہم ان کو شکست نہیں دے سکتے تو ہمیں ان کو شکست دینی ہوگی۔

ان دنوں مردوں میں یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ عورت کو زخمی کر دیں، اپاہج بنا دیں یا قتل کر دیں۔ اسے بیشتر لوگ ''سیاسی طور پر غلط'' قرار دیتے ہیں، چنانچہ قوانین کو مزید سخت بنایا گیا ہے تاکہ ہم سے عورتوں کو بچایا جا سکے لیکن جیسا کہ ہمارے علم میں ہے، قوانین تو سزا دینے کے لیے اس وقت حرکت میں آتے ہیں۔ جب جرم کیا جا چکا ہو۔ عورتوں پر ظلم توڑنے والے افراد کو کسی قانون نے ان کے ارادے سے نہیں روکا، عورتیں اچھی طرح جانتی ہیں کہ ۹۱۱ کا قانون صرف اس لئے ہے کہ پولیس کو مطلع کر دیا جائے کہ اپنے ساتھ لاش اٹھانے والا تھیلا اور خون خرابے کو سمیٹنے اور صفائی کے لیے اچھے قسم کا مصفیٰ لے کر آجائیں کیونکہ پولیس جب تک عدالت کا حکم امتناعی لے کر پہنچے گی، عدالتی حکم نامہ مقتولہ کے منہ میں ٹھونسا جا چکا ہوگا اور اس نے اپنا کام بخوبی کر لیا ہوگا۔ آپ کا شکریہ۔

وہ مرد جو زیادہ چالاک ہیں، وہ مردوں اور عورتوں کے درمیان بدلہ چکانے کے لیے قتل کی بجائے، دوسرے طریقے استعمال کرتے ہیں، مثال کے طور پر سگریٹ کمپنیاں (ان سب کو مرد ہی چلاتے ہیں) عورتوں کو تمباکو نوشی پر آمادہ کرنے میں انتہائی کامیاب ہیں، جبکہ تمباکو نوش مردوں کی تعداد کم ہوتی جا رہی ہے۔ ان سب کے علاوہ سگریٹ پینے والی نئی عورتوں میں چھاتی کے سرطان سے زیادہ پھیپھڑے کا سرطان لاحق ہونے لگا ہے، عورتوں میں ہلاکت کی بڑی وجہ یہ ہے۔ سگریٹ نوشی کے نتیجے میں عورتوں کی ہلاکت سالانہ ایک لاکھ ۶۰ ہزار تک پہنچ گئی ہے۔

عورتوں کی آبادی کو مساوی رکھنے کے لیے مرد ایک اور چال استعمال کرتے ہیں، وہ ہے عورتوں کو علاج سے محروم رکھنا۔ اگر تم کو زندہ رہنے کے لیے کسی عضو کی تبدیلی کی ضرورت ہے تو ۸۶ فیصد امکان اس بات کا ہے کہ تم کو نیا جسمانی پرزہ مل جائے گا۔ قلب کے مریض مرد کے لیے، عورتوں کے مقابلے میں ۱۱۵ فیصد امکان اس بات کا ہے کہ انہی حالات میں ان کے دل کا بائی پاس ہو جائے گا اور اگر تم ایک عورت ہو تو نہایت معمولی نگہداشت کے لیے بیمے میں پریمیم کی رقم زیادہ دینی پڑے گی۔

ٹھیک ہے، جب ساری تدبیریں ناکام ہو جائیں تو تمہیں قتل سے کام لینا ہوگا۔ بالعموم یہ طریقہ کامیاب رہتا ہے۔ ایک مرد کے لیے اپنی بیوی یا محبوبہ کے ہاتھوں ہلاکت کا جتنا امکان ہے۔ اس سے پانچ گنا زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ عورت اپنے شوہر یا بوائے فرنڈ (دوست لڑکے) کے ہاتھوں ماری جائے تو پھر، ڈٹے رہو۔ ممکن ہے ہم اس طرح کامیاب ہو جائیں۔

مرد اپنی ہلاکت سے کس طرح بچ سکتے ہیں

ہمیں اپنا مستقبل تو بہت برا نظر آ رہا ہے لیکن کچھ امید ہے کہ ہم مرد ہونے کی بنا پر اپنے خاتمے کو کچھ عرصے کے لیے ٹال سکتے ہیں، بشرطیکہ ہم کچھ نئے رویے جو انتہائی اہم ہیں اختیار کر لیں۔ ہم عورتوں سے بہت سی باتیں سیکھ سکتے ہیں اور یہ کہ وہ اپنے کام کس طرح دانش مندی سے کرتی ہیں۔ یہ ہیں چند رویے۔

۱۔ یاد رکھو کہ تمہاری کار کھلے عام تباہی کا ہتھیار نہیں۔ کار چلاتے وقت اگر تمہیں اس کی پرواہ ہے تو اپنی جان سے بیزار ہونا چھوڑ دو۔ تمہیں ہر طور گھر میں پہنچنے میں اتنا ہی وقت لگے گا۔ سڑک پر کہیں کہیں اچانک رکنا پڑے تو اس میں چار سیکنڈ لگیں گے کوئی بڑی بات نہیں، اپنے اوپر قابو رکھو۔ عورتیں اس طرح کے حالات کی پروا نہیں کرتیں اور یوں لمبی عمر پاتی ہیں۔ سڑک پر جب انہیں کوئی گڑھا نظر آتا ہے تو سر کو جھٹک کر ہنس دیتی ہیں اور یہی رویہ کام آتا ہے۔ دوستو! ہمیں سکون سے کام لینا چاہیئے۔ ہر لمحہ اکڑفوں، ہیجان اور برہمی کا رویہ، اس سے ہم اپنے دل کو آزار پہنچا رہے ہیں۔

۲۔ کھانے پینے میں ہاتھ ہلکا رکھو، اب یہ ضرورت ہے کہ کسی چیز کو منہ میں ڈالنے سے پہلے ذرا سوچ لیں، اگر ہم کم کھائیں گے اور کم پئیں گے تو زیادہ دنوں زندہ رہیں گے۔ آخری مرتبہ کب تم نے کسی عورت کو دیکھا کہ کھانے پر سؤر کی طرح جتی ہوئی تھی، جیسے ہو اس کی زندگی کا آخری کھانا ہو، ٹھیک ہے ہم نے بہت سی عورتوں کو پیتے ہوئے دیکھا ہے لیکن تم نے کتنی عورتوں کو دیکھا ہے کہ ان کے پیٹ سرک کر نیچے آگرے اور کھڑے کھڑے پیشاب کرنے لگیں۔ اتنے بہت سے مرد جو معدے اور مقعد کے سرطان میں اور جگر کے امراض میں مبتلا ہوتے ہیں تو تمہارا کیا خیال ہے، ایسا کیوں ہے؟ اس لیے کہ ہم شراب سے اور ایک پاؤنڈ یا آدھا پاؤنڈ ادھ پکے گوشت سے جس پر تلی ہوئی پیاز، سال بھر پرانا گرم مصالحہ اور چٹنی کی لیپ ہو، انکار نہیں کر سکتے۔ اس میں بھی ایک سبق ہے، تم نے کسی عورت کو غسل خانے میں اخبار لے جاتے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا۔ اس میں تمہارے لئے ایک اشارہ ہے۔

۳۔ ایک طرف ہو جاؤ، زیادہ دنوں جیو گے، سنو، ہم ریٹائر ہو کر دنیا کے کاروبار چلانے کے لیے عورتوں پر انحصار کیوں نہیں کرتے۔ ٹھیک ہے، تم عورت کو بااختیار دیکھنا نہیں چاہتے، کیونکہ تم کٹر قدامت پرست ہو لیکن اس وقت تمہارا کیا جواب ہوگا، جب میں تم سے کہوں کہ بحرین میں ایٹمی پلانٹ بنانا ہو یا چین کے خلاف اعلان جنگ مقصود ہو یا ایک کافر کی عذاب ناک حکمرانی کے خلاف کسی حل کی تلاش ہو تو ان سب معاملات کو عورتوں پر چھوڑ دو کیونکہ اس سے تمہاری زندگی کے آٹھ سال بڑھ جائیں گے۔ ہم ایک طرف ہٹ جائیں اور اپنا منہ بند رکھیں، محض ''باس'' کہلائے جانے کے عوض یہ کچھ کم نفع بخش سودا نہیں جس کے لیے ہزاروں ملازموں اور ان کی خرافات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کی ضرورت کسے ہے؟ ہم ذرا وقفہ دیں اور آئندہ دس ہزار سال تک اس جنوبی اور ناقابل گرفت دنیا کے معاملات عورتوں پر چھوڑ دیں۔

۴۔ امریکہ کے طول و عرض میں اپنے ہاتھ دھو رکھو۔

وقت آ گیا ہے کہ ہوشمندی سے کام لو۔ ہماری نجی عادتیں اتنی مکروہ ہیں کہ جس

ہوا میں ہم سانس لیتے ہیں، حیرت ہے کہ عورتیں بھی اس ہوا میں سانس لے رہی ہیں، اگر ہم مرد اس معاملے میں اتفاق رائے سے کام لیتے اور چند آسان باتوں کو تبدیل کر دیتے تو ہمیں فوری طور پر زیادہ توجہ اور رفاقت حاصل ہوتی۔ سب سے پہلے تو یہ کہ ہم اپنے ہاتھ وہیں رکھیں جہاں ان کو ہونا چاہئے، یہ اس لئے نہیں بنائے گئے تھے کہ ہمارے نتھنوں میں گھسیڑنے، چوتڑوں، کانوں اور ناخنوں میں کھجانے کے لیے استعمال ہوں۔ وہ اس لیے بھی نہں بنائے گئے کہ قبل اس کے کہ اس کی نظر سے وہ مضمون گزرے اخبار سے اسے پھاڑ لیا جائے کہ ان سے دانتوں میں پھنسے ہوئے ریشے نوچے جائیں یا ان سے کھوپڑی پر جمی ہوئی بھونسی رگڑ کر صاف کی جائے۔ اپنے پنجے سر عام موڑنے سے بچو، جتنے پہلے تھے، اتنے ہی یعنی ایک منٹ بھی ویسے ہی ہیں، ان میں سے کچھ بھی ضائع نہیں ہوا۔ اپنے پاؤں سمیت لیجئے تا کہ بس اور ٹرین کے سفر میں تمہیں تین سیٹوں پر براجمان نہ ہونا پڑے۔ انڈر ویئر پہنا کیجئے، بہتر ہوگا وہی انڈر ویئر جو اسی سال دھویا گیا ہو، واشنگ مشین کے اندر سچ مچ کے لانڈری سوپ کے ساتھ۔

۵۔ یہ جان لو کہ ٹوائلٹ سیٹ کیسے کام کرتی ہے۔ میرا خیال ہے اب تک تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا، لیکن ایئر پورٹ، ریلوے سٹیشن اور فاسٹ فوڈ کی بڑی دکانوں میں جو اس عظیم ملک میں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں، اس بات کا ناگوار ثبوت ملا ہے۔ ٹی وی کے مزاحیہ پروگراموں میں اس فقرے کی تکرار کے باوجود کہ بات ابھی تک ہمارے پلے نہیں پڑی، بہر حال فوری آگاہی کا ایک مختصر نصاب پیش کیا جاتا ہے۔

پہلے بیضوی ڈھکن کو اوپر اٹھا لو۔ پھر اس کے نیچے گھومنے والی بیضوی نشست کو سیدھا کر لو وہ از خود آپس میں جڑ جائے گی۔ اس طرح تم دونوں ہاتھ استعمال کر سکتے ہو،۔ یہ کار کی سٹیرنگ کی طرح ہے۔ تم یہ تو نہ چاہو گے کہ کار سڑک سے نکل کر ادھر ادھر ہو جائے۔ کیا تم چاہو گے؟ ٹھیک ہے اور تمہاری خاتون خانہ اول پیپر پر تمہارا پیشاب دیکھ کر اسی طرح محسوس کرتی ہے۔

نشانہ لو، پکڑے رکھو، چھوڑ دو اور پینٹ چڑھا لو۔

ایک ہاتھ سے بیضوی سیٹ کو آہستہ سے اس کی جگہ واپس رکھو، پھر اس کے ڈھکن کو خمیدہ حالت میں واپس لاؤ، سرامک کے برتن سے سیٹ کے ٹکرانے کی آواز سنائی نہیں دینی چاہئے۔

سلور کے دستے کو پکڑو جو تمہارے بائیں طرف ہے اور فلش کر دو، یہ کوئی اختیاری بات نہیں ہے۔ پبلک ریسٹ روم میں بھی یونہی کرنا ہوگا، اگر پہلے فلش سے صفائی نہیں ہوتی تو وہاں سے جانے کی ضرورت نہیں۔ کچھ دیر انتظار کرلو اور یہ دیکھ لو کہ برتن اچھی طرح صاف ہو جائے۔

ہاتھ دھو ڈالو، اگر تولیہ ہے تو اپنے ہاتھ اس سے خشک کر لو۔ اپنی قمیض کے دامن سے نہیں۔ کاغذ کا تولیہ کوڑے کی بالٹی میں ڈال دو تولیہ اگر سوکھا ہو تو اسے تولیے کے ریک پر لگا دو (جو عام طور پر چھات یا پلاسٹک کا بنا ہوتا ہے اور سنک کے پاس ہی دیوار سے نکلا نظر آتا ہے۔ اگر تم اپنے گھر میں ہو تو تولیہ کو لانڈری میں ڈال دو، کم از کم ہر ہفتے ایک بار اسے تبدیل کر لیا کرو۔ ہاتھ دھو کر غسل خانے میں آجاؤ۔

۶۔ ہر روز غسل: صبح کے وقت جاگنے کی خاطر منہ پر پانی کے چھینٹے مار لینا، یہ غسل نہیں ہوتا اور نہ ایک رات پہلے تولیہ بھگو کر منہ پر پھیر لینا کافی ہوتا ہے۔ ٹب میں پاؤں رکھو، ہینڈل کو گرم اور سرد کے درمیان گھماؤ۔ اسے اتنا اوپر اٹھاؤ کہ شاور، کا تاثر پیدا ہو، صابن اور واش کلاتھ کو سارے بدن پر اچھی طرح پھیرو اور رگڑو۔ صابن کو مزید صفائی کی خاطر بدن کے بشیبی حصوں میں نہیں پھیرنا چاہئے شاید کسی کو وہی صابن اپنے منہ پر پھیرنا ہو، بند کو پونچھ لو، فارغ ہونے کے بعد شاور کی جگہ سے باہر آجاؤ اور بدن کو خشک کر لو۔ یہاں ممکن حد تک کم سے کم بو نہیں پھیلنی چاہئے۔

۷۔ ذرا دھیمے لہجے میں: اپنی آواز دھیمی رکھو، سننے کی کوشش کرو، یہی انداز کارگر ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص بات کر رہا ہو تو اس کی بات پر پوری توجہ دو، آنکھیں ملائے رکھو، مداخلت مت کرو، جب اس نے مرد ہو یا عورت گفتگو ختم کر لی تو اس کے بیان پر غور کرو، کوشش کرو کہ خود کچھ نہ کہو۔ یہ دیکھو کہ تم نے جو کچھ سنا ہے، وہ خیال کتنا بصیرت افروز ہے، تصور ہے، احساس ہے، اس سے شاندار خیالات

تک پہنچنے میں مدد مل سکتی ہے۔ اس طرح تم وہ خیالات اپنا سکتے ہو، دعویٰ کر سکتے ہو کہ وہ تمہارے ہی ہیں اور مشہور ہو سکتے ہو۔

۸۔ اپنی سماعت کا امتحان کر لے: اگر مذکورہ باتیں تمہارے کام نہیں آتیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم میں جسمانی طور پر کوئی خرابی ہے۔ مئی کا مہینہ نیشنل بیٹر ہیلتھ (بہتر قومی صحت) کا اسپیچ اور گفتگو کا مہینہ ہے، بہت سے ہسپتال اور سماجی گروپ، ضعف سماعت کی صورت میں کانوں کی مفت جانچ کر دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ بیشتر ہسپتال پورے سال مختلف وقفوں میں مفت معائنہ بھی کرتے ہیں۔ یہ معلوم کرنے کے لیے کہ کیا تمہارے کانوں کو پیشہ ورانہ طریقے سے جانچنے کی ضرورت ہے، آن لائن سوال و جواب کا بھی طریقہ موجود ہے۔

۹۔ جان لو کہ عورتیں ہمارے مقابل ہیں، ایک حساس آدمی کے فضول خیالات کو ذہن سے نکال دو۔ وہ جانتی ہیں کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ کسی کو یہ باور کرانے کی ضرورت نہیں کہ تم فمنسٹ (عورتوں کے طرفدار) ہو۔ تم اس دعوے پر پورا نہیں اترتے۔ تم مخالف ٹیم کے کھلاڑی ہو۔ تم ایک ایسی صنف کا نمونہ ہو جو ہمیشہ زیادہ دولت کمائے گی اور زندگی میں جہاں جی چاہے گا جانے کے لیے دروازہ کھلا رکھے گی۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم صورتحال کو بہتر نہیں بنا سکتے۔ عورتوں کی مدد کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اپنے ہم جنس مردوں پر کام کرو۔ اصل جدوجہد تو یہاں ہے۔ کنکریٹ کے اس بلاک سے بصیرت حاصل کرنا جسے مرد کی کھوپڑی کہتے ہیں۔

اپنی تنخواہ کے چیک پر نظر ڈالتے ہوئے اجرتوں کے درمیان فرق کو دور کرنے کی کوشش کرو۔ یقینی کوشش اس امر کی کرو کہ وہی کام جو عورتیں کرتی ہیں، انہیں تمہارے برابر اجرت ملنی چاہئے، ایکول پے ڈے (مساوی تنخواہ) کے دن تقریب میں شرکت کرو یہ دن بالعموم اپریل میں آتا ہے، جس دن اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ عورت کو بالآخر وہی اجرت مل رہی ہے جو ایک مرد کو ویسے ہی کام کرنے کے لیے پچھلے سال مل رہی تھی اور تم اپنی کوشش سے کانگریس پر دباؤ ڈال سکتے ہو کہ مساوی اجرتوں کے دو قوانین منظور کرے۔ ایک فیئر پے ایکٹ (منصفانہ تنخواہ کا قانون) جس میں عورت کے لیے مساوی کام کے عوض

مساوی اجرت کا اصولی فیصلہ، جس کے تحت کسی ادارے کے اندر اگر ملازموں کو یہ معلوم ہو کہ ویسے ہی کام اور تربیت کے حامل فرد کے مقابلے میں انہیں کم اجرت دی جا رہی ہے تو وہ آجر کے خلاف مقدمہ دائر کر سکتی ہیں، پے چیک فیئرنس ایکٹ کے تحت ایسے مقدمات میں تاوان کی رقم بہت زیادہ ہو سکتی ہے اوران ملازموں کو تحفظ حاصل ہوتا ہے جو اجرتوں کے بارے میں اطلاع دوسروں کے علم میں لاتے ہیں۔ متبادل پالیسیوں کا ایک مرکز اس بارے میں ۲۵ سال سے کام کر رہا ہے۔

آخری بات یہ کہ ایک یونین میں شامل ہو جاؤ یا خود ایک یونین شروع کر دو۔ ایک ادارہ اے ایف ایل، سی آئی او کے جائزے کے مطابق یونین کی ایک تیس سالہ رکن، جسے سالانہ تیس ہزار ڈالر تنخواہ ملتی ہو، پوری زندگی کی ملازمت میں چھ لاکھ پچاس ہزار ۱۳۳ ڈالر کا نقصان اٹھاتی ہے۔ دوسری طرف اگر وہ یونین ممبر نہیں ہے، اسے آٹھ لاکھ ۷۰ ہزار ۳۲۷ ڈالر کا نقصان ہوگا اگر تم نے ساتھ کام کرنے والے مردوں کو ادارے میں یونین سازی پر آمادہ کر لیا تو تم اپنے ساتھی مردوں کی زندگی کو اور خود اپنی زندگی کو بھی بڑی حد تک سنوار لو گی۔

عورتیں مرد کے بغیر بھی رہ سکتی ہیں، لیکن کیسے؟

کسی اسپرم بینک (جہاں مادہ مغویہ محفوظ رکھتے ہیں) میں جائیے یا ایسی ایجنسی سے رجوع کیجئے جہاں سے بچہ گود لیا جا سکتا ہے، ان عورتوں کے لیے ایسی ایجنسیاں اور ادارے موجود ہیں جو یہ تو چاہتی ہیں کہ بچے ہوں لیکن کسی وجہ سے مرد سے قربت کے بغیر چاہتی ہیں، بچوں کے لیے بھی یہ اچھا ہے کہ ان کے دو والدین ہوں (اور اس میں والدین کے لیے بھی سہولت ہے) لیکن وہ ساری باتیں جو آپ نے ضرر خوردہ بچوں کے بارے میں سنی ہوں گی، اکیلی ماں کی پرورش کے نتیجے میں اگر ظاہر ہو گئیں لیکن یہ بھی ہمارے کلچر میں موجود بہت سے جھوٹ میں سے ایک بڑا جھوٹ ہے۔ بیری گلاسز نے اپنی کتاب خوف کا کلچر (The culture of fear) میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ تنہا ماں کے پالے ہوئے افراد کم و بیش اتنی ہی تنخواہ اور اتنی ہی تعلیم حاصل کرتے ہیں، جتنی تربیت، تعلیم اور تنخواہ دونوں ماں باپ کے تحت پلنے والے بچے حاصل کرتے ہیں۔ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ

ایک گروپ کے طور پر اکیلی ماؤں کے پالے ہوئے، بچے جذباتی اور سماجی طور پر ان بچوں سے بہتر ہوتے ہیں، جو متنازعہ شادیوں (لڑنے جھگڑنے والے میاں بیوی) کے نتیجے میں پلتے ہیں، یا جن گھروں سے باپ جذباتی طور سے لاتعلق رہتا ہے یا گالی گلوچ کرتا ہے۔''

ہم ہیں نمبر ایک

اخبار کی شہ سرخی اس سے زیادہ واضح نہیں ہوسکتی تھی ''کرۂ ارض پر تمام اقوام نے گلوبل وارمنگ ایگریمنٹ پر دستخط کرائے ہیں، امریکہ نے انکار کر دیا۔

جی ہاں! ایک بار پھر ساری دنیا ہمارے ارادوں سے نفرت کرنے لگی ہے۔ تف ہے۔ تو پھر اب رہ کیا گیا ہے اور پھر اس میں نئی بات کیا ہے؟ ہم وہ ملک ہیں جس سے سبھی بخوبی نفرت کرتے ہیں۔ ظاہر ہے، ہم خود تو اپنے آپ سے نفرت کرتے نہیں ''صدر ڈبلیو! تم اس کی صفائی میں اور کیا کہو گے؟ قدیم زمانہ ہوتا تو اس کا سر پوٹومک (Potomac) پر کہیں کسی پل کی زینت بن چکا ہوتا۔ اس کے بجائے وہ دنیا بھر میں اینڈیا پھر رہا ہے اور لوگوں کو یہ بتا رہا ہے کہ وہ ہمارا منتخب لیڈر ہے اور ہم اس طرح ہو گئے ہیں، جیسے بالکل لاعلم اور احمق ہیں، دنیا ہم پر ہنس رہی ہے، ہمارے ساتھ نہیں ہنس رہی، کتنے رنج کی بات ہے، ابھی اس بات کو زیادہ دن نہیں گزرے، جب بین الاقوامی امور میں، بہت عرصے بعد نظریں ہماری طرف اٹھنے لگی تھیں۔ ہم نے شمالی آئر لینڈ میں کامیابی کے ساتھ پہلے امن معاہدے کے حصول میں مدد دی۔ ہم نے اسرائیل اور مقبوضہ علاقوں میں متحارب دھڑوں کو آمادہ کیا کہ بیٹھ کر بات چیت کریں، (اور یہ پہلی بار ہوا کہ فلسطینیوں کو ان کی کچھ زمین واپس مل گئی) ہم نے بالآخر ویت نام کے وجود کو تسلیم کیا (اگرچہ ہم نے ان کے تیس لاکھ عوام کے قتل پر اب تک معافی نہیں مانگی، میرا خیال ہے جرمنی نے بڑا اونچا معیار قائم کر دیا تھا۔ ہم ان سے صرف چند لاکھ پیچھے رہ گئے) جنوبی افریقہ پر امریکی دباؤ کے نتیجے میں نیلسن منڈیلا کو رہائی ملی، اس ملک میں جمہوریت آئی جس کے نتیجے میں منڈیلا صدر منتخب ہوئے۔

اور آخر میں یہ کہ ہم نے ایک چھوٹے سے لڑکے کو اس کے باپ کے پاس واپس بھیج دیا اور پہلی بار ایسا ہوا کہ اس علاقے میں تھوڑے سے مقامی لوگوں کو ہماری خارجہ

پالیسی پر اپنا قلم چلانے کی نوبت نہیں آئی۔

جی ہاں! مجھے یہ کہنا ہے کہ دنیا کی نظروں میں انکل سام کے لیے حالات خوشگوار نظر آنے لگے تھے۔ بس اس وقت تک کے لیے یہاں تک کہ ہمارے علم کے مطابق جس شخص نے کبھی سمندر پار نہیں کیا تھا، اس نے ۱۶۰۰ پنسلوانیا ایونیو کو اپنے تصرف میں لے لیا، جارج ڈبلیو بش نے اپنے عہدے کے پہلے چار مہینوں میں باقی دنیا کے ساتھ کیا کیا، وہ یہ ہے:

☆ وہ یورپین کمیونٹی کے ساتھ اس معاہدے سے منحرف ہو گیا جس میں طے پایا تھا کہ ہم اپنے یہاں کاربن ڈائی آکسائیڈ کا اخراج کم کریں گے۔

☆ اس نے ایک نئی سرد جنگ چھیڑ دی اور اس مرتبہ چین کے ساتھ۔ یہ امریکہ کے جاسوس طیارے کی بنا پر ہوا جس میں اس نے فضا میں ان کے لیے ایک طیارہ مار گرایا اور پائلٹ ہلاک ہو گیا۔

☆ اس نے مشرق وسطیٰ میں امن کی تدابیر کو ناکام ہوتے ہوئے دیکھا، نتیجہ یہ اسرائیلی اور فلسطینیوں کے درمیان ہم نے خون ریزی کے ایسے بدترین واقعات رونما ہوتے دیکھے کہ پہلے نہ دیکھے تھے۔

☆ امریکہ نے ۱۹۷۰ء کے عشرے میں روس کے ساتھ اینٹی بلاسٹک میزائل کے جو معاہدے کیے تھے، اس نے نہایت سرگرمی سے اس خلاف ورزی کی تیاری شروع کر دی اور یوں روس کے ساتھ ایک نئی سرد جنگ کا آغاز کر دیا۔

☆ اس نے سابق یوگوسلاویہ سے ایک طرفہ طور پر الگ ہو جانے کی دھمکی دی، چنانچہ اس علاقے کے مختلف نسلی گروہوں کے درمیان نئے سرے سے تشدد کی وارتیں شروع ہو گئیں۔

☆ اس نے حقوق انسانی کے معاہدوں کی خلاف ورزی کی اس کا نتیجہ یہ کہ اقوام متحدہ نے امریکہ کو حقوق انسانی کے کمیشن سے نکال باہر کیا۔

☆ اس نے عراق میں شہری آبادی پر بمباری کی جس طرح اس کے ڈیڈی نے کیا تھا۔

☆ اس نے جنوبی امریکہ میں منشیات کی لڑائی کو ہوا دی، چنانچہ امریکہ کی مدد کے

نتیجے میں کولمبیا والوں نے وہ طیارہ مار گرایا جس میں امریکی مشنری سوار تھے۔ ایک ماں اور اس کا بچہ جن کا تعلق مشیگن سے تھا، ہلاک ہو گئے۔

☆ شمالی کوریا کے ساتھ تعلقات میں کشیدگی کم ہونے کی جو توقع کی جاتی تھی، اس نے اس توقع کا خاتمہ کر دیا۔ اس بات کو یقینی بنا دیا کہ وہاں عام فاقہ زدگی برقرار رہے گی بلکہ اس کا لیڈر کم جانگ دوئم، فلم کا رسیا اپنے دھونسو قسم کے ویڈیو جس کی واپسی بہت پہلے متوقع تھی، اب کبھی واپس نہیں کرے گا۔

اس نے بنیادی طور پر ہر ملک کو امریکہ کا مخالف بنا دیا کیونکہ وہ اعلان کرتا رہا کہ اپنا اسٹارو ارز دفاعی نظام بطور خود جاری رکھے گا۔

یہ سب کچھ اس نے ۱۲۰ دنوں سے کم عرصے میں حاصل کر دکھایا۔ اس طرح کہ ہماری داخلی پالیسی کی ہوا نکال دی اور اس کے چند ہی گھنٹوں کے درمیان یہ ہو گیا۔ ہم میں سے جو لوگ یہ سوچ رہے تھے کہ جونیئر بش کامیابیوں کے حصول میں پیچھے رہ جائیں گے، وہ یقیناً اس کے ٹھاٹ اور طور طریقے دیکھ کر یقیناً متاثر ہوئے ہوں گے۔

☆ تو اب یوں ہے کہ دنیا ہم سے پھر نفرت کرنے لگی ہے۔ ہم اپنی جانی پہچانی جگہ پر واپس آ گئے ہیں۔ یہ اچھا تھا جب غیر ملکی یہ سوچنے لگے تھے کہ اب ہم ہمیشہ کے لیے اچھے بن گئے ہیں۔ کلنٹن کی ذاتی کشش کی بنا پر ہماری بہت سی باتیں درگزر کر دی جاتی تھیں۔ مٹھائیوں کی دکانوں کی رونق بڑھ گئی تھی اور تیسری دنیا کے ملکوں میں امریکی کمپنیوں نے بچوں سے محنت لینی شروع کر دی تھی۔ اپنی وافر محنت پیداوار کو نادار ملکوں میں برآمد کرنے لگے تھے، یہاں تک کہ وہ اپنی بدترین ہالی وڈ فلمیں بھی برآمد کرتے رہے۔

''صدر'' جارج بش کی زندگی کا ایک معمول کا دن

صبح آٹھ بجے: صدر ریاست ہائے متحدہ امریکہ (پریذیڈنٹ آف دی یونائیٹڈ اسٹیٹ، پوٹس) خواب سے بیدار ہوتا ہے اور یہ دیکھنے کے لیے اپنے آپ کو ٹٹولتا ہے کہ وہ ابھی تک وائٹ ہاؤس میں ہے۔

صبح آٹھ بج کر ۳۰ منٹ: بستر میں ناشتہ کرتا ہے۔ رمسفیلڈ اسے قسمت کا حال

اور کامک پڑھ کر سناتا ہے۔

صبح نو بجے: ''معاون صدر'' چینی آجاتا ہے تا کہ جارج کو کپڑے پہننے میں مدد دے۔ یمن کی صورتحال بتاتا ہے، جارج کو یاد دلاتا ہے کہ اپنے دانت برش کر لو۔

صبح ۹ بج کر ۳۰ منٹ: پوٹس کی آمد اوول آفس میں سیکرٹری کا خیر مقدم۔

صبح ۹ بج کر ۳۵ منٹ: پوٹس اوول آفس کے کام کے لیے نکل کر وہائٹ ہاؤس کے جمنازیم جاتا ہے۔

صبح ۱۱ بجے: مالش اور پاؤں صفائی

دوپہر: بیس بال کمشنر بڈ سلگ کے ساتھ لنچ، سلگ نے تصدیق کر دی کہ فرنٹ آفس میں ابھی تک کوئی جگہ نہیں۔

ایک بجے: قیلولہ

۲ بج کر ۳۰ منٹ سہ پہر: لٹل لیگ ''ٹیم آف دی ڈے'' کے ساتھ فوٹو۔

تین بجے: پوٹس اوول آفس میں واپس آتا ہے۔ کانگریس کے ارکان کے ساتھ قانون سازی پر بات چیت کے لیے۔

تین بج کر ۵ منٹ پر: اجلاس برخواست، کانگریس کے ارکان پریس کو بتاتے ہیں ''اجلاس بہت کامیاب رہا۔ صدر نے ہم سے کہا کہ ''کچھ قوانین منظور کروا لو، پھر اپنے شیگ بالز لے کر جنوبی لان میں چلا گیا۔

تین بج کر دس منٹ: چینی، پوٹس کو انرجی پالیسی کے نکات سے آگاہ کرتا ہے۔ جونئیر بش کو مشورہ دیتا ہے کہ تیل کمپنیوں کے سربراہوں کو شکریے کا خط ارسال کریں۔

تین بج کر ۱۲ منٹ: پوٹس کہتا ہے کہ مجھے دنیا کا نقشہ دکھایا جائے۔ بظاہر یہ دیکھ کر حیران ہوتا ہے کہ ''دنیا کتنی بڑی ہوگئی ہے''

تین بج کر ۴۰ منٹ: پوٹس نے آدھ گھنٹے سے بھی کم وقت میں ۱۹۱ دارالحکومتوں کے نام یاد کر لئے۔

تین بج کر ۴۴ منٹ: بش نے رومانیہ کے وزیراعظم سے بات چیت کی ''کیونکہ وہ تو میں کر سکتا ہوں؟ رومانیہ کے وزیر اعظم کو چیلنج کرتا ہے کہ برما کے دارالحکومت کا نام بتاؤ۔

وزیر اعظم کے بقول اس کی سمجھ میں ایک لفظ نہیں آتا کیونکہ پوٹس ہسپانوی بول رہا ہے۔

تین بج کر ۵۸ منٹ: پوٹس آسٹن جیل سے براہ راست فون کال وصول کرتا ہے۔ پوٹس کے بچوں کو وہاں پوٹس کا پورٹریٹ بگاڑنے کے جرم میں دھرلیا گیا ہے۔ یہ پورٹریٹ اس وقت کا ہے ،جب پوٹس گورنر تھا۔ پورٹریٹ اسٹیٹ کیپیٹل بلڈنگ پر لٹکا ہوا ہے۔ پوٹس ظاہر کرتا ہے جیسے فون لائن کے کنکشن میں کوئی خرابی ہے۔ایک بے کس خاتون کی آواز میں بولتا ہے، جس نے لائن میں مداخلت کی ہے، پھر انتظار کرتا ہے۔اسے یہ کہتے ہوئے سنا گیا ہے''یہ بھی اسی تنے کی لکڑی ہے۔''

۴ بجے:دن تمام ہوا، پوٹس رہائشی کوارٹر میں واپس آتا ہے۔ قدرے آرام کی خاطر۔

۶ بجے شام: افریقی سربراہان مملکت کے ساتھ عشائیہ، چینی سے مخاطب ہوکر '' میں افریقہ کے بارے میں کچھ سمجھ نہیں سکا۔'' کیا یہ اب بھی تاریک براعظم ہے۔ پوٹس معاون صدر سے کہتا ہے کہ میری جگہ تم بیٹھو۔

۶ بج کر ۵ منٹ: پوٹس وائٹ ہاؤس کے تالاب میں نہانے چلا جاتا ہے۔

سات بج کر دومنٹ: پوٹس وائٹ ہاؤس کے سکریننگ روم میں جاتا ہے۔فلم Dave ایک بار پھر دیکھتا ہے اور سو جاتا ہے۔

آٹھ بج کر ۳۰ منٹ: چینی پوٹس کو نیند سے جگاتا ہے۔اس کے کمرے میں لے جاتا ہے۔بستر میں لٹا کر شب بخیر کہتا ہے۔''شریر پوٹس'' سیڑھیاں اترتا ہے اور کرۂ ارض کی تباہی کے منصوبے پر دوبارہ اپنا کام شروع کر دیتا ہے۔

درحقیقت ایسی ہی کئی باتیں کلنٹن نے بھی کی تھیں، جو بش کر رہے ہیں لیکن کلنٹن نے انہیں لوگوں کے منہ پر رگڑا نہیں تھا۔کلنٹن ٹھنڈی طبیعت کا تھا، اتنا ٹھنڈا اور خاموش کہ بیشتر اوقات کسی کو پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ وہ کیا کرنے جارہا ہے۔کلنٹن نے ہماری اس طرح پردہ پوشی کی تھی کہ امریکی کئی برس تک بہ ت سے ملکوں میں پورے احساس تحفظ کے ساتھ سفر کر سکتے تھے اور یہ خطرہ بالکل نہیں ہوتا تھا کہ ایک ہجوم پیچھے لگ جائے گا اور ہوہو کر کے مذاق اڑائے گا۔

لیکن اب بش کی ''آ بیل مجھے مار'' والی خارجہ پالیسی کی بدولت اب اس امر کا جواز پیش کرنا مشکل ہو گیا ہے کہ ہم دنیا کی آبادی کے محض ۴ فیصد مفرور لوگ اس کی ایک چوتھائی دولت کے مالک کیوں ہیں؟ اگر ہم اپنی پشت کو نہیں دیکھ سکتے تو یہ خود پسند مفلوک الحال غیر ملکی تو یہ سوچنے لگے ہیں کہ ڈیجیٹل پیجرز (Digital Pagers) اور ریسیسڈ لائٹنگ (Recessed Lighting) میں ان کا بھی تو حق ہے اور اب ہمیں شک کی نظر سے دیکھنے اور انکار کرنے والے، جن کی تعداد پسے ہوئے ملکوں میں بڑھتی جا رہی ہے، یہ حقیقت سمجھ لیں گے کہ امریکہ کے تین سب سے دولتمند افراد، دنیا کے ساٹھ نادار ترین ملکوں کی ساری آبادی کی مجموعی دولت سے زیادہ نجی دولت کے مالک ہیں۔

ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے اربوں اور کھربوں عوام اگر یہ سوچنے لگیں کہ ان کے ایک ملین لوگوں کو جو پینے کے پانی سے محروم ہیں، پانی ملنا چاہئے تو ان کے سوچنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے، اس کی قیمت کیا ہوگی؟ کم از کم ہمارے سٹار وارز پروگرام کا ۲۵ فیصد اور اس سے کیا فرق پڑے گا، اگر دنیا کی ۳۰ فیصد آبادی اب تک بجلی کی روشنی سے محروم ہے، وہ سوچتے ہیں کہ اچانک بجلی کا بلب روشن ہو جائے اور وہ کتاب پڑھنے لگیں پھر دیکھو، کیا ہوتا ہے۔

مجھے سب سے زیادہ ڈر اس زمین پر اپنے جیسے پچاس فیصد لوگوں سے ہے، جنھوں نے کبھی فون پر بات نہیں کی۔ اس وقت کیا ہوگا، اگر ان کو اچانک خیال آ جائے کہ ''مدرز ڈے'' کے موقع پر گھر فون کرنا چاہئے، کیا انہوں نے کبھی نہیں سنا کہ ان کے لیے مزید فون نمبر نہیں ہیں؟ ان لوگوں پر برہم کیوں ہوتے ہو، بش کی اندوہناک کارگزاری کا بھلا ہو، لوگ پہلے ہی ہم پر پاگل ہو رہے ہیں۔ مزید یہ کہ ہمارے پاس ایٹمی طاقت بھی ہے۔ جنرل اکاؤنٹنگ آفس کو امریکہ کے ہر سکول کو نئے خطوط اور بہتر انداز سے چلانے کے لیے ۱۱۲ ملین ڈالر چاہئے۔

اگر ہم فیصلہ کر لیں کہ باقی ایف ۲۲ فائٹر جیٹ نہیں بنائیں گے، جس کا مطالبہ امریکی فضائیہ نے سرد جنگ کے زمانے میں کیا تھا (اور جس کے لیے کلنٹن اور بش کہ جنھیں چھانٹ لیا گیا ہے اب تک کر رہے ہیں۔) تو وہ سرمایہ ۴۵ بلین کے برابر ہے، فوری طور پر ہر ضرورت مند کے لیے آئندہ چھ سال تک کافی ہوگا۔

س ۱۹۸۰ء کے عشرے کے وسط میں ایک اور حیران کن بات ہوئی۔ گوربچوف نے ریگن کو چیلنج کیا کہ ہمارے پیچھے چو سویت یونین، مزید کسی جوہری اسلحہ کا تجربہ نہیں کرے گا، گوربیچوف نے کہا، امریکہ اس میں شریک ہوتا ہے یا نہیں، روس تو یہی کرے گا۔ یہ ایک انتہائی حیران کن لمحہ تھا، جسے میرا خیال ہے کہ بیشتر امریکی بھول چکے ہوں گے۔ پہلی بار ایسا ہوا کہ امید پیدا ہوئی کہ بم دھماکے میں ریزہ ریزہ ہو کر بکھر نہیں جائیں گے۔

اسلحہ کی دیوانہ وار دوڑ جسے ہم نے شروع کیا اور جسے جاری رکھنے پر روسی مجبور تھے، بالآخر سوویت یونین کے دیوالیہ ہو جانے کا ایک سبب بنی۔ جب روس نے ۱۹۴۹ء میں اپنا پہلا ایٹم بم بنایا، امریکہ کے پاس اس وقت بھی ۲۳۵ ایٹم بم موجود تھے۔ دس سال بعد ہمارے پاس ۱۵۴۶۸ ایٹمی ہتھیار تھے۔ روسی ہم سے بہت پیچھے تھے، ان کے پاس محض ۱۰۶۰ ایٹمی ہتھیار تھے لیکن اس کے بعد آئندہ بیس برس تک سوویت یونین نے بموں کی تیاری میں کتنی ہی بلین رقم خرچ کر ڈالی جبکہ اس کے باشندے سردی میں ٹھٹھرتے رہے اور یقیناً تب تک وہ اسلحہ سازی میں ہمارے قریب پہنچ چکے تھے۔ ۱۹۷۸ء تک ان کے پاس ۴۵۳۹۳ ایٹمی وار ہیڈز تھے جبکہ ہمارے یہاں نلوں میں پانی چل رہا تھا اور قابل اطمینان طور پر ۲۴۴۲۴ ایٹمی ہتھیار تھے۔

گوربیچوف کو میراث میں وہ قوم ملی جو دیوالیہ ہو چکی تھی، عام لوگ بھوکے تھے اور کبھی تو ٹوائلٹ پیپر کے ایک رول کے لیے ترستے تھے لیکن اس وقت بھی جب سوویت روس ۱۹۸۹ء میں ختم ہو جانے کے قریب تھا، یقین نہیں آتا کہ اس وقت بھی اس کے پاس ۳۹ ہزار ایٹمی وار ہیڈز موجود تھے۔ پینٹا گون کے لوگ اطمینان سے بیٹھے، ان کے حال پر ہنستے رہے۔ ہمارے لڑکے وار ہیڈز کی نہایت حقیر تعداد یعنی ۲۲۸۲۷ پر خوش تھے۔ کیا واقعی واشنگٹن کا اصل مقصد یہی تھا کہ کمیونسٹوں کو اس حد تک مفلس بنا دیا جائے کہ وہ بالآخر بغاوت کر دیں۔ گوربیچوف نے اس بات کو سمجھ لیا تھا لہٰذا مقابلے سے دستبردار ہو گیا لیکن اب بہت دیر ہو گئی تھی۔ سال ۱۹۹۱ء تک سوویت یونین کا وجود باقی نہیں رہا۔

اگر آپ اس وقت سخت طیش میں ہوں اور بار بار جی چاہتا ہو کہ اس بے ہودہ کتاب کو ایک طرف پٹک دیں تو اپنے رکن کانگریس /مرد یا خاتون سے رابطہ کیجیے۔ انہیں اس نمبر پر فون کیجیے واشنگٹن ۳۱۴۱-۲۲۴-۲۰۲ تم اپنے نمائندے کا ای میل ایڈریس اس پتے سے معلوم کر سکتے ہو www.house.gov یا www.senate.gov یا اس پتے پر خط لکھو: دفتر سینیٹر (نام) امریکی سینٹ، واشنگٹن ڈی سی ۲۰۵۱۰ یا دفتر نمائندہ (نام) امریکی دیوان نمائندگان واشنگٹن ڈی سی ۲۰۵۱۵۔

روس نے جب پندرہ سال پہلے تمام ایٹمی ہتھیاروں کو تلف کر دیئے جانے کی پیشکش کی تھی تو یہ کس کا احمقانہ خیال تھا کہ اسے نظر انداز کر دیا جائے۔ کیا یہ بات سبھی لوگ بھول گئے ہیں کہ پرانے سوویت یونین کے خاتمے کے بعد، وہ اس پر بھی آمادہ تھے کہ یکطرفہ طور پر اسلحہ سے دست بردار ہو جائیں۔ ۱۹۸۶ء میں (سوویت یونین کے خاتمے سے پہلے) آئس لینڈ کی سربراہ کانفرنس میں میکائیل گورباچوف نے یہ حتمی تجویز پیش کی تھی کہ ''سال ۲۰۰۰ء تک تمام جوہری اسلحہ ختم کر دیئے جائیں، وہ ریگن سے باضابطہ معاہدہ کر سکے کیونکہ ریگن نے اس کی تیاری سے دست بردار ہونا منظور نہیں کیا۔ آپ سمجھ گئے ہوں گے ''اسٹاروارز'' کی تیاری سے، اس صورت میں کہ ریگن نے گورباچوف کی بات پہلی بار نہیں سنی، انہوں نے اپنی پیشکش دوبارہ ۱۹۸۹ء میں بش سے کی جو صدر منتخب ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا ''یورپ میں امن برقرار رکھنے کے لیے جوہری اسلحہ پر کنٹرول ضروری ہے۔ جوہری اسلحہ کا ڈراوا ضروری نہیں، سب سے اچھی بات تو یہ ہوگی کہ جوہری ہتھیار ختم کر دیئے جائیں۔''

اس وقت تک ہم ایٹمی اسلحہ کے واضح خطرے اور مکمل تباہی کے مستقل اندیشہ کے تحت چالیس سال گزارتے آئے تھے پھر یہ ہوا کہ کمیونسٹ غائب ہو گئے اور سرد جنگ ختم ہو گئی۔ ہمارے پاس بیس ہزار ایٹمی وار ہیڈز رہ گئے اور سابق روس کے پاس ۳۹ ہزار ایٹمی وار ہیڈز تھے۔ یہ اتنی بڑی آتشیں طاقت تھی کہ پورے کرۂ ارض کو ایک نہیں، چالیس مرتبہ تباہ کرنے کے لیے کافی ہوتی۔

میرا خیال ہے کہ ہم میں سے بیشتر لوگ جو بچوں کی بکثرت پیدائش کے دور میں پیدا ہوئے، اس خیال کے ساتھ پل کر بڑے ہوئے کہ ہماری طبعی زندگی کے خاتمے کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوگی، یہاں تک کہ محض اتفاقاً ان میں سے کوئی ایک میزائل چل جائے۔ اس سے کس طرح بچا جا سکے گا ایسے لاتعداد ہتھیار دھرے تھے اور انہیں چلانے کے لیے بس ایک پل کی دیر تھی اور یہ بالکل ناگزیر نظر آرہا تھا کہ یا تو کوئی دیوانہ جس کی انگلی لبلبی پر ہے، اسے چلا دے یا محض غلط فہمی کے تحت بھر پور حملہ شروع ہو جائے یا وہ سارا سامان کسی دہشت گرد کے ہاتھ لگ جائے اور اپنے طور پر ایک ہتھیار چلا دے۔ ہم خوف کے بادل تلے، دبکے ہوئے، سہمے ہوئے بیٹھے تھے اور اس کا منفی اثر ایک قوم کے طور پر ہر بات پر ہوا، اور پھر اس خوف کا تدارک کرنے کے لیے ہم کھربوں ڈالر خرچ کرتے گئے، عام تباہی کے اور بھی زیادہ ہتھیار بناتے گئے۔

ہم نے ٹیکس کا سارا سرمایہ بے مصرف وار ہیڈز کی تیاری پر پھونک دیا، جس کے بارے میں یہی امید تھی کہ ان کے استعمال کی نوبت نہیں آئے گی اور اپنے سکولوں کو غارت ہونے دیا، اپنے شہروں کو صحت کے اسباب مہیا کرنے میں ناکام رہے اور ہمارے سائنسدانوں کی نصف سے زیادہ تعداد بجائے اس کے کہ سرطان کا علاج دریافت کرتی یا کوئی اور بڑی ایجاد ہماری زندگی کو بہتر بنانے کے لیے استعمال کرتی، فوجی منصوبوں پر کام کرتے کرتے ختم ہوگئی۔

پینٹا گون کا منصوبہ ۲۰۰۱ء ۴۵۰۰ بلین ڈالر خرچ کرنے کا ہے، جس سے ۲۸۰۰ نئے جنگی طیارے، جوائنٹ اسٹرائیک فائٹر بنائے جائیں گے، یہ اس رقم سے بھی زیادہ ہے جو امریکہ کے ہر کالج میں ہر طالبعلم کی ٹیوشن فیس دینے کے لیے درکار ہوگی۔ آئندہ چار برسوں میں پینٹا گون کو دی جانے والی رقم میں ٦٦ ٹریلین ڈالر کا اضافہ تجویز کیا گیا ہے۔ روس اور یوکرائن کے نئے لیڈر سرخوشی کے عالم میں اور ماضی سے خود کو بہت دور ظاہر کرنے کے لیے باہر نکل آئے اور امریکہ کو امن کی فاختائیں اور زیتون کی شاخ پیش کرنے لگے۔ یوکرائن نے اعلان کیا کہ جنگی اسلحہ کی دوڑ سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ انہوں نے اپنے وار ہیڈز فوری طور پر ناکارہ کر دیئے۔ روسی میزائلوں کا رخ مختلف امریکی شہریوں کی طرف تھا جو ایک کمپیوٹر کے ذریعے منسلک تھے۔ روس نے کمپیوٹر بند کر دیا پھر انہوں نے امریکہ کو

ایٹمی ہتھیاروں کے مستقل خاتمے کی پیشکش کردی۔ ان کا ردعمل بے مثال اور ناقابل یقین تھا۔

امریکہ خاموش رہا۔ روسی اس بات سے نہیں ڈرے۔ وہ بڑے صبر سے جواب کا انتظار کرتے رہے۔ پھر مزید انتظار کرتے رہے، اس بھروسے کے ساتھ ہم بالآخر ان کی فراخدلانہ پیشکش کو مان لیں گے۔

انہیں یہ بھی امید تھی کہ ہم کچھ ہمدردی کے جذبے سے کام لیں گے، انہیں کچھ خوراک بھیجیں گے اور چند جدید مشینیں بھی، ایک دو بجلی کے بلب، غرضیکہ کوئی بھی ایسی چیز جو اس دردناک کیفیت سے ان کو باہر نکال دے۔ انہوں نے یہ بھی فرض کر لیا تھا کہ ہم ان کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو دوسری عالمی جنگ کے ختم ہونے پر مغربی یورپ کے ساتھ کیا تھا، کچھ سہولت پہنچانے اور تعمیر نو کے کام، جس سے مغربی یورپ میں ۵۵ سال تک مسلسل اور بے تعطل امن برقرار رہا جو کئی صدیوں میں طویل ترین مدت تھی۔

جی ہاں! روسیوں نے یہ سمجھا تھا کہ ان کے بھلے دن آنے والے ہیں، یہ دنیا اب ان کے لیے بہت محفوظ ہوگی۔ پھر آپ کو معلوم ہے کہ کیا ہوا ہم نے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا کہ اپنی جگہ سڑتے رہیں، اس دوران میں روسیوں کے بے ہنگم انبوہ نے حالات اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ حسب وعدہ وہ شہسوار اپنے اسلحہ کی چمک دمک کے ساتھ نہیں آیا، غذائی قلت بڑھتی گئی۔ شہری سہولتوں کا نظام ٹوٹ پھوٹ گیا اور محنت کش عوام معمولی سہولتوں کی خاطر دربدر ہوتے رہے۔ ان کا نیا صدر بورس یلسن ایک شرابی اور مسخرا ثابت ہوا اور چونکہ وہ اپنے ملک کو امریکی کارپوریشنوں کے لیے حلوائی کی دکان بنانے پر آمادہ نہیں تھا، (جس طرح چینیوں نے انکار کر دیا تھا) لہٰذا سابق روس میں ڈالروں کا پرنالہ گرنے سے رہ گیا۔ روسی سیاست کے سیاہ گوشے سے سخت گیر سیاستکار نکل آئے۔ انہوں نے عہدے سنبھال لئے اور وہ موقع جو وار ہیڈز کو، جن میں ابھی بھی جان تھی، ضائع کرنے کا امکان پیدا ہوا تھا، ضائع ہو گیا۔

نئے روسی لیڈر مزید اسلحہ تیار کرنے اور ایران اور شمالی کوریا کے ہاتھوں اسلحہ فروخت کرنے کی باتیں کر رہے ہیں۔ زندگی میں ایک موقع ملا تھا، وہ ہم نے ضائع کر دیا۔ موقع یہ تھا کہ اسلحہ بندی کی مجنونانہ دوڑ کو ختم کر دیتے اور نئے عالمی نظام میں نئے رفیق پیدا

کرتے، موقع کی کھڑکی زیادہ دنوں تک کھلی نہیں رہی اوراتنی ہی تیزی سے وہ موقع غائب ہوگیا، جتنی تیزی سے راسپوٹین کا ہاتھ مونیکا لونسکی کے ہینڈ نکلا تھا۔

مونیکا لونسکی ۱۹۹۰ء کے عشرے کے نصف آخر ہم نے اس طور گزارا۔ نیلے ملبوس پر مجامعت کے دھبے تلاش کرتی ہوئی نظریں۔ ہماری کانگریس نے فراہم معاملات کو مثلاً دنیا کو ایٹمی تباہی سے بچانے کے معاملے کو ملتوی رکھا اورتوجہ اس پر مرکوز رکھی کہ فوج کا سربراہ منہ میں سگار کیسے لیتا ہے۔ ہماری تمام تر توجہ اس پر لگی رہی۔ ہمارے لئے ایک موقع تھا کہ دنیا کو آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ بنا دیتے لیکن ہم تو اتنے لالچی تھے کہ وال سٹریٹ کی لوٹ کے مزے لیتے رہے۔ کام چوروں اور اوباشوں کی قوم کے ساتھ ہمیشہ یہی ہوتا آیا ہے۔ بڑی مسرت اور خوشدلی سے اپنے آپ کو ممکن حد تک بیوقوف ثابت کرتے رہے۔ آزاد دنیا کے لیڈر کی حیثیت سے ہمارا تو کام ہی یہی ہے۔

لیکن سنو! دنیا کے بیس صنعتی ملکوں میں ہم اول نمبر پر ہیں۔

- ☆ ہم لکھ پتیوں میں اول ہیں......ہم ارب پتیوں میں اول ہیں۔
- ☆ فوجی مصارف میں ہم اول ہیں۔
- ☆ اسلحہ سے خون ریزی میں ہم اول ہیں۔
- ☆ گوشت کی پیداوار میں ہم اول ہیں۔
- ☆ فی کس بجلی کی کھپت میں ہم اول ہیں۔
- ☆ کاربن ڈائی آکسائیڈ کے اخراج میں ہم اول ہیں۔ (آسٹریلیا، برازیل، کینیڈا، فرانس، انڈیا، انڈونیشیا، جرمنی، اٹلی، میکسیکو اور برطانیہ کی مجموعی مقدار سے زیادہ)
- ☆ بلدیاتی فضلے کی فی کس اور مجموعی مقدار پیدا کرنے میں بھی ہم اول ہیں۔ (یہ مقدار ۷۲۰ کلوگرام فی کس سالانہ ہے)
- ☆ خطرناک فضلے کی پیداوار میں بھی ہم اول ہیں (اپنے قریب ترین حریف جرمنی سے بیس گنا زیادہ)
- ☆ ہم تیل خرچ کرنے میں بھی اول ہیں۔
- ☆ ہم قدرتی گیس خرچ کرنے میں بھی اول ہیں۔
- ☆ ہم ٹیکس کے مد میں کم سے کم رقم جمع کرنے میں بھی اول ہیں۔(مجموعی ملکی

پیداوار کے فیصد کے برابر)

☆ دفاعی اور ریاستی حکومتوں کے انتہائی کم مصارف کی رعایت سے بھی ہم اول ہیں۔ (مجموعی ملکی پیداوار کے فیصد کے برابر)

☆ ہم خسارے کے بجٹ میں بھی اول ہیں۔ (مجموعی ملکی پیداوار کے فیصد کے برابر)

☆ ہم حراروں (Calories) کی فی کس یومیہ مقدار کو ہضم کرنے میں بھی اول ہیں۔

☆ ہم اس طرح بھی اول ہیں کہ یہاں کم سے کم لوگ ووٹ دینے کے لیے نکلتے ہیں۔

☆ سیاسی پارٹیوں کی جس مقدار کی نمائندگی زیریں یا اکیلے ایوان میں ہوتی ہے، ان میں بھی ہم اول ہیں۔

☆ ہم زنا بالجبر میں بھی اول ہیں، جو وارداتیں درج کی جاتی ہیں۔ (ہمارا قریب ترین حریف کینیڈا ہے۔)

☆ سڑک پر زخمی اور ہلاک ہونے والوں کی تعداد میں بھی اول ہیں (ہمارے ساتھ کینیڈا ہے اور ہم کینیڈا سے دو گنا آگے ہیں۔)

☆ بیس سال سے کم عمر ماؤں کی تعداد میں بھی ہم اول ہیں۔ (کینیڈا والوں سے دگنا آگے اور نیوزی لینڈ کے تقریباً برابر)

☆ اس حیثیت میں کہ ہم نے حقوق انسانی کے بین الاقوامی معاہدوں پر دستخط نہیں کیے، ہم اول ہیں۔

☆ اقوام متحدہ کے بعض ملکوں نے قانون کے تحت بننے والی حکومتوں کے منظور کردہ کنونشن برائے حقوق اطفال کی توثیق نہیں کی، ہم ان میں بھی اول ہیں۔

☆ بچوں کے حقوق کو پامال کرنے والے جن معروف افراد کو سزائیں دی گئی ہیں، ان میں بھی ہم اول ہیں۔

☆ پندرہ سال سے کم عمر کے بچے، فائرنگ سے جن کی ہلاکت کا امکان ہے، ان میں بھی اول ہیں۔

☆ پندرہ سال سے کم عمر کے بچے جن کے بارے میں یہ امکان ہے کہ گولی مار کر خود کشی کر لیں گے، ان میں بھی ہم اول ہیں۔

☆ آٹھویں درجے کی ریاضی میں سب سے زیادہ نمبر لینے والے بچوں میں بھی ہمارے بچے اول ہیں۔

☆ انسانی تاریخ کے اس پہلے معاشرے کی حیثیت سے جس میں آبادی کا سب سے نادار حصہ بچوں پر مشتمل ہے، ہم اول ہیں۔

ایک لمحے کو رک جایئے اور اس فہرست پر غور کیجئے۔ کیا آپ کا سینہ احساس تفاخر سے پھول نہیں جاتا جب آپ دیکھتے ہیں کہ اتنے بہت سے شعبوں میں سرفہرست آپ ہی ہیں، کوئی اور نہیں ہے۔ یہ فہرست ان دنوں کی یاد دلاتی ہے، جب مشرقی جرمنی نے اولمپکس میں ارے تمغے جیت لیے تھے۔ دوستو! تمہاری کامیابی کوئی آسان بات نہیں ہے۔ اپنی پیٹھ ٹھونکو اور اس سے امیروں کے ٹیکس میں مزید کٹوتی ہوگی۔

دنیا کے باقی ۱۹۱ ملکوں کے ساتھ زیادہ خود اعتمادی برتنے کی خاطر میں کچھ مشورے دوں گا، جن سے عالمی امن کو برقرار رکھنے میں مدد ملے گی۔ میں نے بڑی انکساری سے اس کا نام ''مائیک کا جامع امن منصوبہ'' رکھا ہے جہاں تک میں دیکھتا ہوں، ہم اس جزیرے میں پھنس کر رہ گئے ہیں اور کوئی بھی اس سے محفوظ رہنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا اور کسی کو بھی اب ووٹ دے کر نکالا نہیں جا سکے گا تو اب خواہ ایسا کرنا درست ہو یا یہ بات ہو کہ ہم نہیں چاہتے کہ امریکہ کے ہر ہوائی اڈے پر ایک بن لادن چھپا ہوا ہو، لہٰذا یہ ہماری ضرورت ہے کہ دنیا کے معاملات کو سیدھارنے میں مدد کریں۔ میں اس کی ابتدا مشرق وسطیٰ شمالی آئر لینڈ، سابق یوگوسلاویہ اور شمالی کوریا سے کروں گا۔

مقدس سرزمین

کیا اچھا نام ہے، مقدس سرزمین، وہ جگہ جہاں شیطان کے سالانہ اجتماع پر وی آئی پی روم میں اتنا شر اور فساد نہ ہوتا ہوگا، جتنا شر یہاں فی مربع میل کے اندر رونما ہوتا ہے۔

جنوری ۱۹۸۸ء میں فلسطین کے پہلے انتفاضہ کے آغاز سے ایک ہی ماہ بعد کچھ دوست اور میں اسرائیل کے مغربی کنارے اور غزہ کے علاقوں میں بچشم خود دیکھنے کے لیے

گئے کہ آخر یہ ہلچل اور افرا تفری کیوں ہے؟ اگرچہ میں نے پہلے ہی اپنی زندگی میں وسطی امریکہ، چین جنوب مشرقی ایشیا اور مشرق وسطیٰ کے دوسرے حصوں کی سیاحت کر لی تھی لیکن مقبوضہ علاقوں کے مہاجر کیمپوں میں جو کچھ میں نے دیکھا، اس کے لیے میں بالکل تیار نہیں تھا، اتنی ناداری، لاچاری اور افلاس میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ انسانوں کو بندوق کی نوک پر رکھ کر چالیس سال سے زیادہ عرصے تک انہیں اس طرح زندگی گزارنے پر مجبور کر دینا، سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔

اس سرزمین پر یہودیوں کو جب عذاب اور خوف سے گزرنا پڑا، اس پر میرا دل دکھتا ہے اور غصہ بھی آتا ہے۔ آبادی کے کسی گروہ نے اتنی اموات اور اذیتیں اور وہ بھی مسلسل نہیں دیکھی ہوں گی جتنی یہودیوں نے دیکھیں۔ تعصب اور کٹڑپن کے ہاتھوں وہ صدیوں تک ہزاروں سال عذاب جھیلتے رہے۔ نفرت، دادا جان کے کلاک یا طلائی گھڑی کی طرح نہیں جسے لوگ آئندہ نسل میں اولادوں کے لیے چھوڑ جاتے ہیں۔ اگر میرے پردادا کے دادا کینیڈا یا پرسباٹیریا کے لوگوں سے نفرت کرتے تھے تو ہمارے پاس اسے جاننے کا کوئی طریقہ نہیں لیکن یہودیوں سے نفرت کس طور پر منتقل ہوتی گئی، ایک زبان یا ایک گیت کی طرح یا ایک زبانی روایت کی طرح جو بہت سی قوموں کے درمیان مشترک ہوتی ہے۔ عام طور پر ہم انسان اپنی بری عادتیں ترک کر دیتے ہیں۔ یاد ہے، جب کہا جاتا تھا، ''زمین چپٹی ہے'' ہم نے اس بیان پر اصرار کرنا چھ سو برس پہلے چھوڑ دیا۔ پھر یہ بات کہ کائنات کی تخلیق کا عمل ہفتے کی رات تک ہوتا رہا تھا، ہم نے اس پر بھی قابو پالیا اور یہ بات کہ انڈے آپ کے جسم میں کولسٹرول پیدا کرتے ہیں، پھر لوگوں نے سمجھ سے کام لے کر یہودیوں کے خلاف کٹڑپن ترک کیوں نہیں کیا اور اسے ردی کی ٹوکری میں کیوں نہیں ڈال دیا، جس میں پرانے تعصّبات پڑے ہوئے ہیں۔

لیکن دیکھئے، فلسطینیوں کے سلسلے میں ایک پیچیدہ عنصر موجود ہے۔ اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں کہ جن بچوں سے بدسلوکی ہوتی ہے، وہ بڑے ہو کر اپنے بچوں سے بدسلوکی کرتے ہیں، جب امریکیوں نے کمبوڈیا کے پرامن اور غیر جانبدار لوگوں پر بمباری کی اور بار بار کی، ویتنام میں جنگ کے زمانے میں ان کے ہزاروں، لاکھوں افراد ہلاک کر ڈالے تو اس بات پر حیرت نہیں ہونی چاہئے کہ کشت و خون کا سلسلہ چلتا گیا اور کمبوڈیا کے

باشندوں نے ایک دوسرے کو ہلاک کرنا شروع کر دیا۔ دوسری عالمی جنگ میں جب سوویت یونین کے دو کروڑ شہری ہلاک ہو گئے تو اس میں تعجب کیا اگر انہوں نے اپنی سرحدوں پر واقع تقریباً ہر ملک پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کرنا اور بالادستی برقرار رکھنا ضروری سمجھا اور گویا اس کی ضمانت حاصل کر لی۔ بہت زیادہ تشدد اور بدسلوکی ہو تو لوگ پاگل بھی ہو جاتے ہیں اور اپنے بچاؤ کے لیے تشدد اور غیر عقلی طریقے اختیار کرنے لگتے ہیں۔

میں ان متعدد دلائل میں الجھنا نہیں چاہتا کہ اسرائیل کا قیام کیوں عمل میں آیا اور اس سرزمین پر تاریخ یا بائبل کی روشنی میں وعدوں کی نوعیت کیا ہے۔ میں تو موجودہ صورتحال پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ دونوں طرف سے ہونے والی مسلسل خون ریزی کا سلسلہ، فلسطینیوں کی یہودیوں سے نفرت اور فلسطینیوں پر اسرائیلیوں کی دہشت ناک ستم رانی۔

یہ سچ ہے کہ عرب ملکوں میں فلسطینیوں پر بہت ظلم ہو رہا ہے، جہاں انہیں ووٹ دینے کا بھی حق حاصل نہیں، جہاں وہ کوئی جائیداد نہیں رکھ سکتے، جہاں ان کی حیثیت دوسرے درجے کے شہریوں کی ہے اور اسرائیل کے خلاف جنگ میں وہ مہروں کی طرح ہیں لیکن میں اس پر اپنا وقت صرف نہیں کروں گا کیونکہ میں اس بارے میں کچھ کر نہیں سکتا۔ تم اور میں شام کو ہر سال تین ملین ڈالر اس طرح نہیں دیتے، جس طرح اسرائیل کو دیتے ہیں اور چونکہ یہ ہمارا سرمایہ ہے، اس لئے اسرائیل کے مقبوضہ علاقے میں جو مظالم ہو رہے ہیں، قتل ہو رہے ہیں اور غیر انسانی حالات پیدا کر دیئے ہیں، ہم کو لازماً اپنے آپ کو ان کا ذمہ دار سمجھنا ہوگا۔ مشرق وسطیٰ میں لڑائی بند کرانی ہوگی اور جب کہ اسرائیل کے پاس ایٹمی ہتھیار بھی ہیں لہٰذا اس سے پہلے کہ ہم سب کو اس کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑے، عرب ملکوں کو یہ دیوانگی ختم کرنی ہوگی اور جلد کرنی ہوگی۔

کم از کم میں تو نہیں چاہوں گا کہ اسرائیل کے پیدا کردہ مقبوضہ علاقے میں اس غیر انسانی کیفیت کو برقرار رکھنے کے لیے میرے نام سے کوئی چندہ جائے، چاہے کہیں بھی جائے مجھے یقین ہے (مجھے روک دیجئے، اگر یہ بات آپ نے کبھی پہلے بھی سنی ہو) کہ تمام انسان حق خود اختیاری رکھتے ہیں، ووٹ دینے کا حق، زندہ رہنے اور آزادی سے زندہ رہنے کا حق اور خوشی کی تلاش کا حق۔ مغربی کنارے اور غزہ میں رہنے والے عربوں کو یہ حقوق حاصل نہیں۔ وہ سفر کرنے میں بھی آزاد نہیں، وہ مستقل طور پر کرفیو میں زندگی گزار رہے

ہیں۔ ان کے مکانوں پر کسی تنبیہ کے بغیر بلڈوزر چلا دیئے گئے، انہیں گرفتار کر کے مقدمے چلائے بغیر جیل میں ڈال دیا جاتا ہے۔ زمین ان سے چوری کر کے آباد کاروں کو دے دی جاتی ہے۔ پتھر پھینکنے پر محض گلی سے گزرتے ہوئے ان کے بچوں کو گولی مار دی جاتی ہے۔

ٹھیک ہے کہ وہ پتھر پھینکتے ہیں، ٹھیک ہے کہ وہ اسرائیلی آبادکاروں کو ہلاک کر دیتے ہیں جن سے بدسلوکی ہو، وہ یہی کرتے ہیں، وہ اپنے دفاع میں لڑتے ہیں اوردوسرں کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں۔ اسرائیلیوں سے بہتر یہ بات کون جان سکتا ہے؟ دنیا نے گزشتہ صدی میں انہیں ذبح کر کے تقریباً نابود کر دیا تھا، اگر اس ہزار ہا سال بعد بھی انہیں اس طرح ختم کیا گیا تو پھر ہمیشہ کے لیے نابود ہو جائیں گے۔

ہم میں سے وہ لوگ جو اتنے خوش نصیب ہیں کہ زندگی میں اس طرح کے عذاب سے بچے رہتے ہیں انہیں کبھی تو دخل اندازی کرنی چاہئے اور یہ کشت وخون ختم کرنا چاہئے۔ میرا اپنے ملک سے یہی مطالبہ ہے اور یہ کیسے ہوگا، میں بتاتا ہوں۔ اپنے بلیک چیک بھیجنا بند کر دو اور دونوں فریقوں سے مل کر کہو کہ یہ حیوانیت بند کریں۔

میرا منصوبہ

ا۔ کانگریس کو چاہئے، اسرائیل کو مطلع کر دے کہ ان کے یہاں ہمارے نام پر جو خون ریزی کی جاتی ہے۔تیس دنوں کے اندر بند کی جائے ورنہ ہم تین بلین ڈالر کی امداد بند کر دیں گے۔ انفرادی دہشت گردی خاصی بری بات ہے، لیکن خود ریاست کی طرف سے ہونے والی دہشت گردی واقعی تمام تر شر ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ کوئی اکیلا فرد جس کی شدید شکایتیں ہوں، تشدد کے ذریعے انتقام لینے پر خود کو مجبور پائے گا لیکن اسرائیلیوں کا ایک گروہ جو ویسے تو اچھے اور ذہین لوگ ہیں، دوسرے فریق کے لوگوں کو مستقلاً دہشت زدہ رکھنے کے لیے ایک نظام کار وضع کرنا، محض ان کی نسل اور مذہب سے اختلاف کی بنا پر قابل قبول نہیں، پھر تم اور میں لاکھوں دوسرے امریکی جو ٹیکس ادا کرتے ہیں، اپنا سرمایہ اسرائیل کے ناقابل قبول کاموں پر لگا رہے ہیں۔ ایسے کام جو وجود میں نہ آتے اگر آج اور ہر روز یومیہ چار سینٹ کے حساب سے ہمارے معاوضے سے کاٹے نہ جاتے

اوران کی گولیاں خرید کر اسرائیل کی بندوقوں کے لیے بھیجی نہ جاتیں کہ فلسطینیوں کے بچوں کو ہلاک کریں۔ اسرائیل اگر یہ چاہتا ہے کہ ہمارے ٹیکس کے ڈالر اسے برابر ملتے رہیں تو اسے ایک سال دیا جانا چاہئے کہ اس مدت میں فلسطینیوں کے ساتھ مل کر ایک منصوبہ بنائے اور ایک ریاست کی تخلیق کرے، جس کا نام فلسطین ہو (جس میں مغربی کنارے، غزہ اور زمین کی وہ پٹی جو ان کو آپس میں ملاتی ہے، شامل ہو) فلسطین کی یہ نئی ریاست لازمی طور پر ایک آئین بنائے جس میں نہ صرف اسرائیل کے خلاف جارحیت ممنوع ہو بلکہ فلسطین کے ہر مرد، عورت اور بچے کے جمہوری حقوق کی ضمانت دی جائے۔

۳۔ پھر امریکہ اسرائیل کو اب تک جو کچھ دیتا آیا ہے، اس کی دگنی رقم دے (مستقل امن کی خاطر میں خوشی سے ہر ہفتے یہی دیتا رہوں گا) یہ کوئی مفت رقم نہیں ہوگی، جو ہم بدعنوان پبلک عہدیداروں کو، جس طرح ہمارے ملک میں ہیں دیں گے۔ یہ مارشل پلان قسم کی براہ راست مدد ہوگی تاکہ اس رقم سے سڑکیں اور سکول تعمیر ہوں، صنعتیں قائم ہوں اور لوگوں کو معقول اجرت کے عوض کام ملے۔

۴۔ اس صورت میں اقوام متحدہ کو یہ عہد کرنا ہوگا کہ اب بھی اگر کوئی اسے تباہ کرنا چاہے گا تو یہ ادارہ اس کا دفاع کرے گا، اور یہ بھی عہد کرنا ہوگا کہ وہ سب عرب حکومتوں سے ایک جمہوری فلسطین کی مدافعت کرے گا (ان حکومتوں کے ستم زدہ لوگ جب یہ دیکھیں گے کہ یہ فلسطینی عرب کتنے اچھے حال میں ہیں کہ انہیں آزادی اور فارغ البالی میسر ہے، تو حکمران بوکھلا کر شور مچائیں گے لیکن میری سنتا کون ہے؟ پھر بھی یہ مستقلاً احمقانہ ڈرامہ زمین کے اس ٹکڑے کے لیے جاری ہے، جسے طے کرنے میں اتنا ہی وقت لگتا ہے جتنا بنگالی اوقات میں اوکلینڈ سے سان فرانسسکو جانے میں لگتا ہے، یہ بہت ہو چکا ہے۔ پھر بھی، ہوسکتا ہے، ایک شخص میری بات سن لے۔

پیارے صدر عرفات

ہم کبھی نہیں ملے۔ میں نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی کہ آپ کو کسی بہانے سے

عشائیہ پر مدعو کرتا یا ہارس شو دکھاتا۔ آپ ایک مصروف آدمی ہیں۔ میں بھی ایک مصروف آدمی ہوں۔ میں بھی ایک مصروف آدمی ہوں (حالانکہ یہاں میرے دفتر میں ایسا کوئی نہیں، جو مجھے ''مسٹر پریذیڈنٹ'' کہے یا میری ہدایات کے جواب میں جی ہاں، جی ہاں کہتا رہے۔)

سوری: یہ کچھ اس طرح کا مزاج ہے، جس نے مجھے گرا کر امریکہ کے سب سے سستے کیبل تک پہنچا دیا ہے (چینل ۶۴، نیویارک سٹی میں اطالوی زبان کے اسٹیشن کے ٹھیک بعد)

آپ کی کامیابی کی کنجی میرے پاس ہے اور بونس کے طور پر ایک فلسطینی ریاست بھی اس کے ساتھ ہے میں جانتا ہوں، آپ سوچ رہے ہوں گے، ایں، یہ کون شخص ہے؟'' آپ ٹھیک سوچ رہے ہیں لیکن مجھ پر اعتبار کیجئے۔ میں ایک انقلابی تجویز رکھنا چاہتا ہوں۔ ایسی انقلابی تجویز کہ دائیں بازو والے ہر اسرائیلی کو بھگا کر، آپ کی طرف لے آئے گی اور امن کا خواہشمند ہر اسرائیلی دوڑتا ہوا آپ کی طرف آئے گا۔

یہ تجویز کوئی نئی نہیں ہے۔ اس میں کسی فوج کی ضرورت نہیں۔ کوئی دھن دولت نہیں چاہئے۔ اقوام متحدہ کی قرار دادوں کی بھی ضرورت نہیں، یہ بہت سستی، کوڑیوں کے مول ہے۔ یہ تجویز بہت سے ملکوں میں بار بار آزمائی جا چکی ہے اور کبھی ناکام نہیں ہوئی۔ اس میں کسی نفرت کی ضرورت نہیں اور نہ اس کے لیے اسلحہ چاہئے۔ دراصل یہ ہیم، اسلحہ کے بغیر۔ اس کو عدم تشدد پر مبنی سول نافرمانی کی عوامی تحریک کہتے ہیں۔ یہ مارٹن لوتھر کنگ کے لیے موثر ثابت ہوئی، ان کی عدم تشدد کی تحریک نے امریکہ میں نسلی تفریق کو جس کی قانونی حیثیت تھی، اچانک ختم کرا دیا۔ اس نے گاندھی کے حق میں کام کیا۔ انہوں نے اور ان کے ہم وطنوں نے ایک گولی چلائے بغیر برطانیہ کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے نلسن منڈیلا کے لیے کام کیا۔ انہوں نے اور ان کی افریقن نیشنل کانگریس نے کسی پر تشدد انقلاب کے بغیر نسلی عصبیت تقریباً ختم کرا دی۔

یہ طریقہ ان سب کے لیے کارگر ثابت ہوا۔ یقین کیجئے، یہ آپ کے لیے بھی کارآمد ہوگا۔

ٹھیک ہے، آپ اب بھی تشدد کے ذریعے جیت سکتے ہیں۔ ویتنامیوں نے ثابت

کر دیا کہ وہ کرۂ ارض پر سب سے طاقتور ملک کو بھی کوڑے مار کر بھگا سکتے ہیں اور ہمیں دیکھئے، ہمیں آٹھ سال لگ گئے، ریڈ کوٹ والوں سے نپٹنے میں اور ہمیں ساری گولیوں کی بدولت ایک بڑا ملک مل گیا تو میرا خیال ہے، گولی کام آتی ہے۔ مسئلہ صرف یہ ہے کہ جب کشت وخون بند ہوتا ہے تو کچھ دیر کے لیے ذہن چکراتا رہتا ہے اور یہ سمجھنے میں کچھ وقت لگتا ہے کہ بس اب بندوق نیچے رکھ دی جائے (۲۲۵ سال بعد بھی ہم نے یہ نہیں سیکھا) لیکن آپ ''تحریک'' کے اس طریقے کو آزمانے کے خواہشمند ہوں تو اس سے نہ صرف یہ کہ کم سے کم لوگ مارے جائیں گے بلکہ آپ کو بالآخر اپنا ملک مل جائے گا۔

اب ذرا دیکھئے، یہ طریقہ کیسے کام کرتا ہے۔

۱۔ ذرا بیٹھ جایئے۔ یہ ہوئی نہ بات ، بہت آسان ہے۔ اپنے بدن کو ڈھیلا چھوڑ دیجئے، فرش پر لیٹ جایئے۔ سڑک کے درمیان چند ہزار افراد کا لیٹنا کافی ہوگا۔ پھر کوئی حرکت نہ کیجئے اور نہ پلٹ کر جوابی حملہ کیجئے جب وہ آپ کو گھسیٹ کر راستے سے دور کرنا چاہئیں۔ اس کے بجائے کہ ہمیشہ اسرائیل ہی غزہ اور مغربی کنارے کے راستوں کو بند کرتا رہے، آپ خود کیوں نہ یہ راستے بند کردیں، پر امن انداز میں چوک میں آجائیں اور دھرنا مار کر بیٹھ جائیں کوئی اسرائیلی آپ کی آباد کردہ بستی تک نہیں پہنچ سکے گا۔ تمہاری زمینیں جو اسرائیل کے قبضے میں ہیں، وہاں سے کوئی اسرائیلی اپنا تجارتی مال اور فطری وسائل گاڑیوں میں ڈال کرنہیں لے جا سکے گا۔ مجھے معلوم ہے کہ ایسی کوئی اسرائیلی گاڑی نہیں ہو گی جو ہزاروں انسانوں کے پہاڑ پر سے گزر سکے (برف پر چلنے والی گاڑی بھی نہیں) یقیناً وہ کوشش تو کریں گے، جس میں کچھ لوگ زخمی اور کچھ ہلاک بھی ہوں گے۔ پھر بھی اپنی جگہ سے حرکت نہ کیجئے گا۔ بس بیٹھے رہیے گا۔ اسے ساری دنیا دیکھ رہی ہوگی، خاص طور پر اس صورت میں کہ یہ حیرتناک عالمی رائے عامہ آپ کے ساتھ ہواور ذرائع ابلاغ آپ کے منصوبوں سے باخبر اور چوکس ہوں (یقین کریں، سی این این آپ کی آواز سن لے گی) اور آپ کے موجودہ منصوبے کے تحت جتنے فلسطینی ہلاک ہو رہے ہیں، اس سے کہیں کم اموات ہوں گی۔

۲۔ عام ہڑتال کا اعلان کیجئے۔ اسرائیلیوں کے لیے کام کرنے سے انکار کر دیجئے۔ ان کی معیشت کی بنیاد اس تقریباً غلامانہ محنت پر ہے، جو وہ آپ سے لیتے ہیں

اگر فلسطینی نہیں کریں گے تو ان کے ڈھیروں پست درجے کے کام کون کرے گا۔ کیا دوسرے اسرائیلی؟ مجھے یقین نہیں ، انہیں تمہاری ضرورت ہے تا کہ تم اوسط سے بھی کم اجرت پر ان کے لیے کمر توڑ محنت کرو۔ اگر ایک بھی عربی کام کرنے سے انکار کر دے تو اس وقت تم دیکھو کہ وہ کتنی تیزی سے معاملہ طے کرنے پر آجائیں گے۔ وہ ہڑتال کو توڑنے کی کوشش تو کریں گے۔ وہ تمہارا پانی، سڑکیں اور خوراک بند کر دیں گے لیکن تمہیں ڈٹے رہنا ہے۔ اسباب تیار رکھو، عدم تشدد کے ذریعے ہڑتال کرو اور ہار نہ مانو۔

چند سال تقریباً دس لاکھ سے زائد اسرائیلیوں نے تل ابیب میں ایک پرامن ریلی میں شرکت کی تھی۔ وہ ایک حیران کن منظر تھا۔ اس کے معنی یہ بھی تھے کہ فلسطینیوں کے حمایتی دس لاکھ یہودی بھی ہیں، یعنی ملک کی ایک تہائی آبادی اس قوم کے لوگ جنہیں آپ اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ آپ کے وہ ''دشمن'' اس وقت آپ کے پاس آئیں گے جب آپ کا احتجاج غیر جارحانہ ہوگا۔ اسے آزما لیجئے۔ آپ کے آدمیوں اور ان کے آدمیوں کے درمیان آپ کے حمایتی تعداد میں ان سے زیادہ ہوں گے، جو آپ کو سمندر میں دھکیل دینا چاہتے ہیں۔

بدقسمتی سے، میں یہ جانتا ہوں کہ آپ کا مطالبہ خون طلب کرتا رہتا ہے۔ سوچتے ہیں کہ اس طرح آزادی مل جائے گی۔ نہیں ، ایسا نہیں ہوگا۔ یہ طریقہ آپ کو انہی لوگوں میں شامل کر دے گیا جو آج آپ کو قتل کر رہے ہیں اگر آپ نے اسرائیلیوں کے بارے میں ایک بات اب تک نہیں سمجھی تو بہتر ہوگا کہ اب سمجھ لیں، وہ کہیں نہیں جا رہے ہیں۔ خدا کا واسطہ یہ جان لیجئے، ان کے ساٹھ لاکھ باشندے ہیں، یہ تھوڑے سے پتھر اور کار بم، ان کی بقا کا راستہ روک دیں گے۔ وہ ایک ایسی دنیا میں آباد ہیں، جو سب سے الگ تھلگ ہے اور تنہا ہے۔ وہ اس وقت تک نہیں جائیں گے جب تک ہلاک ہوتے ہوئے زمین پر ایک بھی فرد باقی رہ جائے گا۔ کیا آپ یہی چاہتے ہیں؟ کیا کرۂ ارض پر ایک آخری یہودی بھی فنا کے گھاٹ اتار دیا جائے؟ اگر یہ بات ہے تو آپ کی بڑی سنجیدگی سے مدد کی ضرورت ہے۔

لیکن جیسا کہ مجھے یہ شک ہے کہ آپ امن کو ترجیح دیں گے، مستقل جنگ اور خانماں خرابی سے بچیں گے، تو پھر آپ سارا اسلحہ زمین پر ڈال دیں، سڑک پر اکٹھا ہو کر لیٹ جائیں اور پھر دیکھیں۔ بس پھر ذرا انتظار کریں، جی ہاں، اسرائیلی آپ کے بہت سے لوگوں کو ماریں گے۔ آپ کی عورتوں کے بال پکڑ کر کھینچیں گے، کتے چھوڑ دیں گے، وہ آگ

بجھانے والے پائپ سے پانی بھی چھوڑ سکتے ہیں (اور وہ سارے طریقے جو انہوں نے امریکیوں سے سیکھے ہیں لیکن آپ نے پلٹ کر جواب نہیں دینا ہے، یقین کیجیے، ان وحشیوں کے ہاتھوں، جب آپ کے مصائب کی تصویریں ساری دنیا میں پہنچیں گی تو اتنا شور رونما ہوگا کہ اسرائیلی حکومت کے لیے تشدد جاری رکھنا ممکن نہیں ہوگا۔)

اگر آپ نے چاہا تو اس عدم تشدد کے احتجاج میں، میں بھی آپ کے ساتھ شامل ہو جاؤں گا۔ آپ کے لوگوں کو ہلاک کرنے والے بموں اور گولیوں کے جواب میں، جن کے لیے ہم نے رقم دی ہے، میں آپ کی کم سے کم یہی مدد کرسکتا ہوں۔

آپ کا میکائیل مور

برطانیہ عظمیٰ اور آئر لینڈ

ایک بار پھر، نام ہی سے پتہ چل گیا کہ کیا انداز ہوگا۔ وہ لوگ جن کا اختیار ہے، وہ جانتے ہیں کہ ایک غلط کام کو طول دے رہے ہیں اگر یونائیٹڈ کنگڈم کو یہ احساس تھا کہ شمالی آئر لینڈ پر اس کی بالادستی اخلاقی طور پر جائز تھی۔ تو اسے برطانیہ عظمیٰ کا حصہ قرار دے کر درگزر کرتے۔ سمندر پار یہ چھ کاؤنٹی کا علاقہ ہے، اس طرف لوگوں کی توجہ دلانے کی نوبت نہ آتی۔

مجھے غلط نہ سمجھیں، برطانیہ کے لوگ مجھے اچھے لگتے ہیں۔ برطانیہ کے نیٹ ورکس اور سٹوڈیوز میرے کام میں مالی معاونت کرتے ہیں، امریکی نہیں کرتے۔ اگر اجازت دیں تو میں ایک عمومی سی بات کہوں گا، جس کی تردید صرف کسی برطانوی فٹبال میچ میں دنگے سے ہو سکتی ہے کہ انگریز ذہین لوگ ہوتے ہیں، ان میں زبردست حس مزاح ہوتی ہے اور وہ سیاسی طنز کو سمجھنے کی زبردست صلاحیت رکھتے ہیں۔ ہمارے یہاں کے برعکس ان کے یہاں ابلاغ کے متعدد ذرائع ہیں، (صرف لندن میں گیارہ اخبارات نکلتے ہیں اور چار قومی ٹی وی) نیٹ ورکس ہیں اور ایک ہی رات میں وہ اتنا کچھ دیتے ہیں کہ ہمارے دوسرے زائد چینل مل کر بھی اتنا نہیں دیتے۔ برطانیہ کے ذرائع ابلاغ بڑے وسیع تناظر میں اپنے ادارتی نقطہ ہائے پیش کرتے ہیں۔ برطانیہ میں کوئی بھی فرد باقی نہیں رہتا جسے اپنے سیاسی خیالات کے اظہار کا موقع نہ ملتا ہو، سوائے شمالی آئر لینڈ کے کیتھولکس کے۔

فلسطین کی ''صورتحال'' کی طرح نہیں اور میں اس کی آٹھ سو برس کی تاریخ کھنگالنے کا ارادہ نہیں رکھتا لہٰذا میں تو سیدھی طرح حالیہ پیچیدہ صورتحال پر بات کروں گا۔ شمالی آئر لینڈ میں کیتھولکس دوسرے درجے کے شہری ہیں، جن کے حقوق کی مسلسل خلاف ورزی کی جا رہی ہے، اقتصادی طور پر جنہیں انتہائی پست رکھا گیا ہے اور جو ایک قابض فوج کے تحت برطانوی سپاہی کے انگوٹھے تلے زندگی گزار رہے ہیں، اس کے نتیجے میں گزشتہ ۳۳ سال کے اندر قاتلانہ وارداتیں ہوتی رہی ہیں۔ بل کلنٹن اپنے صدارتی دور میں دونوں فریقوں کو قریب لانے میں کامیاب ہو گئے گے اور انہوں نے ایک ایسا امن سمجھوتہ مرتب کر لیا تھا، جس کے تحت شمالی آئر لینڈ کے اندر اقتدار کے ڈھانچے میں کیتھولکس شامل کر لئے جاتے، چنانچہ میں نے اطمینان کا سانس لیا اور پر امید رہنے لگا لیکن وہ امید زیادہ دنوں تک برقرار نہیں رہی۔ پروٹسٹنٹس جلد ہی اس بات پر اصرار کرنے لگے کہ وہ اس وقت تک اقتدار میں شریک نہیں ہوں گے جب تک آئی آر اے پوری طرح ہتھیار نہیں ڈال دیتا۔ بیشتر نے اسے محض معاہدے سے روگردانی کے لیے ایک بہانہ سمجھا۔ پھر خون ریزی دوبارہ شروع ہو گئی۔ اس وقت سے امن کے امکانات تاریک ہوتے جا رہے ہیں۔ اس حمایت کو جاری رکھتے ہوئے ایک زمانہ ہو گیا۔ میرے پاس ایک حل ہے، جس سے اس علاقے میں مستقل طور پر امن قائم ہو جائے گا۔

شمالی آئر لینڈ کے پروٹسٹنٹس کا مذہب کچھ تبدیل کرا دیجئے، یہ ٹھیک ہے۔ جب تمام لوگ ایک ہی مذہب کے ہوں گے تو پھر یہ چپقلش اور مذہبی لڑائی باقی نہیں رہے گی۔ فطری بات ہے کہ بہت سے پروٹسٹنٹس تبدیلی مذہب پر رضامند نہیں ہوں گے لیکن کیتھولک چرچ کو اس بات سے کس نے روکا ہے؟ زمانہ وسطیٰ کی صلیبی جنگوں کے زمانے سے لاطینی امریکہ کے ہسپانوی فاتحین تک کلیسا کر ہر زمانے میں یہ بات معلوم تھی کہ مقامی لوگوں کو روشنی حاصل کرنے کے لیے کسی طرح ''قائل'' کیا جاتا ہے چونکہ کیتھولک شمالی آئر لینڈ میں آبادی کا ۴۳ فیصد ہیں۔ اس لئے ایک کیتھولک اکثریت بنانے کے لیے صرف ۸ فیصد پروٹسٹنٹس کو تبدیلی مذہب کی ضرورت ہوگی اور اسے تو بہت آسان ہونا چاہئے۔ خاص طور پر پروٹسٹنٹس رومن کیتھولک ہونے کے درج ذیل فائدوں پر غور کریں گے۔

ایک ہی مالک کل ہوگا۔ پروٹسٹنٹس میں ہزاروں فرقے ہیں۔ کچھ فرقوں کو کمیٹیاں

چلاتی ہیں اور بعض کو منتخب چیئر مین، چند کو کھاتوں کے کوآپریٹو کی طرح چلاتے ہیں۔ کیتھولک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک سربراہ ساری زندگی کے لیے مل گیا۔ ایک ایسا شخص جسے فیصلے کرنے میں جھجک نہیں ہوتی، جس نے دینداروں کے لیے اصول طے کر دیئے ہیں اور زندگی میں نظم و ضبط کی حدود متعین کر دی ہیں جو بہت صریح ہیں اور جب پوپ انتقال کرتا ہے تو انتخابات کا پاکھنڈ کھڑا نہیں ہوتا، کوئی دو سو افراد سرخ لباس میں ایک کمرے کے اندر جمع ہوتے ہیں، ووٹ دیتے ہیں اور جب کمرے کی چمنی سے سفید دھواں نکلتا ہے تو ہر ایک کو خبر ہو جاتی ہے کہ فیصلہ ہو گیا، کوئی انتخابی مہم کی تقریریں نہیں ہوتیں، رائے دہندوں کی خوشامد نہیں کرنی پڑتی، کوئی دوبارہ گنتی نہیں ہوتی۔

☆ زیادہ جنس جیسا کہ ہمیں علم ہے، کیتھولکس کے یہاں زیادہ بچے ہوتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہوں گے کہ اس کے ایک ہی معنی ہیں، زیادہ جنسی فعل، معاف کرنا کیتھولک چرچ کی رو سے جنسی عمل کے بغیر بچے نہیں ہو سکتے اور آج کل زیادہ جنسی فعل کس کے بس میں ہے میں آپ سے کہتا ہوں کہ ان پروٹسٹنٹس دوستوں کے علم میں ہے کہ ان احمقانہ اٹھک بیٹھک کے بغیر بھی اتنی تیزی سے سب کچھ کیسے ہو جاتا ہے۔

☆ ناغے کے زیادہ دن، کیتھولک چرچ میں چھ مبارک دن (ہولی ڈیز) ہیں جن ملکوں میں شہریوں کی اکثریت کیتھولک عقیدے پر عمل پیرا ہے انہیں پوری چھٹی یا تنخواہ ملتی ہے اور بچوں کے سکول میں تعطیل ہوتی ہے۔ کیا تم ایک بھی پروٹسٹنٹس ہالی ڈے کا نام لے سکتے ہو، میرا خیال ہے نہیں۔

☆ مفت شراب: تم عبادت کے لیے ہر روز جاتے ہو، وہاں تمہیں پینے کو مفت شراب ملتی ہے۔ ٹھیک ہے تمہیں ماننا پڑے گا کہ تم حضرت عیسیٰؑ کا لہو پی رہے ہو گے لیکن یہ تو تم کر ہی سکتے ہو۔ تم نے کتنی ہی بار لوگوں سے کہا کہ تھوڑی سی ''جن'' اور ٹانک جو تم پی رہے ہو، وہ پانی ہی تو ہے۔ تھوڑا یقین پیدا کرو۔

☆ کیتھولک لڑکیاں: (اوپر کی عبارت دیکھ لو)

☆ جنت میں خود خدا کے دائیں جانب ایک یقینی نشست؟ یہ تو بائبل میں آیا ہے، عیسیٰؑ نے پیٹر کو کلیسا کا سربراہ مقرر کیا اور پھر یہ واضح کر دیا کہ ''ایک بچے

کیتھولک چرچ کے ارکان ہی مخملی ڈور سے گزر کر موتیوں والے دروازے تک پہنچ سکیں گے تو پھر تم ملکہ کے ساتھ اپنی وفاداری کا دم بھرتے رہو اور تا قیامت تک جہنم کی آگ میں جلتے رہو، یا پھر ''اے لسٹ'' میں شامل ہو جاؤ اور اول درجے کی نشست لے کر ہمیشہ مزے کرتے رہو۔

ایک مرتبہ وہ فہرست جس کا ذکر اوپر ہوا پروٹسٹنٹ لوگوں کو مل جائے گی تو پھر چند ہی گھنٹوں بعد ''فالس روڈ'' کے دروازے کی طرف ہجوم دیوانہ وار دوڑ پڑے گا۔

اور یہ رہا ایک آسان حصہ جسے کوئی بھی کیتھولک بپتسمہ کی رسم میں ادا کرسکتا ہے، اگر اسے یقین ہو کہ ایک غیر کیتھولک کو بچائے بغیر اسے مرنے دیا جا سکتا ہے۔ میرا خیال ہے یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ اس میں برطانیہ کے سارے پروٹسٹنٹ شامل ہوں گے۔

تمہیں بس یہ کرنا ہوگا کہ تھوڑا سا پانی، لو، اسے کسی پروٹسٹنٹ کی پیشانی پر ڈال دو اور یہ الفاظ دہراؤ ''میں تجھے بپتسمہ کرتا ہوں، باپ، بیٹے اور مقدس گھوسٹ کے نام پر آمین۔''

تو یہ ہے معاملہ ویٹ واچرز (Weight watchers) کے ساتھ ملتے ہیں کچھ زیادہ وقت لگے گا (اور اگر پروٹسٹنٹ پس و پیش کرتا ہوا محسوس ہو تو پروٹسٹنٹ آبادیوں کے درمیان دوڑ لگاؤ، اس طرح نہیں کہ ہاتھوں میں رائفلیں ہوں بلکہ باغیچے والا پانی کا پائپ ہو، جس پر پادری نے دعا کر لی ہو۔ یہی مقدس پانی ان پر چھڑکو اور وہی الفاظ باآواز بلند دہراؤ اور پھر سر پر پاؤں رکھ کر بھاگو۔)

سابق یوگوسلاویہ

دنیا کا یہ دور افتادہ گوشہ پچھلی صدی سے ہمارے بہت سے اجتماعی مسائل کا سبب بنا رہا ہے۔ اس کے باشندے سربوں کے ساتھ اور کروٹس کے ساتھ نہ رہ سکے اس لیے ان کے خلاف لڑتے رہے، مسلمانوں کے خلاف لڑتے رہے، مقدونیہ کے لوگ البانیہ سے لڑتے رہے، کوسوو سے لڑتے رہے، سربوں سے لڑتے رہے۔ ان سب کا سرا ایک واقعہ سے ملتا ہے۔ ۱۹۱۲ء میں سرب نراجیوں میں سے ایک نے کہا کہ جس کا نام گیوٹلو پرنسپ تھا۔ آرکڈیوک فرڈیننڈ کو قتل کر دیا۔ اس کے نتیجے میں پہلی عالمی جنگ شروع ہوگئی جس کے بعد

دوسری عالمی جنگ آ گئی اوران دونوں جنگوں میں پانچ کروڑ افراد ہلاک ہو گئے۔

ان لوگوں کے بارے میں، میں نہیں جانتا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ میں تو ٹیکساس والوں کو قتل نہیں کرتا۔ میں تو فلوریڈا کے دیہات کو آگ لگا تا نہیں پھرتا۔ میں نے ان کے ساتھ رہنا سیکھ لیا۔ یہ کیوں نہیں سیکھتے۔

یوگوسلاویہ میں جارحیت ہمیشہ تو نہیں رہی۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد یوگو سلاویہ کے وہ لوگ جنہوں نے ہٹلر کے خلاف جنگ کی تھی، اقتدار پر قبضہ کر لیا اور مارشل ٹیٹو کی سربراہی میں کمیونسٹ حکومت قائم کر لی۔ (ہٹلر کے حامیوں میں بیشتر سرب تھے، کروٹس اور کچھ دوسرے لوگ تھے، جنہوں نے نازیوں کا خیر مقدم کیا تھا اور اس کے ''آخری حل'' (Final Solution) کو کھلی بانہوں سے خوش آمدید کہا تھا۔ ٹیٹو نے ماسکو کے ساتھ جواب دہی سے انکار کر دیا۔ اس نے اپنے ملک کے مختلف نسلی دھڑوں کو متحد کرنے کے لیے ایک خودساختہ مشن پر کام کرنا شروع کیا۔

یوگوسلاویہ کے لوگوں نے تقریباً چالیس سال تک ایک دوسرے کو قتل کرنے کا سلسلہ بند رکھا۔ وہ ایک مہذب ملک بن گیا تھا۔ انہوں نے یوگوز (Yugos) گاڑیاں بنائیں۔ باسکٹ بال ان کا قومی کھیل قرار دیا گیا۔ زندگی مزے سے گزر رہی تھی۔ پھر یہ ہوا کہ ٹیٹو کا انتقال ہو گیا اور گویا جہنم کے دروازے کھل گئے۔ کروٹس نے سربوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ سربوں نے بوسنیا میں مسلمانوں کو قتل کیا۔ سربوں نے کوسوو میں البانیہ والوں کو ہلاک کرنا شروع کر دیا۔ آخر امریکہ نے سوو پر بمباری کی، یہ جتانے کے لیے کہ ایک دوسرے کو ہلاک کرنا برا ہے۔ گزشتہ چند برسوں کے درمیان امن رہا، پھر جنگ ہونے لگی امن پھر بحال ہوا اور اب پھر جنگ ہونے لگی ہے۔ یہ سلسلہ کبھی بند نہیں ہوگا۔ یہ لوگ کشت وخون کے عادی ہو گئے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مداخلت کا وقت آ گیا ہے۔ فوجی طریقہ نہیں بلکہ مداخلت کا عمل، بارہ مراحل میں جو طریقہ عادی شراب خور کے علاج میں برتا جاتا ہے۔ میں سابق یوگوسلاویہ کے باشندوں کو یہ مشورہ دوں گا، ایک عہد کریں اور اپنے آپ کو تشدد سے باہر نکال لیں۔ سارے ملک کے کلیساؤں کے تہہ خانوں میں ہفتہ وار اجتماعات کریں (خواہ جتنا بھی ملک بچ رہا ہو) دائرہ بنا کر بیٹھیں اور جو کچھ بھی ہو، اپنے دلوں سے نکال کر سامنے رکھ

دیں۔ جی ہاں آپ وہاں تمبا کو بھی پی سکیں گے اور کافی خاصی مقدار میں دستیاب ہوگی اور اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو پھر ہم تمہاری یہ چھوٹی چھوٹی یوگو گاڑیاں ہزاروں کی تعداد میں کارگو طیاروں پر لاد کر بلندی سے تمہارے ملک پر برسانا شروع کر دیں گے پھر تمہارے لئے گھر سے باہر نکلنا محفوظ نہیں رہے گا کیونکہ کسی کو کیا معلوم کہ دو ہزار ٹن وزن کی گاڑی کب اس کے سر پر آ گرے گی۔

یہ بھی ممکن ہے کہ سائنس کے پاس اس مسئلہ کا کوئی بہتر حل ہو۔ شاید ہم اس موقع کا انتظار کر رہے تھے، یعنی ایک ایسی ایجاد جس سے مردے کو زندہ کیا جا سکے۔ ٹیٹو جب تک زندہ رہا، امریکہ میں کسی نے بھی اسے پسند نہیں کیا تھا لیکن اب تو لیڈی برڈ جانسن کی طرح پیارا لگتا ہے۔ اگر ہم انسانوں کی کلوننگ کر سکتے ہیں تو کیا ہمیں یہ نہیں چاہئے کہ جو پہلے سے ہی زندہ ہے، اسے واپس لائیں؟ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا اگر امریکی حکومت چند بلین ڈالر لازارس پرجیکٹ (Lazarus Project) پر خرچ کر دے۔ وہ بوڑھا کھوسٹ اگر ایک بار پھر اپنے بے لگام باشندوں کی ذمہ داری سنبھال لے تو بہت سی دکھی آنکھوں کے لیے وہ ایک خوشگوار منظر ہوگا۔ ان لاکھوں انسانوں کے نام پر جنہیں اس بیسویں صدی میں مرنا نہیں چاہئے تھا لیکن یوگوسلاویہ والوں کی بد اعمالیوں کے باعث جنہیں مرنا پڑا اور اب ہمیں کوئی امید یوگوسلاویہ میں امن وسکون کی بحالی کے لیے نظر نہیں آتی، ٹیٹو، خواب سے بیدار ہو۔

یوگوسلاویہ میں تشدد کی لت سے بحالی کے بارہ مدارج

سچ تو یہ ہے کہ آپ لوگوں کے پاس ان بارہ مدارج کو طے کرنے کے لیے وقت نہیں ہوگا اور آپ ادھر مرتے رہیں گے، اس لئے یہ تین طریقے برتئے لیکن ذرا تیزی سے۔

☆ یہ مان لو کہ تشدد کی لت پر قابو پانے میں تم بے بس ہو اور اب تمہارے لئے اپنے وجود کو سنبھالنا ممکن نہیں رہا۔

☆ ایک فیصلہ کرو اور اپنی زندگیوں کو اقوام متحدہ، نیٹو (Nato) یا کسی اور تنظیم کی سپردگی میں دے دو، ایسی کوئی بھی تنظیم جو تمہاری قبائلی جنگوں کے درمیان حائل ہو سکے۔

☆ وہ تمام لوگ جنہیں تم نے نقصان پہنچایا ہو، جہاں بھی ممکن ہو، ان سے خود مل کر صلح صفائی کر لو سوائے اس صورت میں کہ تمہیں یا دوسرے فریق کو زخمی ہو جانے کا ڈر ہو۔ (یا اس صورت میں کہ وہ یوگوسلاویہ کے دوسرے ہزاروں باشندوں کی طرح فنا کے گھاٹ نہ اتر گئے ہوں۔)

شمالی کوریا

اب کچھ باتیں شمالی کوریا کے حکمران کم چونگ دوئم کے بارے میں۔ وہ فلموں کا زبردست شوقین ہے، اس کے مکان میں پندرہ ہزار سے زائد فلموں کے ویڈیوز کا نجی ذخیرہ موجود ہے۔ ممکن ہے وہ فلمیں دیکھ کر یہ رہنمائی حاصل کرنا چاہتا ہو کہ اپنے ملک کے ستم زدہ اور فاقے میں مبتلا عوام کو مصائب سے کیسے نجات دلائی جائے لیکن چونکہ اس کی پسندیدہ فلمیں (عریاں فلموں کے علاوہ) بظاہر امریکی فلمیں ہیں، ایلزبتھ ٹیلر کی فلمیں اور فرائی ڈے دی تھرٹینتھ (Friday the 13th) اس لئے عین ممکن ہے کہ وہ غلط فلمیں دیکھ رہا ہو۔

اس آمر اور فلم کے شیدائی نے سینما کے فن پر ایک کتاب لکھی ہے اور ایک فلم سکول بھی قائم کیا ہے ''شمالی کوریا میں جو بھی فلم بنتی ہے، کم چونگ دوئم اسے ضرور دیکھتا ہے۔'' یہ بیان شمالی کوریا کی ایک فلم ایکٹریس کا ہے، جو بعد میں بھاگ کر جنوبی کوریا چلی گئی۔ اس نے مزید بتایا کہ ''وہ اداکاری، ہدایتکاری اور باقی تمام چیزوں پر تبصرہ کرتا ہے۔ اگر وہ کسی اداکار یا اداکارہ کی تعریف کر دے تو وہ اچانک سٹار بن جاتی ہے۔''

تفریحات کی من مانی دنیا میں فن پاروں کو پرکھنے کے سلسلے میں وہ اپنے سب سے بڑے بیٹے کم جان کا ہم مذاق ہے جو حال ہی میں جاپان کے نئے ڈزنی ورلڈ کو دیکھنے کے لیے بیتابانہ وہاں پہنچ گیا تھا۔ اس کے لیے اس نے ڈومینکن، ری پبلک کا جعلی پاسپورٹ استعمال کیا (وہ شکل سے بھی ڈومیکین لگتا ہے) جب راہداری کے عملے نے ہوائی اڈے پر بیٹے کو پہچان لیا تو انہوں نے والد صاحب کو اطلاع دی جنہوں نے کہا کہ اسے واپس بھیج دیا جائے، واپس اس کے مکان کے کمرے میں۔

کم چونگ دوئم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ''عمر کے ڈھلنے کے عمل کو سست کرنے کے لیے'' وہ پابندی کے ساتھ نوجوان دو شیزاؤں کا خون اپنی شریانوں میں منتقل

کراتا ہے۔ وہ کھیلوں کا بھی شیدائی ہے اور امریکی بیس بال میں زون اور فرداً فرداً دفاع کے درمیان فرق کو پوری طرح جانتا ہے۔ وہ دراز قد نظر آنے کے لیے اونچی ایڑی کے جوتے پہنتا ہے، چنانچہ بینی کو گنک نامی بیش قیمت جوتوں کا دنیا کا سب سے بڑا خریدار وہی ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ شمالی کوریا میں ہزاروں افراد بھوک سے مر رہے ہیں، بیشتر اس بنا پر کہ کم چونگ دوئم ایک آمر بھی ہے، جو اپنی قومی آمدنی کا ۲۵ فیصد فوج پر خرچ کرتا ہے۔ اب اگر تم امریکی ہو تو ایسا کر کے بھی بچ نکلو گے، میرا مطلب یہ ہے کہ ہمارے پاس گندم کی لہلہاتی ہوئی فصلیں بہت ہیں۔ اس لئے اپنا بیشتر سرمایہ پینٹا گون کو دینے کے باوجود ہم (سب) بھوک سے نہیں مریں گے لیکن شمالی کوریا ایک کوہستانی لق و دق علاقہ ہے جہاں گھونگے بکثرت پائے جاتے ہیں، ان حالات میں تم کاروبار نہیں چلا سکتے۔

۱۹۴۱ء سے جب کوریا کی کمیونسٹ شمالی اور سرمایہ دار ناشٹ جنوبی کے درمیان تقسیم کیا گیا تب ہی سے دونوں کوریا کے باشندے بڑے سخت حالات میں زندگی گزارتے آئے ہیں۔ انہوں نے کوریا کی جنگ کو جھیلا جو سرکاری طور پر کبھی بھی بند نہیں ہوئی (ہم اب تک ''متارکہ جنگ'' کی حالت میں ہیں) کئی عشرے تشدد اور تنہائی میں گزارے (یہ کیفیت جنوبی کوریا میں ۱۹۸۰ء کے زمانے کی جمہوریت نواز تحریک کی بنا پر ختم ہو گئی لیکن شمالی کوریا میں اب تک برقرار ہے) معاش افلاس، سیلاب اور قحط کے زمانے برداشت کئے۔ صرف شمالی کوریا کے شہریوں کو یہ اجازت دی گئی ہے کہ اس پچاس سال کے عرصے میں جنوبی کوریا میں خاندان کے افراد سے دوبارہ مل سکتے ہیں۔ ۱۹۸۵ء میں دونوں طرف سے صرف پچاس افراد کو اپنے اپنے خاندان والوں سے ملاقات کی اجازت دی گئی تھی۔ پھر اگست ۲۰۰۰ء میں ایک سو افراد کو ملاقات کی اجازت ملی۔

کم چونگ دوئم کو شمالی کوریا میں ''پیارے رہنما'' کہا جاتا ہے۔ اسے ایک سنکی اور غیر ذمہ دار کھلنڈرے شخص کی شہرت حاصل ہے۔ کلنٹن انتظامیہ کے ایک سابق اعلیٰ عہدیدار کا بیان ہے کہ دو سال قبل وہ ایک شرابی نظر آتا تھا جو اپنے گرد و پیش کی دنیا کو سمجھنے سے معذور تھا۔ اس کے باپ نے ۱۹۴۸ء سے ۱۹۹۴ء تک ملک پر حکومت کی، باپ کی جگہ جب وہ حکومت میں سرکاری طور پر آیا تو جو اس پر یہ الزام عائد کیا گیا تھا کہ اس نے جنوبی کوریا کی کابینہ کے بہت سے ارکان کو بم کے دھماکے سے ہلاک کر دیا تھا اور جنوبی کوریا کے ایک

شہری طیارے پر بھی دھماکہ کیا تھا۔ اس کے پاس ایک بڑی فوج ہے اور یہ بھی شک کیا جاتا ہے کہ اس کے پاس بم ہے۔

پچھلے دو سال سے کچھ یوں نظر آنے لگا ہے کہ کم کی قلبی کیفیت بدل رہی ہے اور سایے سے باہر نکل کر اس کی انفرادیت نمایاں ہو رہی ہے۔ ۱۹۹۵ء میں جب قحط پھیلا تو کم کے غیر ملکی امدادی کارکنوں کو دیہات میں جانے سے روک دیا اور امداد میں آنے والی کچھ غذا افواج کی طرف منتقل کر دی لیکن گزشتہ سال اس نے بین الاقوامی سرکاری تنظیموں کے ۱۵۰ نمائندوں کو شمالی کوریا میں کیمپ لگانے کی اجازت دے دی۔ اس نے حال ہی میں ایک اعلیٰ سطحی ملاقات کی میزبانی کی جس میں جنوبی کوریا کے صدر بھی شامل تھے اور جو شمالی کوریا کی برابر حوصلہ افزائی کر رہے تھے، اپنی خطرناک نوعیت کی علیحدگی ختم کریں۔ یہاں تک کہ کم نے امریکہ کے سیکرٹری آف سٹیٹ میڈیسن البرائٹ کو بھی دورے کی اجازت دے دی، جنہوں نے کم کو سنجیدہ سفارتی مباحثوں کا اہل سمجھا۔ (کم نے خاصے اچھے رویے کا مظاہرہ کیا، میڈیسن کو کھینچ کر بہت سی تقریبات میں لے گیا، کچھ کھیل دکھائے، عشائیے کا اہتمام کیا اور فلمیں دکھائیں)۔

اب کم کچھ پرزے نکال رہا ہے اور محسوس کر رہا ہے، میری ہی طرح کہ ایک اندھیرے ہال میں بیٹھ کر ہر طرح کی فلمیں دیکھنا امن وسکون کی راہ ہو سکتی ہے (کہا جاتا ہے کہ اس نے جنوبی کوریا کے دو فلم پروڈیوسروں کو شمالی کوریا میں دستاویزی فلمیں بنانے کے لیے اغوا کر لیا تھا) میرے پاس اس سنکی ڈکٹیٹر کی مدد کے لیے بہت سے خیالات ہیں، جن سے وہ اپنے ملک کو مکمل تباہی سے بچا سکتا ہے۔

اچھی فلمیں دیکھو، کم چونگ دوئم کو عریاں فلموں اور جان واٹن کی فلموں سے نکل کر اپنی فکر اور نظر کو وسعت دینی ہوگی۔ ایک بار اس نے کہا تھا کہ لیونارڈو ڈی کیپریو کی اداکاری سے وہ اس شدت کے ساتھ متاثر تھا کہ ٹائیٹانک کو دوسری بار دیکھنے کی اسے ہمت نہیں ہوئی۔ یہ ہم سمجھتے ہیں محض فلم ہی کی لذت کی بجائے ہم اسے کچھ ٹپیں بھیجنے کی سوچ رہے ہیں، جن کی فہرست یہ ہے۔

☆ ارلی رائڈر، (Earlyridor) ڈیر لیڈر کو سب سے پہلے یہ کرنا ہوگا کہ اپنے آپ کو ڈھیلا چھوڑ دے اس میں فلم یقیناً مدد کرے گی۔

☆ ۲۰۰ موٹیل: (200 Motels)اگر ڈینس ہو پر کامیاب نہ ہو سکا تو فرینک زپا ضرور کامیاب ہوگا۔

☆ Dude, where my carامریکہ کے بارے میں تم جو کچھ بھی جاننا چاہتے ہو، وہ اس فلم میں ہے۔

☆ My Dinner With Andaiاس فلم میں دو افراد ہیں، صرف کھا رہے ہیں اور دو گھنٹے تک باتیں کیے جا رہے ہیں لیکن کم از کم اسے یہ تو معلوم ہو جائے گا کہ سچ مچ کا اچھا کھانا کیسا لگتا ہے۔ کھانے پر ہونے والی بات چیت کے ذریعے اسے گفت وشنید کے معاملے میں اپنی صلاحیت کو بہتر بنانے میں مدد ملے گی۔

☆ باضابطہ ملاقات کے لیے اسے ہالی وڈ لاؤ۔ فلم کے بارے میں اسے بہت سے خیالات ملیں گے۔ ان میں سے ایک تو یقیناً راب شنیدر(Rob Schneider) کے لیے بہت مناسب رہے گی۔ ڈکٹیٹر کو یہ بتاؤ کہ اس کی زندگی کی کہانی پر مبنی فلم میں خود اس کا کردار ٹام کروز سے ادا کروائیں گے۔ اس سودے کی ابتدائی باتیں بتا دو اور ایک بنگلہ سٹوڈیو کے لیے دے دو، اس کا ایک پورا دن ترقیاتی منصوبے کے عہدیداروں اور ذہانت تلاش کرنے والے ایجنٹوں کے ساتھ ملاقاتوں اور غیر ضروری بات چیت میں گزار دو۔ وہ لوگ اسے دو سال تک مصروف رکھیں گے۔ اس وقت تک شمالی کوریا کو اس کی غیر حاضری سے فائدہ پہنچے گا اور مندے سے نکلنے میں مدد ملے گی۔

اگر یہ ساری ترکیبیں ناکام ہو جاتی ہیں تو پیانگ یانگ ایک موضوعاتی پارک کی سرمایہ کاری کرو۔ اگر وہ معیشت کی بحالی میں مفید نہیں ہوتے تو بھی لوگوں کو یہ بات اچھی لگے گی۔ خاص طور پر ڈیئر لیڈر کے ''ڈومینکن'' والے بیٹے کے لیے مفید ہوگی اور کیا یہ بات کوئی معنی نہیں رکھتی، اسے اسسٹنٹ منیجر بنا دو۔

خوشیوں بھرا ایک بڑا جیل خانہ

وہ صدارتی انتخابات سے ایک مہینہ پہلے ۱۴ اکتوبر ۲۰۰۰ء کی تاریخ تھی۔ رات دس بج کر چند منٹ ہوئے تھے۔ گزشتہ رات الگور اور ڈبلیو جارج بش کے درمیان تین

مذاکرات میں سے بات چیت کی وہ پہلی رات تھی۔ اکتوبر کی ایک سکون آور شام تھی۔ لبنان ٹینیسی میں ۶۴ سالہ آڈمز شام کی خبریں دیکھنے کے لیے ابھی اپنی آرام کرسی پر آ کر بیٹھا ہی تھا۔ اس کی چھڑی جو چند سال قبل فالج کے نتیجے میں اس کے ساتھ رہنے لگی تھی، اس وقت پہلو میں کرسی سے ٹکی ہوئی تھی۔ آڈمز لبنان کی افریقی امریکن برادری کا ایک خاصا عزت دار فرد اور بہت سال تک پرسیشرن ربر (Precision Rubber) میں کام کرنے کے بعد اب معذوری کی پنشن پر تھا۔

ٹی وی پر تعارفی گفتگو کرنے والے، مذاکرہ میں اپنا تجزیہ پیش کر رہے تھے۔ آڈمز اور اس کے بیوی لورین اپنے اس ارادے پر بحث کر رہے تھے کہ الگور کو ووٹ دیں گے، جب دروازے پر دستک ہوئی۔ مسز آڈمز کمرے سے نکلیں، دروازے پر آئیں اور پوچھا، کون ہے؟'' دو آدمیوں نے کہا کہ دروازہ کھولو اور ہمیں اندر آنے دو۔ انہوں نے پھر سوال کیا کہ تم کون لوگ ہو لیکن انہوں نے اپنی شناخت ظاہر کرنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے بھی دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا۔

اس لمحے لبنان پولیس میں منشیات کے شعبے سے متعلق دو افسر، جن کی شناخت نہیں ہوئی تھی، دروازہ توڑ دیا، مسز آڈمز کو جکڑ لیا اور فوراً ہتھکڑی لگا دی۔ سات دوسرے افسر بھی اندر گھس آئے تھے۔ ان میں سے دو کونے سے ہوتے ہوئے عقبی کمرے میں آ گئے۔ انہوں نے بندوقیں تان لی تھیں۔ انہوں نے جان آڈمز کے جسم میں کئی گولیاں پیوست کر دیں۔ تین گھنٹے بعد وانڈربلٹ یونیورسٹی کے میڈیکل سنٹر میں اس کی موت کا اعلان کر دیا گیا۔ آڈمز ہاؤس پر چھاپہ اس وقت مارا گیا جب ایک مخبر نے خفیہ طور پر جوزف اسٹریٹ کے مکان نمبر ۱۱۲۰ سے منشیات خریدیں۔ لبنان میں منشیات کے انسدادی یونٹ نے جسے ملک کے اندر دیگر ہزاروں افراد کو منشیات کے خلاف جنگ میں فنڈز دیے جا رہے تھے، ایک مقامی جج سے اس مکان میں رہنے والوں کی گرفتاری کے وارنٹ حاصل کر لئے۔

مشکل صرف یہ پیدا ہوئی کہ آڈمز ۰۷ جوزف سڑیٹ میں رہتے تھے۔ منشیات مخالف پولیس نے غلط مکان پر چھاپہ مارا۔ نیشول کے راستے میں چند میل دور جس وقت جون آڈمز کو محض اتفاقاً ہلاک کر دیا گیا سینکڑوں رضا کار اور باتنخواہ کارکن قومی انتخابی مہم کے ہیڈکوارٹر مین جمع تھے۔ یہ الگور کا مرکزی دفتر تھا، اس رات ان کا مسئلہ پچھلی رات کے واقعہ

سے پیدا ہونے والے نقصان پر قابو رکھنا تھا۔ کارکن اسے بش کے ردعمل کی روشنی میں دیکھ رہے تھے اوراس سے لوگوں کی توجہ ہٹا رہے تھے۔ٹیلیفون لائینیں مصروف ہوگئیں۔ اسٹکر ز اور انتخابی نشانات کو جہاز میں لاد کر نئے روٹ سے بھیجا جانے لگا، دوسرے دن مہم کے لیے حکمت عملی بنانے والے سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ انسداد جرائم کی تجاویز جو الگور نے تیار کی تھیں اور منشیات کے خلاف جنگ میں مزید رقم کی سفارش میز پر دھری تھی کسی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ منشیات کے انسداد کے لیے ان کی کوششیں جواب ان کے اختیار سے باہر ہو چکی تھیں، ان کے ایک قیمتی ووٹ کے زیان کا باعث بن گئیں۔ یہ شہر کے دوسرے سرے میں ایک سیاہ فام بوڑھے کا ووٹ تھا۔

انتخاب جیتنے کا یہ کوئی طریقہ نہیں کہ اپنے ووٹروں کو قتل کیا جائے۔

یہ حالیہ برسوں کے اندر رونما ہونے والے واقعات میں سے ایک واقعہ تھا، جس میں مقامی یا وفاقی انسداد منشیات پولیس کے اس خیال سے کہ یہ ''انہی کا آدمی ہے'' بے گناہ افراد کو گولی ماردی۔ اس سے بھی بری بات یہ کہ کلنٹن الگور پالیسیوں کے نتیجے میں گزشتہ عشروں کے اندر بہت سے شہریوں کو جیلوں میں ڈال دیا گیا ہے۔ ۹۰ء کے عشرے کے شروع میں امریکہ کی جیلوں میں تقریباً دس لاکھ افراد بند تھے۔کلنٹن، الگور کے دور کے خاتمے تک ان کی تعداد بڑھ کر بیس لاکھ ہوگئی۔ اس بھاری تعداد کا سبب وہ نئے قوانین تھے جو منشیات فروشوں کے بجائے نشہ خوروں کے خلاف نافذ ہوئے۔ منشیات کے قانون کے تحت جو لوگ جیل جاتے ہیں، ان کی ۸۰ فیصد تعداد نشہ آور اشیاء رکھنے والوں کی ہے نہ کہ منشیات فروشوں کی۔ کوکین کھانے والوں سے تین گنا زیادہ تعداد ''کریک'' استعمال کرنے والوں کی ہے۔ نادار کالے اور جنوب کے باشندے ایسی ہی نشہ آور اشیاء حاصل کرنے کی استعداد رکھتے ہیں لیکن گوروں میں ان منشیات کے استعمال کو اتنی نرمی کے ساتھ کیوں گوارہ کر لیا جاتا ہے، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ آٹھ برس تک نہایت شدید اور جارحانہ طریقے سے یہ کوشش ہوتی رہی کہ شہریوں کو اس قلیل تعداد سے جس قدر زیادہ نشئیوں کو پکڑا جا سکے، پکڑ کر جیلوں میں ڈال دیا جائے چنانچہ ہم نے اس مسئلے کو اس طرح حل کیا کہ انہیں جیل میں پڑا رہنے دیا جائے لیکن جو نسبتاً کم خوش نصیب ہیں، ایک لمحہ کے لیے ان کی مدد کرنے کے بارے میں سوچنے دیجئے۔ کلنٹن، الگور انتظامیہ میں وہ کون عقل کل تھا، جس نے کہا،

مجھے ایک خیال سوجھا ہے، کیوں نہ کالوں اور جنوبی امریکی لوگوں کو پکڑنا شروع کر دیں، ان میں نشئی خور بہت ہیں۔ انہیں بہت بڑی تعداد میں جیل بھیج دو، اس طرح ایک گروہ کے ووٹوں کی طاقت کو کم کر دو گے۔ جس کے افراد ہمیں ایک کے مقابلے میں نو ووٹ دیتے ہیں۔''

لیکن کیا یہ کوئی سمجھ میں آنے والی بات ہے؟ یہ کس طرح کی انتخابی مہم ہوگی کہ ہم دیدہ و دانستہ اپنے ہی ووٹ تباہ کر دیں گے؟ تم نے ری پبلکن پارٹی والوں کو تو نہیں دیکھا ہوگا کہ سر جوڑ کر بیٹھے ہوں اور ایسے طریقے وضع کرنے کے بارے میں سوچیں جن سے صنعتی شعبے کے سرکردہ افراد کو اور این آر اے کے ارکان کو جیلوں میں بند کیا جا سکے۔ دراصل اس کے برعکس ہی ہوتا ہے۔ بش کا عملہ اس بات پر بطور خاص نظر رکھتا ہے کہ اسکے حامیوں میں سے کسی ایک فرد کو بھی جیل کے غسل خانے کا مہمان نہ بننا پڑے۔ پھر جب کلنٹن ایوان صدر سے جانے لگے تو معافی کے معاملے میں کچھ کام کر گئے۔ یہاں تک کہ مارک رچ جیسے مشکوک کردار کی موٹی اسامیوں کو بھی معافی دے دی اور اس وقت تو پورا ملک اٹھ کھڑا ہوا جب تک مفرور شخص کو بھی معافی دے دی گئی جو اپنے ٹیکس ادا کئے بغیر بچ کر نکل گیا تھا۔ ہمیں اس وقت صدمہ ہوا......شدید صدمہ۔

اور پھر ڈیوڈ لیمپ، ونسٹ مشکللی، جان ورڈز ورتھ یا جیمس ویدرز جونیئر کی ''معافی'' پر کوئی توجہ نہیں دی گئی اور کسی نے بھی کانگریس کے اندر تفتیش کا مطالبہ نہیں کیا کہ آخر کوچ انڈسٹریز کے مالک جو امریکہ کی سب سے بڑی آئل کمپنی ہے اور جس کے سربراہ اور صدر چارلس اور ڈیوڈ کوچ دو بھائی ہیں، مجرمانہ الزامات سے بری کیوں کرائے گئے، کیوں؟ آخر کیوں؟

اس لئے کہ وہ ''معافیاں'' جارج ڈبلیو بش کے دور حکومت میں پیش ہوئی تھیں۔

وفاقی حکومت نے ستمبر ۲۰۰۰ء میں کوچ انڈسٹریز اور اس کے چار ملازمین کے خلاف ۹۷ الزامات پر مبنی فرد جرم جاری کی۔ وہ چار ماحولیات اور پلانٹ کے منیجر تھے۔ الزام یہ تھا کہ انہوں نے دانستہ طور پر ۹۱ میٹرک ٹن نیزین پانی اور فضا میں چھوڑ دی جس سے سرطان پھیل جاتا ہے اور اس مہلک اخراج کا مقصد وفاق کے ریگولیٹرز کی پردہ پوشی تھا۔

قانون کے ساتھ کوچ کی یہ سزایابی کوئی پہلی بار نہیں تھی اور اس سال بھی کوئی پہلی

بار ایسا نہیں ہوا تھا۔ اس سے پہلے ۲۰۰۰ء میں کوچ کو چھ ریاستوں کے اندر غیر قانونی طور پر ماحول کو آلودہ کرنے کے الزام میں تین کروڑ پچاس لاکھ ڈالر کا جرمانہ عائد ہو چکا تھا لیکن جب جارج ڈبلیو بش کا انتخاب ''طے ہو گیا'' تو کوچ کی تقدیر اچانک بدل گئی۔ کوچ کے عہدیداروں نے بش کی صدارتی مہم میں اور دوسرے ری پبلکن امیدواروں کے حق میں آٹھ لاکھ ڈالر کے عطیات دیئے، جنوری میں جن دنوں جان ایش کرافٹ اپنا کام شروع کرنے ہی والے تھے، حکومت نے پہلے تو ۹۷ الزامات میں سے صرف گیارہ رہنے دیئے اور بعد میں صرف نو باقی رہ گئے۔ بہر حال کوچ انڈسٹریز کو ۳۵ کروڑ بیس لاکھ ڈالر کے جرمانے کا پھر بھی سامنا تھا۔ بش کی نئی انتظامیہ نے جو اپنی جگہ مستحکم ہو چکی تھی، اب نہایت تیزی سے کارروائی کی اور مزید دو الزامات واپس لے لئے پھر جس روز اس مقدمے کو عدالت میں پیش ہونا تھا، اس سے دو دن پہلے ایش کرافٹ کے محکمہ انصاف نے اس کا تصفیہ کر دیا۔

کوچ انڈسٹریز نے ایک اور الزام میں اپنے مجرم ہونے کا اقرار کر لیا، وہ یہ کہ اس نے کاغذات میں مجرمانہ تحریف کی تھی اور حکومت نے کمپنی کے خلاف ماحولیات کے حوالے سے بھی سنگین الزامات واپس لے لئے۔ کوچ کے عہدیداروں کو جو حکومت کی فراخدلانہ فیصلوں کے ساتھ ساتھ لگے ہوئے تھے اور جنہیں سزائے قید ملنے کا اندیشہ تھا۔ اس سزا سے بھی بری قرار دے دیا گیا تھا۔ کمپنی کے خلاف سنگین الزامات کی تعداد ۹۰ تھی اور وہ سب خارج کر دیئے گئے چنانچہ آخر میں جرمانے کی ادائیگی کے بعد جو سات الزامات باقی بچ رہے تھے، وہ بھی ختم کر دیئے گئے۔ اخبار ہوسٹن کرانیکل کے مطابق ''کوچ کے اعلیٰ عہدیداروں نے مقدمے کے اختتام کا جشن منایا'' کمپنی کے ترجمان جسے روسر بڑے فخر کے ساتھ بتاتے رہے کہ کمپنی کے خلاف الزامات کس طرح ایک ایک کر کے خارج ہوتے گئے جو کوچ کے ''بری الذمہ'' ہونے کا ثبوت تھا۔

میں مارک رچ کے اقدامات کا دفاع نہیں کروں گا لیکن اگر غلطی پر ہوں تو میرے بیان کی تصحیح کر دیجئے گا۔ میرا خیال ہے کہ پانی اور ہوا میں ایسے مہلک کیمیاوی اجزا دانستہ شامل کرنا، جن سے سرطان پیدا ہوتا ہے (اور جو معلوم نہیں کتنے لوگوں کی ہلاکت کا سبب بنا ہوگا) اتنا سنگین تو نہیں تھا کہ روڈی گیلوانی کو آٹھ سال کے لیے اس کی غلطی کی خاطر سوئٹزر لینڈ بھیج دیا جاتا۔ اس کے باوجود یقین ہے کہ آپ سے کسی نے نہیں سنا ہوگا کہ

چارلس اور ڈیوڈ کوچ اور ان کی آئل کمپنی اور اس کے عہدیداروں کو معافی دے دی گئی تھی لیکن آپ کیسے سنتے ۔ وہ ایک قومی پریس کے زیر سایہ جو مزے سے خراٹے لے رہی تھی، معمول کا ایک کاروبار تھا۔

یہ بہت بری بات تھی کہ اینتھونی لیمار ٹیلر کو بش کی انتخابی مہم میں اپنا عطیہ دینا یاد نہیں رہا۔ ٹیلر نے ایک بار پھر جرم کیا تھا۔ ایک معمولی حیثیت کا چور جس نے ۱۹۹۹ء میں ایک روز یہ طے کر لیا کہ وہ بزعم خود گولف کا سپر سٹار ٹائیگر وڈز ہے۔

اگرچہ ٹیلر وڈز کی طرح بالکل نہیں گیا تھا (لیکن وہ سب ایک ہی جیسے لگتے ہیں، کیا نہیں لگتے ؟) پھر بھی وہ ایک جعلی ڈرائیونگ لائسنس اور کریڈٹ کارڈ استعمال کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ کارڈ میں ٹائیگر وڈز بتایا گیا تھا جس کے تحت اس نے ۷۰ انچ کا ایک ٹی وی، چند سٹیر یوز اور استعمال شدہ ایک لگژری کار خرید لی تھی۔

پھر کسی نے آخر کار معلوم کر لیا کہ وہ ٹائیگر وڈز نہیں تھا، چنانچہ اسے گرفتار کر لیا گیا۔ چوری اور جعلسازی کے الزامات میں اس پر مقدمہ چلایا گیا اور اسے سزا دی گئی۔ اس کی سزا تھی ''دو سو برس عمر قید کی سزا۔''

آپ نے صحیح سمجھا زندگی کے دو سو سال کیلیفورنیا کے قوانین کی مہربانی سے Three Strikes میں لکھا ہے کہ تین بار مجرمانہ سزایابی کے بعد مجرم کو عمر قید دی جائے گی۔ آج تک کسی کاروباری ادارے کے عہدیدار کو دریا کے پانی کو آلودہ کرنے یا اپنے گاہکوں کو لوٹنے کے بعد پکڑے جانے کی صورت میں تین مرتبہ کی قید اور پھر عمر قید کی سزا نہیں دی گئی ہے۔ امریکہ میں یہ خصوصی سلوک ہم ان لوگوں کے لیے محفوظ رکھتے ہیں جو اتفاق سے نادار ہوتے ہیں یا افریقی امریکی ہوتے ہیں یا ہماری نفیس سیاسی پارٹیوں میں سے کسی ایک پارٹی کی مالی امداد میں ناکام رہتے ہیں۔

جی ہاں، یہ بھی ہوتا ہے کہ نظام انصاف ناداروں کو سزا دینے میں اس طرح تل جاتا ہے کہ اسے اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ قید کیا جانے والا مجرم ہے یا بے گناہ۔

کیری لینڈرس نو سال کا سب سے چھوٹا بچہ پیدائشی طور پر دیوانہ تھا، بیس سال کا ہونے تک اس نے اپنے ذہن میں بھوتوں سے سات برس جنگ کی تھی اور بیشتر عرصے تک امراض ذہنی کے شفا خانے میں جاتا آتا رہا۔ کبھی کبھی جب وہ علاج سے رہ جاتا تو لاس

اینجلز کی گلیوں میں پایا جاتا جیسا کہ اکتوبر ۱۹۹۳ء میں اسی کے ساتھ ہوا۔ یو ایس سی میڈیکل سنٹر کے باہر کیری کو ایک بینچ پر سوتے ہوئے گرفتار کر لیا گیا لیکن کیری کے ساتھ تو بہت ہی برا ہوا، جب معمول کے وارنٹ میں یہ بتایا گیا کہ رابرٹ سینڈرس ایک پیشہ ور مجرم کوئی پانچ ہفتہ پہلے نیویارک کے جیل خانے سے فرار ہو گیا تھا۔ ۱۹۹۰ء میں ایک شخص کے ساتھ کوکین کے جھگڑے میں اس نے قتل کرنے کی کوشش کی تھی اور اس بنا پر قید کاٹ رہا تھا۔

جی ہاں! کیلیفورنیا کا کیری سینڈرس، نیویارک کا رابرٹ سینڈرس نہیں تھا لیکن میرا قیاس ہے کہ ''کیری'' اور ''رابرٹ'' دونوں خاصے ایک جیسے لگتے ہیں، اسی طرح کیلیفورنیا اور نیویارک...... بہرطور دونوں بہت عظیم ریاستیں ہیں۔

بدقسمتی کی بات یہ کہ کیری اور رابرٹ کا یوم پیدائش بھی ایک ہی تھا۔ بس لاس اینجلز کی پولیس کے لیے اتنا ہی کافی تھا، حالانکہ وارنٹ کے کاغذ میں جسے کمپیوٹر پر نکالا گیا تھا ''کیری'' سینڈرس کو جولائی ۱۹۹۳ء میں لاس اینجلز کی سڑک پر آوارہ خرامی کرتے ہوئے روکا گیا تھا، جبکہ رابرٹ سینڈرس ابھی نیویارک کی جیل میں تھا۔

اس کے باوجود کیری سینڈرس کو، رابرٹ سینڈرس کی سزائے قید کاٹنے کے لیے نیویارک بھیج دیا گیا، جہاں وہ دو سال تک جیل میں رہا ادھر اس کی ماں لاس اینجلز میں اسے جگہ جگہ تلاش کرتی رہی۔ بہر حال لاس اینجلس کے پولیس والے دونوں افراد کے ریکارڈ باہم ملانے میں ناکام ہو گئے۔ ورنہ معلوم ہو جاتا کہ جسے انہوں نے پکڑا اس کی انگلیوں کے نشان غلط تھے۔

اس سارے سلسلے میں ایک ہی فرد تھا جو کیری کی مدد کر سکتا تھا، ایک عوامی مدافعت کار یا ''پی ڈی'' تیس سالہ پی ڈی نے اسے اس بات پر آمادہ کیا کہ دوسری جیل میں منتقلی کے خلاف پیروی نہ کرو، اس نے کہا کہ اس طرح نیویارک بھجوانے سے پہلے لاس اینجلس کی جیل میں اس کا قیام طویل ہوتا جائے گا لیکن ''پی ڈی'' نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ کیری ''سست ذہن'' تھا اور شدید ذہنی بیماری میں مبتلا تھا، لیکن ان باتوں کی کیا کوئی اہمیت رہ گئی تھی؟ پی ڈی نے تو بنیادی نوعیت کے سوال بھی نہیں پوچھے۔ اس نے ایک مجبور شخص پر بمشکل چند منٹ صرف کیئے۔ اس نے یہ بھی معلوم نہیں کیا کہ کیا اس کا کوئی خاندان بھی ہے، جس سے قانونی دفاع میں مدد کے لیے رابطہ پیدا کیا جا سکتا تھا۔

پی ڈی نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ زیرغور معاملات کو پچھلے کوائف کو جانچنے کا طریقہ کار کیا ہے اور یہ کہ اس کے موکل کی مالی حیثیت کیا ہے۔ انہوں نے اتنا وقت بھی نہیں دیا کہ کیری کے وارنٹ پر جو کوائف درج تھے اس کا تقابل کر لیتے۔ انگلیوں کے نشان یا تصویروں کو ساتھ ملانے کی بات تو الگ رہی۔ اب تم کہو گے، پھر کیا ہوا؟ بہرطور دونوں ہی کالے تھے، ہم عمر تھے، یہاں تک کہ ان کی پیدائش کا دن بھی ایک ہی تھا۔ کیا یہ سب کافی نہیں تھا؟

اب خرابی اور بڑھ جاتی ہے۔ کیری سینڈرس کی نیویارک منتقلی کے معاملے کی سماعت کے دوران اس سے ایک فارم دستخط کرنے کے لیے کہا گیا۔ فارم کی تحریر کچھ اس طرح شروع ہوتی ہے۔ میں رابرٹ سینڈرس پوری آزادی سے بلاجبر واکراہ رضا کارنہ طور یہ بیان دیتا ہوں کہ میں وہی رابرٹ سینڈرس ہوں......'' اور پھر کیری سے دستخط کرائے۔ دستخط تھے ''کیری سینڈرس''

اس نے فارم کی دوسری کاپی پر ہرطرف لکیریں اور بے معنی عبارت گھسیٹ دی تھی۔

اس پر کوئی انگشت نمائی نہیں ہوئی۔ کوئی خطرے کی گھنٹی نہیں بجی۔ مفادعامہ کے محافظ ''پی ڈی'' نے بھی کچھ نہیں کیا۔ انجام کار کیری کو ایک موقع دیتے ہوئے جج کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس سے پوچھا گیا کہ کیا تم نے دستاویز پر دستخط کرنے سے پہلے اسے پڑھ لیا تھا۔ اس نے جواب دیا ''نہیں'' جج نے اس کے جیل سے منتقل ہونے کی کارروائی روک دی۔ جج نے پھر سوال کیا، کیا اس پر دستخط تم نے کئے تھے؟

کیری نے جواب دیا ''ہاں''

تم نے اس پر دستخط کیوں کئے؟

کیونکہ انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ دستخط کردو۔ کیری سینڈرس نے جواب دیا۔

جج نے کیری کا دفاع کرنے والے کو حکم دیا کہ موکل کے ساتھ بیٹھ کر اس فارم پر نظرثانی کرو۔ چند منٹ کے بعد جج نے اپنا اطمینان کرلیا وہ دونوں پی ڈی اور جج دوسرے مقدمے کی سماعت میں مصروف ہو گئے۔

لاس اینجلز کے پی ڈی نے کیری سینڈرس سے چھٹکارا پا لیا اور اسے جہاز میں بیٹھا

کر نیویارک سٹی کے شمال میں گرین ہیون بھجوادیا گیا، جوانتہائی نگہداشت کی جیل ہے۔ وہاں دوسرے قیدیوں نے اس پر جنسی حملے کیے۔ اکتوبر ۱۹۹۵ء میں وفاقی پولیس نے کلیولینڈ میں اصلی رابرٹ سینڈرس کو گرفتار نہ کیا جاتا تو کیری سینڈرس آج تک جیل میں ہوتا۔

کیری کو گرین ہیون سے نکال کر گھر بھجوا دیا گیا۔ اسے ۱۳ء ۴۸ ڈالر، پلاسٹک کا ایک تھیلا جس میں کچھ دوائیں تھیں۔ ایک سوڈا اور سگریٹوں کا پیکٹ دیا گیا۔ اس نے اپنی بہن رابرٹا سے کہا وہ مجھے نیویارک لے گئے۔ وہاں بڑی شدید سردی تھی انہوں نے مجھے ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں ڈال دیا۔

یہ اس نظام انصاف کا کوئی انوکھا واقعہ نہیں جو ایک خوفناک غلطی کا نتیجہ ہو۔ ایک طرح سے دیکھو تو یہ کوئی غلطی بھی نہیں یہ تو منطقی نتیجہ ہے، اس معاشرے کا جہاں لاپرواہی کے ساتھ کسی بھی شخص کو اس لئے جیل میں ڈال دیا جاتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ مجرم ہو کیونکہ درست ہونے کے مقابلے میں محفوظ طریقہ یہی ہے۔ ہماری عدالتیں کیا ہیں، نادار لوگوں کے لیے، ایک بے ترتیب قطار کی صورت، جہاں سے ہنکار کر انہیں ہم سے دور بھجوا دیا جاتا ہے، ہمارے راستے سے دور۔

یہ امریکہ ہے، میرا خیال ہے، یہ اچھاہی ہے کہ فلوریڈا میں ہزاروں بے گناہ کالوں کو ووٹنگ کی فہرست سے نکال باہر کیا جائے۔ اسے بھی اچھا ہی سمجھنا چاہئے کہ ایک بے گناہ کالے کو لاس اینجلز میں دھکے دے کر کنارے لگا دیا گیا۔

اس یک طرفہ نظام انصاف میں ایک چیز جو کسی ملزم کو یقینی طور پر بھجوا دیتی ہے، یہاں، ''جیوری ٹرائل'' کا طریقہ ہے، یعنی جیوری کے لوگ بیٹھتے ہیں اور فوراً فیصلہ کر دیتے ہیں۔ یہ فیصلے کرنے والے استنجے کے ڈھیلے بانٹتے ہیں۔ یہ ہر فرد سے کہتے ہیں کہ تم سب اپنا اپنا کام کئے جاؤ، جج استغاثے کے لوگ اور دفاع کرنے والے سب اپنے اپنے اختیارات کے مطابق جس حد تک ممکن ہو، ملزم پر دباؤ ڈالتے ہیں کہ اقرار جرم کرلو۔ جیل کی سخت سزا سے بچو اور اگر تم نے جیوری ٹرائل کا مطالبہ کیا تو پھر دیکھو گے، ہم تمہیں کیا دیں گے۔ اگر دفاع کرنے والا نہ صرف یہ کہ اقرار جرم کر لیتا ہے بلکہ عدالتی فیصلے کے خلاف اپیل کے حق سے بھی دستبردار ہو جاتا ہے تو وہ اسے مار کر گھر کی طرف بھگادیں گے۔

میری بہن کیلیفورنیا میں ایک پبلک فنڈر (پی ڈی) تھی اس نے اس بات پر

اصرار کیا کہ اپنے موکلوں کا دفاع کرے گی اور اگر جیوری ٹرائل کے لیے کہا گیا تو وہ اس کے لیے بھی تیار ہوگی۔ اس بات پر دفتر کے دوسرے پی ڈی حضرات نے اسے انتہائی حد تک خوفزدہ کیا۔ ۱۹۹۸ء میں اس کی کاؤنٹی کے پی ڈی آفس نے ایسے تقریباً نو سو دفاع کرنے والوں میں سے جو جیوری ٹرائل کے لیے آمادہ تھے صرف سنگین جرائم کے تحت جیوری ٹرائل کی اجازت دی تھی۔ ظاہر ہے، اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا کہ باقی ۸۹۹ ملزم مجرم تھے۔ ان کو مجبور کر دیا گیا تھا کہ اسی طرح پیروی کریں، چنانچہ ان میں سے بہتوں کی زندگی جیل میں گزر گئی۔ شاید ان جرائم کی بنا پر جو انہوں نے کئے ہی نہیں لیکن ہمیں اس کا علم کبھی نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ ان سے چھٹی ترمیم کا یہ حق کہ ہر مقدمے کی سماعت سرکردہ ارکان کی ایک جیوری کرے گی، ان سے چھین لیا گیا ہے۔ ہمارے جج اور وکلاء ذرا شاندار قسم کے کواڑ اٹھانے والے لوگ ہیں، سوسائٹی کی غلاظت کو بٹورنے اور ٹھکانے لگا دیتے ہیں۔ نسلی تطہیر امریکی طرز کی۔

اس وقت کیا ہوتا ہے جب معصوم افراد کو تیز رفتار عمل کے ذریعے موت کی سزا دی جاتی ہے۔ ایورسٹن الینس کی نارتھ ویسٹرن یونیورسٹی میں کالج کی ایک کلاس نے جو لڑکوں سے بھری ہوئی تھی۔ معلوم کر لیا کہ جن پانچ افراد کو پھانسی دی جانے والی تھی، وہ دراصل بے گناہ تھے۔ ان بچوں نے اور ان کے پروفیسر نے ان پانچ افراد کی جان بچا لی۔ اگر ایک کالج کی کلاس یہ کام کر سکتی تھی تو اور کتنے ہزار لوگ ملک کے طول و عرض میں پھانسی لگنے کے انتظار میں بیٹھے ہوں گے کہ ان کو کب مستقل طور پر ٹھکانے لگایا جائے گا۔

سزائے موت کا قانون ۳۸ ریاستوں میں برقرار ہے۔ اس طرح وفاقی حکومت اور امریکی فوج میں نافذ ہے۔ بارہ ریاستوں اور ایک ڈسٹرکٹ کولمبیا ہے جس میں یہ سزا نافذ نہیں (کولمبیا، افریقن امریکی اکثریت کا ایک مرطوب علاقہ ہے) ۱۹۷۶ء سے اب تک امریکہ میں سات سو افراد کو پھانسی دی جا چکی ہے۔ پھانسی کی مسرت سے بہرہ مند ہونے والی ریاستیں یہ ہیں:

ٹیکساس (۲۴۸ پھانسیاں، ۱۹۷۶ء سے امریکہ میں دی جانے والی کلی پھانسیوں کی ایک تہائی تعداد)

ورجینیا (۸۲) فلوریڈا (۵۱) مسوری (۵۰) اوکلاہامہ (۴۳) لوسیانا (۲۶) ساؤتھ

کیرولینا (۲۵) آرکنساس (۲۴) الباما (۲۳) اریزونا (۲۲) نارتھ کیرولینا (۱۷) ولادیر (۱۳) اینس (۱۲) کیلیفورنیا (۹) نوادار (۹) انڈیانا (۸) ۴۵۷۸ پھانسیوں کے ایک حالیہ دہلا دینے والے مطالعے سے جو ۲۳ سال (۱۹۹۵ء۔۱۹۷۳ء) پر مبنی ہے، یہ معلوم ہوا کہ ہر دس سنگین واقعات میں سے موت کی سات سزائیں تھیں جو غلطی سے دی گئیں لیکن اس غلطی کو تبدیل کیا جا سکتا تھا، چنانچہ یہ بھی معلوم ہوا کہ تین میں سے دو اپیلوں پر سزائے موت منسوخ کر دی گئی۔ عدالتی نظر ثانی کے سلسلے میں غلط فیصلوں کی شرح ۶۸ فیصد تھی۔

۱۹۷۳ء کے بعد سے پھانسی کے منتظر تقریباً ۹۵ افراد کو عدالت نے پوری طرح با عزت طور پر بری کر دیا، یعنی ان جرائم سے قطعی طور پر بر الذمہ اور معصوم پایا جن پر انہیں موت کی سزا دی جانے والی تھی چنانچہ ڈی این اے (DNA) ٹیسٹ کی بنیاد پر ۹۶ افراد رہا کر دیئے گئے۔

(۱) ملزموں کے وکلاء نہایت شاندار طور پر نااہل پائے گئے، جنہوں نے اپنے مقدمے کو دیکھا بھی نہیں یا ان اہم شواہد کو سمجھا ہی نہیں، جن کی بنا پر ان کا موکل بے گناہ ثابت ہوسکتا تھا یا کم از کم سزائے موت کا مستحق تو نہیں تھا۔

(۲) پولیس اور استغاثہ کے فریق جنہوں نے اس طرح کے شواہد تو پالئے لیکن انہیں چپکے سے دبا دیا اور یوں عدالتی عمل کو پٹڑی سے اتار دیا گیا۔

جن برسوں کا احاطہ کیا گیا ہے، ان میں سے آدھے برسوں میں اور چند بہت قریبی دنوں میں غلطیوں کی ساٹھ فیصد شرح کا علم ہوا۔ پورے ملک میں غلطیوں کی شرح بہت زیادہ ہے۔ موت کی ۸۵ فیصد سزاؤں میں غلطیوں کی شرح ساٹھ فیصد یا اس سے بھی زیادہ ہے۔

اس طرح کی غلطیوں کو پکڑنے میں وقت لگتا ہے۔ سزا کے اعلان کے بعد پھانسی لگنے تک اوسطاً نو سال کی مدت، بیشتر مقدموں میں سزائے موت پانے والی نظر ثانی کے طویل عمل سے گزرتے ہیں اور برسوں انتظار کرتے رہتے ہیں کہ ان کے معاملے میں غلطی کب کھل کر سامنے آتی ہے اور کب سزائے موت کا فیصلہ تبدیل ہوتا ہے۔ اس سارے عمل میں ٹیکس گزار کو بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ متاثرہ خاندانوں پر، عدالتی نظام پر اور غلط طور پر سزا کے ملزم کو زیر بار ہونا پڑتا ہے۔

اس مفصل بیان کے نتیجے میں، جن قیدیوں کی سزائیں تبدیل کر دی گئیں۔ ان میں سے تقریباً سب کو (۸۲ فیصد) سزائے موت سے کم سزا دی گئی اور بعض تو مقدمے کی دوبارہ سماعت کے بعد (۷ فیصد) بے گناہ پائے گئے۔

۱۹۹۶ء کے بعد، جب سے صدر کلنٹن نے سزائے موت کے ملزموں کے لیے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے قوانین سخت کر دیئے تھے اور قیدیوں کے لیے ریاستی عدالتوں کے بعد وفاقی عدالت میں اپیل کی مدت ایک سال مقرر کر دی تھی۔ تب ہی سے غلطیوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے۔ اس تجزیے کی روشنی میں کہ قیدیوں میں سے کتنے بے گناہ پائے گئے اور کتنے سزائے موت کے مستحق نہ تھے۔ اپیل کے حق کو دبا دینے کی یہ کوشش نہایت درجہ افسوسناک ہے۔

ہم دنیا کے ان محدود چند ملکوں میں شامل ہیں جو ذہنی طور پر پسماندہ افراد کو قانون شکنی کرنے والے نابالغ کو بھی پھانسی دے دیتے ہیں۔ نابالغوں کو سزائے موت دینے والے صرف چھ ملکوں میں امریکہ بھی شامل ہے۔ دیگر ممالک ایران، نائیجیریا، پاکستان، سعودی عرب اور یمن ہیں۔ صومالیہ کے علاوہ امریکہ وہ واحد ملک ہے جس نے بچوں کے حقوق پر اقوام متحدہ کے کنونشن کو تسلیم نہیں کیا۔ اس پر دستخط نہیں کئے لیکن کیوں؟ اس لئے کہ اس میں ایک شق یہ بھی ہے، جس کے مطابق اٹھارہ سال سے کم عمر کے بچوں کو سزائے موت نہیں دی جا سکے گی اور ہم اپنے بچوں کو پھانسی پر نہ لٹکانے کی آزادی چاہتے ہیں۔

صنعتی طور پر ترقی یافتہ کوئی اور ملک اپنے بچوں کو سزائے موت نہیں دیتا۔ یہاں تک کہ چین بھی اٹھارہ سال سے کم عمر بچوں کو پھانسی نہیں دیتا اور یہ بات اس ملک میں ہے جس نے حقوق انسانی کے احترام کے باب میں ناقابل برداشت رویے کا ثبوت دیا ہے۔ اس وقت امریکہ کی جیلوں میں کل ۳۷۰۰ قیدی سزائے موت کے منتظر بیٹھے ہیں، ان میں ۷۰ نابالغ بچے ہیں (یا جب ان سے جرم سرزد ہوا تھا، وہ بچے تھے) لیکن ہماری سپریم کورٹ کو یہ غیر معمولی سزا، یقینی سزائے موت کی سزا دے دی جائے۔ جب ارتکاب جرم کے وقت وہ سولہ سال کے تھے اور یہ سب اس حقیقت کے باوجود ہے کہ اس عدالت کے فیصلے کے مطابق سولہ سال کے لڑکے اپنے فیصلوں میں پختہ نہیں ہو سکتے لہٰذا وہ معاہدوں پر دستخط کرنے کے اہل نہیں۔

کیا یہ بات عجیب نہیں لگتی کہ ایک بچے کی محدود اہلیت کو کسی معاہدے کے نفاذ میں قانونی رکاوٹ قرار دیا جائے اور یوں اسے معاہدے پر دستخط کرنے کا اہل نہ سمجھا جائے لیکن جب پھانسی کی سزائے استحقاق کا موقع آئے تو اس بچے کی ریلیف کو کسی بالغ کے مساوی مان لیا جائے؟

اٹھارہ ریاستوں میں سولہ سال تک نابالغ مجرموں کو سزائے موت دی جا سکتی ہے۔ پانچ دیگر ریاستوں میں یہ سزا اس وقت دی جا سکے گی، جب لڑکا ارتکاب جرم کے وقت سولہ سال یا اس سے کم عمر کا تھا۔۱۹۹۹ء میں اوکلا ہوما میں سین سیلرز کو اس وقت پھانسی دی گئی جب وہ سولہ سال کا تھا اور اسے جرم کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا۔ سیلرز کی شخصیت میں جو کئی گنا خلفشار پایا جاتا تھا۔ اس سے جیوری کو بے خبر رکھا گیا، جس نے لڑکے کو موت کی سزا دے دی۔ ایک وفاقی عدالت جو اپیلوں کی سماعت کرتی تھی، معلوم ہوا کہ وہ لڑکا ''فی الاصل معصوم'' ہوسکتا تھا کیونکہ اس کی داخلی کیفیت میں انتشار تھا لیکن یہ بھی کہا کہ ''وفاق کی جانب سے رعایت کے باب میں محض معصومیت کافی وجہ نہیں ہوسکتی۔'' ناقابل یقین۔

امریکی عوام احمق نہیں ہیں۔ ان بے گناہ افراد کے بارے میں، جنہیں موت کے کنارے لگا دیا گیا۔ اب حقائق سامنے آرہے ہیں اور عوام کے ردعمل میں کم از کم کچھ شرمندگی کا احساس ہے۔ چند ہی سال پہلے جب عام رائے شماری کی گئی تو معلوم ہوا کہ ۸۰ فیصد سے اوپر لوگ سزائے موت کے حامی ہیں لیکن اب جبکہ سچائی واضح ہوگئی ہے، حال ہی میں واشنگٹن پوسٹ/اے بی سی نیوز نے رائے عامہ کے ایک سروے سے معلوم کیا کہ سزائے موت کے لیے عوام کی تائید گھٹ رہی ہے جبکہ ان امریکیوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے، جو جیل میں سزائے موت کو قید کی سزا جو دی جا رہی ہے تو کیا یہ جائز ہے؟ ۶۸ فیصد نے کہا سزائے موت جائز نہیں، کیونکہ بعض اوقات بے گناہ لوگ بھی مار دیئے جاتے ہیں۔ ایک حالیہ گیلپ پول سے معلوم ہوا کہ انیس سال میں سزائے موت کی تائید سب سے کم اب نظر آتی ہے۔ ۶۵ فیصد نے اس بات سے اتفاق کیا کہ ایک اوسط یا اوسط سے زیادہ آمدنی والے شخص کو جس جرم پر موت کی سزا ملنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ایک کالے کے لیے اس جرم پر سزائے موت کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ ٹیکساس کی ریاست تک میں، جو قتل کی مشین کے نام سے معروف ہے۔ ہوسٹن کرانیکل نے اطلاع دی ہے کہ ایک سروے کے نتیجے میں

وہاں کے ۵۹ فیصد لوگوں نے ریاست کو بے گناہ افراد کے قتل کا ذمہ دار قرار دیا ہے جبکہ ۴۷ فیصد کی رائے میں قانون کو تبدیل کیا جانا چاہئے، جس میں عمر قید کی سزا، پیرول سے رہائی کے بغیر رکھی جائے۔ ۶۰ فیصد لوگوں نے کہا ایسے قیدیوں کو موت کی سزا نہیں دینی چاہئے، جو ذہنی طور پر پسماندہ ہوں۔

ہم نے اس عظیم ملک میں یہی تو کیا ہے کہ جرائم کے خلاف جنگ کرنے کے بجایے نادار لوگوں سے جنگ کی ہے اور بڑی آسانی سے الزام انہی پر دھر دیا ہے۔ اپنے اسی طرز عمل کے دوران میں ہمیں عوام کے حقوق یاد نہیں رہے کیونکہ ہم اس پر کچھ بھی خرچ کرنا نہیں چاہتے تھے۔

ہم ایک ایسے ملک کے باشندے ہیں جہاں کاروباری شعبے کے دہشت ناک لٹیروں کو انعامات اور اعزازات سے نوازا جاتا ہے، صنعت و کاروبار کے سرکردہ جو براہ راست اور بالواسطہ طور پر بھی دنیا کے وسائل کو لوٹ رہے ہیں اور اس کے بعد بھی ان کی نظریں حصہ داروں کے منافع پر لگی ہوئی ہیں، اس دوران وہ ناداروں پر ظلم توڑنے کے لیے اپنے سفاکانہ نظام ''عدل'' پر عمل پیرا رہتے ہیں لیکن عوام اس خرابی کو رفتہ رفتہ کر کے سمجھنے لگے ہیں۔ ہماری ضرورت یہ ہے کہ معاشرے کو نئے سر سے منظم کیا جائے تا کہ اس میں ہر فرد کو قیمتی، مقدس اور باوقار تسلیم کیا جائے۔ اس معاشرے میں کوئی بھی شخص قانون سے بالا نہ ہو جب تک یہ تبدیلی رونما نہیں ہوتی، ہم یہ راگ شرم کے احساس کے ساتھ الاپتے رہیں ''آزادی اور انصاف سب کے لیے۔''

ڈیموکریٹس

اس نے ایک بل پر دستخط کر دیئے ہیں، جس کے تحت وفاق کی رقم ''دیندار'' رفاہی اداروں میں تقسیم کی جائے گی۔ اس نے وفاق کے جرائم کی تعداد میں توسیع کر دی ہے، جس میں سزائے موت ساٹھ افراد کو دی جا سکتی ہے۔ اس نے ایک مسودہ قانون پر دستخط کر دیئے ہیں، جس میں ہم جنس افراد کی باہمی شادی کو خلاف قانون قرار دے دیا گیا ہے اور ہم جنسوں کی باہمی شادی کی مخالفت سے اختلاف کو خواہ اس کی کوئی بھی قانونی صورت ہو، جس کو کسی کرسچن ریڈیو اسٹیشن سے پیش کیا جائے گا، اس کے اشتہار ضبط کر لئے جائیں گے۔ ذرا سی مدت میں اس نے ایک کروڑ افراد کو رفاہی امداد کے زمرے سے نکال دیا ہے، یعنی ایک کروڑ چالیس لاکھ امداد یافتگان میں سے ایک کروڑ امداد سے محروم کر دیئے گئے۔

اس نے ایک بونس فنڈ کا وعدہ کیا ہے، اگر امداد پانے والے افراد اپنی تعداد میں مزید کمی کر دیں، اس فنڈ کے حصول کو مزید آسان بنا دیا جائے گا اگر ریاست، سابق امداد یافتگان کو روزگار کے حصول میں مدد کر دے۔ اس نے ایک تجویز پیش کی ہے، قانونی منظوری کے مطابق اس کے تحت کمسن (ٹین ایجز) ماں باپ کے لیے اگر وہ سکول یا اپنے والدین کے گھر چھوڑ دیں تو ان کے لیے ہر طرح کی امداد ممنوع ہوگی، اگرچہ اس نے یہ احتیاط برتی ہے کہ لوگ اس طرف توجہ نہ دیں لیکن وہ امریکہ کے ساتھ نیوٹ گنگرچ کے معاہدے کی تائید کرتا ہے، جس میں آمدنی پر ٹیکس میں تخفیف بھی شامل ہے۔

ری پبلکن گورنر جارج ریان جیسے گورنروں کے مطالبے کے باوجود کہ سزائے

موت پر کچھ مدت کے لیے پابندی عائد کر دی جائے۔ اس نے سزائے موت پانے والوں کی تعداد میں تخفیف کی ساری کوششیں ناکام بنادی اور پھر معلوم ہوا کہ کوئی ایک درجن افراد جو بے گناہ تھے، پھانسی چڑھا دیئے گئے۔

اس نے مقامی آبادیوں کو اس غرض سے رقم مہیا کی کہ تقریباً ایک لاکھ پولیس افسر بھرتی کریں اور ایسے لوگوں کو پکڑ کر جیل میں ڈال دیں جو تین بار جرائم کر چکے ہوں خواہ وہ شاپ لفٹنگ (دکان سے چوری) یا پزہ لے کر دام نہ دینے کا جرم ہی کیوں نہ ہو۔ جب اس نے عہدہ سنبھالا، تب سے اب تک ان امریکیوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے، جن کی صحت کا بیمہ نہیں ہوا۔ اس نے یہ حکم صادر کیا ہے کہ ان لوگوں کو کسی بھی طرح کی طبی امداد نہ دی جائے جو امریکہ میں غیر قانونی طور پر رہتے ہیں، وہ تاخیر سے ہونے والے اسقاط حمل پر پابندی کا حامی ہے اور اس بارے میں سب سے پہلے یہی قانون منظور کرے گا جس کے تحت اسقاط حمل اجازت صرف اس وقت ہوگی جب ماں کی زندگی خطرے میں ہو۔ اس نے ایک سال کے لیے یہ حکم جاری کر دیا ہے کہ امریکہ کی رقم کسی ایسے ملک میں استعمال نہ کی جائے جو اپنے حمل ضائع کرانے کی خواہشمند عورتوں کی مدد میں کام آئے۔

اس نے بارودی سرنگوں پر پابندی کے بین الاقوامی معاہدے پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا، جسے ۱۳۷ ممالک پہلے تسلیم کر چکے ہیں، البتہ ان میں عراق، لیبیا، شمالی کوریا اوراب امریکہ شامل نہیں۔ وہ کیوٹو پروٹوکول سے منحرف ہو گیا، کیونکہ اسے اس امر پر اصرار ہے کہ امریکہ کے فارم لینڈ اور جنگلات کو بھی کثافت دور کرنے والی تدابیر میں شامل کیا جائے، اس نے سارے معاہدے کو محض مذاق بنا لیا (جس میں صریح طور پر لکھا ہے کہ اس کا مقصد کاروں اور کارخانوں سے کاربن ڈائی آکسائیڈ پیدا کرنے والی کثافت کو کم کرنا ہے،) اس نے وفاق کی زمینوں پر گیس اور تیل کے کنوؤں کی کھدائی تیزی سے شروع کر دی ہے۔ اس رفتار سے جو ریگن انتظامیہ کے دور کی پیداواری سطح کے مساوی اور بعض علاقوں میں اس سے بھی زیادہ ہے۔ اس نے کیلیفورنیا کے ایک تیل کے کنویں کو فروخت کرنے کی اجازت دے دی، جو امریکہ کی تاریخ میں نجکاری کا سب سے بڑا سودا ہے۔ اس طرح اس نے الاسکا نیشنل پٹرولیم ریزرو قائم کیا (جو ریگن بھی نہیں کر سکے تھے) اور رچرڈ نکس کے بعد وہ پہلا صدر ہے، جو گاڑیاں بنانے والوں کو اس غرض سے پابند نہ کر سکا کہ فی گیلن زائد

فاصلہ طے کرنے والی گاڑیاں بنائیں اور یوں تیل کے لاکھوں گیلن کی یومیہ بچت ہو۔ اوپر بیان کردہ تمام کارناموں کو دیکھتے ہوئے ماننا پڑے گا کہ اب تک جتنے ری پبلکن صدر آئے ہیں، ان میں بل کلنٹن بہترین صدر تھے۔

جارج ڈبلیو بش کو جب سے یہ عہدہ سپرد ہوا، جبھی سے لوگ شدت کے ساتھ کف افسوس ملتے رہے، اچھے اور آزاد خیال لوگوں کو اس بات پر سخت افسوس ہوا کہ اب جو بش کا بچہ آ گیا ہے تو وہ ماحول کا ستیاناس کر دے گا۔ عورتوں کے حقوق کے معاملے میں الٹی چال چلے گا۔ سکولوں میں ہم سب کو دعا کے لیے کھڑا ہونا پڑے گا۔ یہاں تک ٹریفک سگنل پر بھی اور وہ اپنے اندیشوں میں درست تھے لیکن سن نوے کے عشرے میں جو کچھ گزرتی آئی ہے، بش اس کی قدرے زیادہ بدہیئت اور مکروہ صورت ہے۔ سوائے اس کے کہ جب کوئی اور ایک دلآویز مسکراہٹ کے ساتھ نمودار ہوا، جس نے بگل پر ایک روح پرور دھن بجائی اور ہمیں یہ بتایا وہ (اور اس کی معاون) کون سا انڈرویئر پہنتے ہیں۔ ہمیں وہ بات اچھی لگی، بالکل معمول کے مطابق وہ ''بلیک'' کا قومی ترانہ بھی گا سکتا تھا۔ اس نے گلوریا اسٹینم کے ساتھ محفلیں جمائیں، میرا شو دیکھا، مجھے تو وہ اچھا لگا۔

ہم سب کو اس بات سے بڑا اطمینان ہوا کہ ریگن اور بش کا زمانہ رخصت ہوا اور ایک طرح یہ بھی اطمینان ہوا کہ ایک ایسا صدر آ گیا ہے، جو نشہ کرتا ہے اور اپنے آپ کو ''امریکہ کا پہلا کالا صدر'' کہلاتا ہے لیکن ہم میں ایک رجحان یہ ہے کہ ہمیشہ منہ پھیر لیتے ہیں اور ایسی باتوں کو سرے سے نظر انداز کر دیتے ہیں جیسے نومبر ۲۰۰۰ء کے انتخابات سے پہلے پوٹو معاہدے کی کلیدی شقوق سے انحراف، ہم اس طرح کی باتوں کو سمجھنا ہی نہیں چاہتے تھے لیکن ہمارے پاس اس کا بدل بھی کیا تھا، بے بی بش؟ پیٹ بکانن؟ رالف نادر؟ اوہ خدایا نہیں رالف نادر نہیں ہم کسی ایسے شخص کی حمایت کیوں کریں جو ہر مسئلہ پر ہم سے اتفاق کر لیتا ہے؟ یہ مذاق تو نہیں ہے، لیکن نادر کے خلاف بڑھتا ہوا غصہ بہت ذاتی اور شدید معلوم ہوا جو بے بی بومرز کی طرف سے تھا، وہ الیکشن میں الگور کی ناکامی کو (لیکن وہ ناکام تو نہیں تھے) نادر کے ہی سر ڈالتے ہیں، میں ان افراد کو جو چالیس اور پچاس کے پیٹے میں ہیں، دیکھتا ہوں اور حیران ہوتا ہوں کہ نادر سے انہیں ذاتی طور پر کیوں خطرہ محسوس ہوتا ہے۔

ذرا توقف کریں، میں نے وجہ معلوم کر لی ہے، نادر ان کی نمائندگی کرتا ہے، جن

کا وجود پہلے تھا، اب نہیں رہا۔ اس نے کبھی ہار نہیں مانی، کبھی سمجھوتہ نہیں کیا، کبھی باز نہیں آیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس سے نفرت کرتے ہیں۔ اس نے اپنا انداز نہیں بدلا یہاں سے نکل کر مضافات میں نہیں گیا یعنی ''دیکھنا ہے کہ میں اپنے لئے زیادہ سے زیادہ دولت کس طرح کما سکتا ہوں......اپنے لئے اس نے اپنے اختیارات میں اضافے کے لیے اخلاقیات کو ترک کر کے بے بی بوم کوڈ کی پابندی نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ ہائی سکول اور کالج کے لاکھوں بچے اس سے محبت کرتے ہیں۔ وہ ان کے والدین کے بالکل برعکس ہے، جنہوں نے اپنے بچوں کو اس طرح نہیں پالا کہ بیرونی دروازے کی چابی دے دی۔ ایک ریٹالن دے دی اور خواب گاہ میں ٹی وی سیٹ کے لیے ریموٹ دے دیا۔ نادر نے سارجنٹ پیر کو اے او آر کو کینی جی کو فون نہیں کئے۔ وہ انہی میلے کچیلے کپڑوں میں رہا جنہوں نے اسے پیٹا، وہ ہائی سکول کے لفنگوں کی طرح ہیں، جو اس وقت تک تمہیں ہراساں کرتے رہیں گے جب تک تم انہی کی طرح نہیں ہو جاتے، جب تک تم انہی کی طرح نہیں دیکھتے، انہی کی طرح نہیں سوچتے، انہی کی طرح بو نہیں دیتے۔

یہ ٹھنڈے مزاج کا آدمی، نادر ہرگز تبدیل ہونے والا نہیں۔ پھر تم اپنی توانائی کیوں ضائع کرو، کیوں اپنی دوا کی خوراک بڑھاؤ اور کیوں یہ تردد کرو کہ ایک مالشیا ہر ہفتے تمہارے لئے آئے؟ ٹھنڈے ہو کر بیٹھو اپنے اعصاب کو سکون دو اور شکر ادا کرو کہ نادر جیسا شخص موجود ہے۔ سارے کام وہ کردے گا، تم آرام کرو، میں جانتا ہوں کہ یہ ایک کڑوی گولی نگلنا ہوگا کہ ہر صبح سرمایہ دار درندوں کا پیٹ بھرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہو، حرامیوں سے چیک وصول کرو اور وہ خواہ کتنا تمہیں ذلیل کریں، منہ پھیر کر کھڑے رہو لیکن خالی الذہن ہونے کے اس طویل وقفے میں ایک مدہم سا خیال یقیناً تمہارے موبائل فون کی روشنی کی طرح ، جو ختم ہونے سے پہلے رہ رہ کر ٹمٹماتی ہے۔ جلتا بجھتا رہتا ہے۔ تمہارے کمزور حافظے میں ایک بات کسی گوشے سے ابھرتی اور یاد دلاتی ہے۔ اس وقت کو، جب تم نسبتاً جوان تھے اور بڑی شدت سے اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ تم اور صرف تم تبدیلی پیدا کر سکتے ہو۔ یہ اس سے پہلے کی بات ہے، جب بالغ عمر نے تمہیں بچھاڑا نہیں تھا اور تمہیں حکم نہیں دیا تھا کہ اب اٹھو اور مقرر پروگرام پر کام شروع کرو، یا تنہا زندگی گزار دو، اپنی ذات کی نفی کرتے رہو اور تم نے وہی کیا۔ تم نے اپنی اقدار پر سمجھوتہ کرنا سیکھ لیا اور اپنے

آپ کو یہ باور کراتے رہے کہ تم اب بھی ان پر کاربند ہو۔فضول قسم کے کام کرتے اوراپنے ضمیر کی دلجوئی کرتے رہے، محض خوف کے تحت یا کسی خیالی اندیشے کی بنا پر، بے گھری اور فاقے کا خوف۔تم نے اپنے چرچ کی ظالمانہ روش کے ساتھ بھی رہنا سیکھ لیا کیونکہ......عیسیٰ نے بہت سی اچھی باتیں بھی تو کہی تھیں(اپنے دشمن سے محبت کرو) وغیرہ اور پھراس سے کیا فرق پڑتا ہے۔طشتری میں پڑے ہوئے تمہارے سکے کسی ایسی تنظیم کو جارہے ہوں، جو عورتوں سے نفرت کرتی ہو۔تم نے اس وقت بھی چپ رہنا سیکھ لیا، جب دوست اورکارکن ساتھی ڈھکے چھپے الفاظ میں نسلی تفریق کی باتیں کرتے کیونکہ تم جانتے تھے کہ کالوں سے تمہیں کوئی نفرت نہیں اورانہیں بھی یقین تھا کہ وہ تم سے نفرت نہیں کرتے......لیکن یہ کیا بات ہوئی کہ تم اپنی حفاظت کے خیال سے سڑک کے دوسری طرف چلے گئے۔

سب سے اچھی بات یہ ہے کہ تم پہلے ہی کی طرح ڈیموکریٹس کو ووٹ دیتے رہو۔ بہر طور، ان کا کہنا یہ ہے کہ وہ تمہارے بہترین مفادات کو اپنے دل سے قریب رکھتے ہیں اور چونکہ وہ یہ بات کہتے ہیں، اس لئے تم اس پر یقین بھی کرتے ہو۔ بھلا وہ کون احمق ہوگا جو کسی تیسری پارٹی کوووٹ دے گا۔ ادھر جانے کا سوچوں بھی کیوں؟اس سے کیوں ملو جو عمر میں تم سے کم ہے، جو سچائی کی خاطر ڈٹ کر کھڑے ہونے اور دیوار سے اپنا سر پھوڑ لینے کے لیے بھی تیار ہے۔ ادھر دیکھو، بالغ دنیا کی طرف، بہتر ہوگا کہ ''سچ'' کیا ہے، یہ بات بھول جاؤ تمہیں تو بہر حال جیتنا ہے۔ساری بات جیتنے کی ہے، چاہے وہ تمہاری کمپنی کا مارکیٹ شیئر ہو یا سٹاک پورٹ فیلیو ہو، یا کنڈرگائن کی فرنچ کلاس میں دوسرے تمام بچوں کو شکست دے کر آگے نکلنے کے سلسلے میں آپ کے بچے کی صلاحیت ہو۔

ہمیشہ صحیح کام کرو، جیتنے والے کے ساتھ چلو۔ اس وقت بھی جب جیتنے والا (کلنٹن) اعلیٰ منصب والوں کی حمایت کر رہا ہو، پابندیوں کے احکام پر دستخط کر رہا ہو، اسقاط حمل کی ممانعت کر رہا ہو اوراس کے لیے مالی امداد کو روک رہاہو، ناداروں کو دھکے دے کر سڑک پرلا رہا ہو، جیل میں قیدیوں کی تعداد کو دگنا کر رہا ہو، چار مختلف ملکوں پر بمباری کر رہا ہو، بے گناہ شہریوں کو ہلاک کر رہاہو (سوڈان، افغانستان، عراق اور یوگوسلاویہ) ابلاغ کے بیشتر ذرائع کو چند مال دار اداروں کے قبضے میں دینے کا روا دار ہو(جو پہلے تقریباً ایک ہزار کمپنیوں کے درمیان بٹے ہوئے تھے) اور پینٹا گون کے بجٹ میں مسلسل اضافے کا مطالبہ

کر رہا ہو، جواب بھی بہتر ہے......بہتر ہے......کس سے بہتر ہے......واقعی بدتر ہے۔

دوستو، ہم کب تک اپنے ساتھ مذاق کرتے رہیں گے۔ کلنٹن اوران کے معاصر ڈیموکریٹس نے ہمارے ساتھ بہت اچھا نہیں کیا اور نہ بہت اچھا کریں گے، ہمارے اورخود اس دنیا کے لیے جس میں ہم رہتے ہیں۔ ہم اس کے واجبات ادا نہیں کرتے اور اوپر کے دس فیصد افراد بھی ادا نہیں کرتے اور آئندہ بھی نہیں کریں گے۔ یہ بات تمہیں پہلے ہی معلوم ہے، اس بارے میں کچھ کہتے ہوئے تکلیف ہوتی ہے کیونکہ ان کا متبادل بھی کون ہے۔ وہی کوئی ڈک چینی جیسا۔

سنو! اس سے پہلے کہ تم نیک ڈیموکریٹس یہ سوچنا شروع کرو کہ کس درجہ حرارت پر پہنچ کر کتاب میں آگ لگ جاتی ہے، ایک بات میں بتا دوں کہ ڈبلیو بش، الگور اور بل کلنٹن سے بھی بدتر ہے، اس میں کوئی شک ہی نہیں لیکن اس سے مراد کیا ہے؟ اگر تم دو افراد کو ساتھ ساتھ بٹھاؤ اور کسی سے پوچھو کہ ان دونوں میں ''بدتر'' کون ہے، تو عام طور پر وہ اس کا انتخاب کریں گے، جو زیادہ بڑا احمق ہوگا۔ ہٹلر سیو لینی سے برتر تھا، ایک شیورلٹ فورڈ سے ''بدتر'' ہوتی ہے، میں یقیناً اپنی بیوی سے ''بدتر'' ہوں، تو پھر کیا ہوا؟ یہ تو بچوں کا کھیل ہے۔ سچ یہ ہے کہ بش کی ''مہربان قدامت پسندی'' اور کلنٹن ازم کے کوئی معنی نہیں رہے۔ ان میں اس سے زیادہ معنویت نہیں جتنی کیسٹر آئل اور چیری کے ذائقے کے ساتھ رابٹسن (Robitussian) نہیں ہے۔

بش دوئم نے اپنے منصب کا آغاز اس طرح کیا کہ صدر کلنٹن نے جو احکام جاری کئے تھے، ان میں سے بہت سے انتظامی احکام کو الٹ دیا۔ فوری نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ایک بھیانک درندہ نظر آنے لگا۔ ڈیموکریٹس کے لیے علامتی طور پر یہ ایک نہایت اہم لمحہ تھا۔ انہیں عام لوگوں کو یہ باور کرنا چاہئے کہ بش پانی میں تیزاب ملا رہا ہے اور ہم سب کو زہر دینا چاہتا ہے۔ ان کی ضرورت یہ تھی کہ امریکی لوگوں کو بتاتے کہ بش قوم کے جنگلات کو تہس نہس کر رہا ہے۔ اسقاط حمل کی مد میں سرکاری رقوم دینا بند کر رہا ہے اور الاسکا کے ساتھ بدترین سلوک کر رہا ہے، کیونکہ اسے دلچسپی ایک ہی بات سے ہے کہ کلنٹن نے جو کچھ کیا ہے، اسے غتربود کر دے۔

وہ بات جو کبھی نہیں کی جاتی یہ ہے کہ کلنٹن نے آٹھ سال گزار دیے اور اس مدت

میں کچھ نہیں کیا یا ان مسائل کے سلسلے میں کچھ نہیں کیا اور جب اس کی حکومت کے چند گھنٹے باقی رہ گئے تو کوشش کی کہ دفتر سے نکلتے ہوئے اچھا نظر آئے یا ایسا کرے کہ بش برا نظر آنے لگے، اس تدبیر نے دونوں طرح کام کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ جارج ڈبلیو بش نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ کلنٹن/الگورا انتظامیہ کی آٹھ سال سے جاری پالیسیوں کو برقرار رکھا۔ پورے آٹھ سال تک کلنٹن/الگور نے حتی الوسیع کوشش کی کہ ہوا میں کاربن ڈائی آکسائیڈ اور پانی میں زہر کی ملاوٹ کم کرنے کے لیے جو سفارشات کی گئی تھیں، انہیں کامیاب نہ ہونے دیا جائے۔ ۲۰۰۰ء کے انتخابات کے ایک ہی ماہ پہلے سینٹ کے ڈیموکریٹ لیڈر ٹام ڈیشل اور سولہ ایگر ڈیموکریٹس نے نہایت کامیابی کے ساتھ پانی میں تیزابیت میں کمی کرنے کا راستہ روک دیا، کیونکہ کلنٹن اور دوسرے ڈیموکریٹس نے دولتمند بدمعاشوں کو دیکھ لیا تھا، جنہوں نے ان کی انتخابی مہم میں بھی مالی مدد کی تھی اور یہ نہیں چاہتے تھے کہ پانی میں تیزاب کی جو سطح پہلے سے ہے اس میں کوئی تبدیلی نہ ہو۔

اس حقیقت کو تسلیم کر لیجیے کہ گزشتہ ۲۵ سال میں کلنٹن/الگور وہ پہلی انتظامیہ تھی، جس نے ڈیٹرائٹ سے یہ مطالبہ کیا کہ تیل کی کارکردگی کا معیار بہتر بنایا جائے۔ یہ الفاظ دیگر ان کی نگرانی میں تیل کے لاکھوں گیلن خواہ مخواہ صاف کئے گئے اور ان کی کثافت ہوا میں شامل ہوتی گئی۔ رونالڈ ریگن ماحولیات کے شعبے کا سرکردہ شخص تھا، اس شعبے میں اس کا ریکارڈ بہت شاندار تھا۔ انہوں نے حکم دیا کہ کاروں کو ایک گیلن میں زیادہ فاصلہ طے کرنا چاہئے۔ ان کے جانشین بش اول نے اور بھی زیادہ سخت معیار مقرر کیا لیکن کلنٹن کے ماتحت کیا ہوا؟ کچھ بھی نہیں۔ کتنے لوگ سرطان سے ہلاک ہوں گے۔ گلوبل وارمنگ (کرۂ ارض کی تمازت) میں کتنی تیزی سے اضافہ ہوگا اور یہ سب بل اور الگور کے دوست کی مہربانی سے ہوا، جو ان کے خاص سرپرستوں میں سے تھا، تین بڑی کار ساز کمپنیوں کا حمایتی، وہی اینڈ ریوکارڈ، جو کلنٹن کی فطری تخلیق جارج بش اور ان کے عملے کا سربراہ ہے تو ڈیموکریٹس اور ری پبلیکیشنز میں کیا کوئی فرق باقی رہ گیا ہے؟ حقیقتاً یہ ڈیموکریٹ ایک بات کہتے ہیں (کرۂ ارض کو بچاؤ) اور کرتے کچھ اور ہیں، نہایت خاموشی سے، ہاتھ پیچھے موڑ کے، پس منظر میں انہی حرامزادوں سے ہاتھ ملاتے ہوئے، جنہوں نے اس دنیا کو پہلے سے زیادہ

کثیف بنایا اور کمینگی سے بھر دیا ہے۔ ری پبلکن بے جھجک سامنے آتے ہیں اور انہی حرامیوں کو ویسٹ ونگ میں کونے کا ایک پورا دفتر دے دیتے ہیں۔ یہ ہے ان دونوں میں فرق۔ بلاشبہ اس معاملے میں دلیل یہ ہے کہ اگر تم ایک شخص سے کہو کہ تم اس کا تحفظ کرو گے اور پھر اس کو لوٹ لو تو یہ اس سے کہیں کہ زیادہ بری بات ہوگی کہ تم اس کے آگے آگے چلو اور چپکے رہو۔ برائی اگر کھلی ہو اور سامنے ہو، آزاد خیالی کے پیچھے بھیڑ کی کھال اوڑھے ہوئے نہ ہو تو اس کا سامنا کرنا اور جڑ سے ختم کر دینا آسان ہوتا ہے۔ آپ ترجیح کسے دیں گے، دیمک فرش پر رینگتی ہوئی تم تک پہنچ جائے یا دیوار کے اندر چھپی ہوئی، نظر نہ آنے والی دیمکوں سے بھرا ہوا پورا گھر۔ کیڑے مکوڑے بیماریاں پھیلاتے ہیں، لیکن کم از کم تمہیں ان کی موجودگی کا علم تو ہے اور تم ان کے خلاف مناسب کارروائی کر سکو گے لیکن دیمک کے ہوتے ہوئے، تم یہی سوچو گے کہ تمہارا رہائشی کمرہ کتنا خوبصورت ہے، یہاں تک کہ ایک روز بنیادیں زمین میں ڈھے جائیں گی اور جب آنکھ کھلے گی تو تم دیمک کی بنائی ہوئی دھول میں اٹے ہوئے ہو گے۔

بل کلنٹن اپنے دور صدارت کے آخری دن تک صدارتی احکام اور ضوابط کے ایک پورے انبار پر دستخط کرنے کے منتظر رہے، جن میں سے بیشتر کا مقصد ماحول کو درست کرنا اور محفوظ حالات کار پیدا کرنا تھا۔ اپنے انجام میں یہ ایک احمقانہ حرکت تھی۔ صحیح کام کرنے اپنی صدارتی مدت کے آخری ۴۸ گھنٹے کا انتظار کرنا تا کہ جب لوگ پیچھے مڑ کے دیکھیں تو کہیں بہت اچھا صدر تھا ہمارا۔ کلنٹن کو معلوم تھا کہ آخری منٹ کے یہ احکام برسراقتدار آنے والی انتظامیہ کے ہاتھوں میں ہوں گے اور یہ بھی جانتے تھے کہ ان میں سے کوئی بھی عمل پر پورا نہیں اترے گا، یہ سب تصورات تھے۔

کیا تم کو اب یقین ہے کہ کلنٹن نے ہمارے پانی کو تیزاب سے پاک کر دیا تھا۔ نہ صرف یہ کہ اس نے آٹھ سال تک ہمیں زہریلے پانی سے بچانے کے لے کچھ نہیں کیا بلکہ اس نے جس حکم نامے پر دستخط کئے تھے، اس کا تقاضا یہ تھا کہ پانی کو ۲۰۰۴ء تک تیزاب سے پاک نہیں کیا جائے گا۔ جی ہاں، یہ بالکل درست ہے۔ کلنٹن کا اپنے دور حکومت کے آخری لمحوں کا بڑا ماحولیاتی کارنامہ تھا کہ جو تیزابی پانی ہم ۱۹۷۲ء سے پیتے آئے ہیں، اسی طرح کا پانی جس میں تیزاب کی وہی سطح ہوگی، ہم آئندہ بھی پیتے رہیں گے، گویا آخری

مرتبہ ایک اصلی ڈیموکریٹ ہمت کے ساتھ ڈٹ کر کھڑا ہو گیا اور اس نے پانی میں تزابیت کی سطح کو کم کرنے حکم دیا۔ کینیڈا اور یورپ والے تو یہ کام بہت پہلے کر چکے تھے لیکن کلنٹن نے اس قانون کو نظر انداز کر دیا، جس کے تحت پانی میں تیزابیت کو کم کرنے کی تاکید شامل تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کلنٹن انتظامیہ کے خلاف نیشنل ریسورسز ڈیفنس کونسل نے مقدمہ دائر کر دیا۔ آخری ہفتے میں کلنٹن نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس طرح کلنٹن نے اس بات کو سرکاری حیثیت دلا دی کہ بش انتظامیہ کے پورے دور میں ہم زہریلا پانی پیتے رہیں گے۔ شاید اس طرح وہ ہمارے ساتھ ایک نیکی کر رہے تھے اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کے اخراج کے بارے میں وہ کون سے ضوابط ہیں جنہیں بش دوئم نے پلٹ دیا؟ میں نے کیا کہا ''پلٹ دیا؟'' کیا پلٹ دیا؟ بش نے زیادہ سے زیادہ یہی تو کیا کہ کلنٹن کے دور کی صورتحال کو جوں کا توں برقرار رکھا۔ گویا جو کچھ اس نے کہا، اس کا لب لباب یہ تھا کہ ''کلنٹن نے اپنے آٹھ سالہ دور حکومت میں جو کچھ کیا، میں بھی ہوا کو اس درجے کی کثافت سے آلودہ کروں گا اور آپ تیزابیت سے آلودہ وہی پانی ہماری نگرانی میں پئیں گے، جس طرح کلنٹن کے زمانے میں پی رہے تھے۔'' اور جس طرح سمیت کو کم کرنے کے عمل میں تاخیر، چار سال کی تاخیری تدبیر کے ساتھ روبہ عمل آئی اسی طرح کلنٹن نے اپنے آخری دنوں میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کے اخراج کے بارے میں حکم دیا کہ اس میں کمی فوری طور پر نہیں ہونی چاہئے۔ نومبر کے وسط میں انتخابات کے نتائج کا اندازہ کرتے ہوئے اس نے چار گرین ہاؤسز گیز پر سخت ضوابط کے نفاذ کا حکم دیا جس میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کا اخراج بھی شامل تھا۔ ایک بار پھر اسکے الفاظ اچھے لگے لیکن اگر ماضی کے حوالے سے دیکھتے تو نئی سطح کے بارے میں ضابطے ۲۰۱۰ء تک نافذ نہ ہو سکیں گے۔ اور یہی نہیں، اس کے بعد آئندہ دس سے پندرہ سال تک کوئی اور ضابطہ نافذ نہیں ہوگا۔

یہ فہرست بہت طویل ہے۔ کلنٹن نے OSHA ضوابط کے بارے میں کچھ نہیں کیا، جن کا تعلق ''کارپل ٹنل سنڈروم'' سے ہے (ہاتھ اور انگلیوں کو طویل عرصے تک حرکت دیتے رہنے سے اعصاب پر دباؤ بڑھ جاتا ہے اور ہاتھ اور انگلیاں سخت اذیت محسوس کرتی ہیں۔ مترجم) پھر ۱۹ جنوری کو تمام رات تشکیک میں گزارنے کے بعد اس نے چند دولت مندوں کو معاف کر دینے کا فیصلہ کیا اور بالآخر طے کیا کہ وہ کچھ نیکی ان عورتوں کے لیے بھی

کرے گا جو تمام دن کمپیوٹر پر کی بورڈ کے سامنے بیٹھی ہوتی ہیں اور جنہوں نے اپنے مفلوج ہاتھوں سے اس کو دوبارہ انتخابی مرحلے میں پہنچایا اور اسے اپنا صدر بنایا۔

دوستو! تم چند پیشہ ور ''رواداز'' لوگوں کے چکر میں آ گئے، جنہوں نے ان خرابیوں کو دور کرنے میں آٹھ سال تک کچھ نہیں کیا اور اب رالف نادر جیسے لوگوں پر حملہ کرنے سے باز نہیں رہتے۔ جس نے اپنی پوری زندگی، ان میں سے ایک مقصد کے لیے تج دی ہے۔ کتنی بھرپور بے خبری کے ساتھ وہ نادر کو الزام دیتے ہیں کہ بش کو وہی لایا، میں انہیں الزام دیتا ہوں کہ وہ خود بش ہیں۔ ان کے منہ میں وہی سرمایہ دار کی چوسنی ہے، جس سے وہ چوستے رہتے ہیں اور نافٹا (Nafta) جیسی چیزوں کی تائید کرتے ہیں، جس نے سیرا کلب (Sierra Club) کے بیان کے مطابق میکسیکو کی سرحد پر جہاں اب امریکی فیکٹریاں منتقل کر دی گئی ہیں، دگنی کثافت پھیلا دی ہے۔

اگر کلنٹن نے وہ کام کئے ہوتے، جن کے لئے ہم نے ووٹ دیئے تھے اور ۱۹۹۲ء کے انتخابات میں جس کی امید کی تھی تو آج ہم ان خرابیوں میں مبتلا نہ ہوئے ہوتے۔ ذرا سوچئے کہ آٹھ سال قبل، اپنے منصب کے پہلے دن اگر کلنٹن نے پانی میں تیزابیت کم کرنے کا حکم دے دیا تھا اور سارے امریکی آٹھ سال سے صاف اور محفوظ پانی پی رہے ہوتے۔ تم کیا سمجھتے ہو، کیا جونیئر بش کے لیے یہ ممکن ہوتا کہ وہ یہ کہتا، اچھا، امریکیوں تم زہر سے پاک صاف پانی ایک مدت سے پیتے آ رہے ہو بس بہت ہو چکا۔ اب وقت آ گیا ہے کہ اپنے پرانے ڈھب پر واپس آ جاؤ اور تیزاب ملا پانی پیتے رہو؟ نہیں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس بات کو کوئی قبول نہیں کرتا۔ اس نے معمولات کو پلٹ دینے کی کوشش ہی نہ کی ہوتی لیکن چونکہ کلنٹن نے آخری لمحے تک انتظار کیا اور ہوا پانی سے کثافت کبھی دور نہیں کی لہٰذا اس بارے میں سیاسی یا عام نوعیت کا تعاون بھی حاصل نہیں ہوا لہٰذا بش نے کیا، وہ ان کے لئے کرنا آسان تھا۔ اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ تم اس چیز سے کبھی محروم نہیں ہوگے، جو تمہیں ملی ہی نہیں لیکن بش کو ایک بات یاد نہیں رہی۔ ہم میں سے بیشتر کو یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ ہم کلنٹن کی حکومت میں ۱۹۴۲ء کی سطح کا مسموم پانی پیتے آ رہے تھے۔ وہ تو ڈبلیو وانٹنگ کی مہربانی تھی کہ انہوں نے کلنٹن کی حکومت کے پہلے ہی دن ایک بڑا سودا انہیں اپنے ''موقف سے پھر جانے'' کے لئے کیا اور ہم پبلک کے لوگوں کو اچانک یہ معلوم ہوا کہ ہمارا پینے کا پانی

اب محفوظ نہیں آ رہا۔ اب یہ تکلیف دہ سوال اپنے آپ سے کیجئے چونکہ آپ کو کلنٹن کی حکومت میں پانی کے اندر تیزاب کی زیر دست سطح کا علم نہیں تھا اور نہ آپ نے اس کے خلاف شور بلند کیا، تو اب آپ کا کیا خیال ہے، کیا گور نے پانی سے تیزاب نکال دیا ہوتا؟ وہ ایسا کیوں کرتا۔ آپ جو عوام ہیں، آپ کو اس کا علم ہی نہیں ہوا، نہ آپ نے کبھی اس کی شکایت کی، نہ ایوان صدر کو یہ پیغام دیا کہ آپ کو مسموم پانی پینا سخت ناپسند ہے اور وہ صنعتیں جو بڑی حد تک یہ زہر پھیلانے کی ذمہ دار ہیں، رہی نہیں، جنہوں نے الگور کی انتخابی مہم میں چندہ دیا تھا۔ میں نے گور کی انتخابی مہم کے سلسلے کا سارا مطبوعہ مواد پڑھا ہے، ان کے مؤقف پر مبنی بیانات بھی پڑھے پس اور مجھے پانی میں تیزابیت کے حوالے سے ایک لفظ بھی لکھا ہوا نہیں ملا۔

ہمیں ایمانداری سے کام لینا چاہئے۔ یہ صرف بش اور اس کے احمقانہ اقدامات کا نتیجہ ہے کہ ہمیں وہ پانی ملنے جا رہا ہے جس میں تیزابیت کم ہوگی۔ جتنا شور وغوغا ہوا، وہ سب لوگوں کے ذہنوں میں بیٹھ گیا ہے اور ان کے دماغوں سے نکلا نہیں ہے، ساتھ چھوڑ کر کہیں گیا نہیں ہے اور اب کانگریس میں ۱۹ ری پبلکن ارکان نے سیاسی دباؤ محسوس کرتے ہوئے اور رائے عامہ سے قربت کا ایک موقع دیکھتے ہوئے تیزابیت سے ازالے کی مہم میں ڈیموکریٹس سے رشتہ جوڑ لیا ہے اور اس کے نتیجے میں ہمیں پینے کا صاف پانی ملنے لگے گا۔ ان ۱۹ ری پبلکن ارکان نے ڈیموکریٹس کے اشتراک سے ایک مسودہ قانون منظور کیا ہے، جس میں بش کو نہ صرف یہ کہ کلنٹن کے آخری لمحے کے احکام کو تبدیل کرنے سے روک دیا گیا ہے بلکہ اس سے آگے پانی میں تیزابیت کی سطح کو اور بھی کم کرنے کا جو حکم کلنٹن نے دیا تھا، اسے بھی بدلا نہیں جا سکے گا۔ یہ سب کلنٹن کے دور حکومت میں نہیں ہوا اور یقین کیجئے، صدر الگور نے یہ سوال نہیں اٹھایا تھا۔ یہ کہتے ہوئے دکھ ہوتا ہے کہ یہ ایک خفیف سی چبھن تھی، کوئی مخلصانہ کوشش نہیں تھی۔

ایک اور کوتاہی جو بش سے حکومت کے ابتدائی مہینوں میں سامنے آئی، وہ اس کی یہ کوشش تھی کہ ہمارے ٹیکس کی رقمیں ''خیراتی کام کرنے کے لیے کلیساؤں کو دے دی جائیں اور پھر اس پر کتنا شور وغوغا سنائی دیا۔ اب میرا سوال یہ ہے: جب کلنٹن کے رفاہی اور اصلاح کے مسودہ قانون میں یہی زبان استعمال کی گئی تھی، اس وقت امریکی طریقے کے حمایتی اور دوسرے روادار گروپ ۱۹۹۶ء کے اندر کہاں تھے؟ عقیدہ پر مبنی تنظیمیں وفاق سے

مالی مدد پچھلے پانچ سال سے وصول کر رہی ہیں۔ اب کلیسا کی ریاست سے علیحدگی کا اچانک شور کیوں اٹھا۔ کلنٹن نے جو کچھ کیا، بش اس سے زیادہ اور کیا کرنا چاہتے ہیں۔ کیا یہ بات ہے کہ ہم کلنٹن کے ''عقیدے'' کو زیادہ اچھا سمجھتے ہیں؟ (اور پھر عقیدے کی اس نئی تعریف کے بعد کون نہیں چاہے گا کہ کسی عقیدے کے نظام میں شامل ہو جائے؟)

اور اب اس حکم کے بارے میں جس کے تحت بش نے سمندر پار کے ملکوں میں اسقاط حمل کے لیے مالی اعانت ممنوع قرار دے دی ہے، پھر وہی غلطی کلنٹن سے پہلے دو صدور غیر ممالک میں اسقاط حمل کے لئے امریکی مالی مدد کو ممنوع قرار دے کر اس بارے میں احکام جاری کر چکے تھے۔ بش نے اس حکم میں توسیع کر دی، ضبط تولید کو ایسے کسی ادارے کو کوئی رقم نہیں دی جا سکے گی جو اسقاط حمل کو اس کے متبادل کے طور پر پیش کرتا ہو۔ ہمارے ڈیموکریٹ صدر نے ہی تو اس کے لئے زمین تیار کی اور ابورشن (اسقاط حمل) کے فنڈ میں تخفیف کا عمل جاری رکھا اور دائیں بازو کے مؤقف پر اپنی رواداری کی مہر لگا دی، اگر تم ایور کو ایک ہڈی دو گے تو وہ اس پر بس نہیں کرے گا، وہ تو پوری ٹانگ لینا چاہے گا۔

لہٰذا بش اور لیسر (Lesser) کے بارے میں آنسو بہانے سے مجھے معاف کیجئے جو لوگ بش کو کارٹون کی عجیب شے بنا دینا چاہتے ہیں، ان کا ایک مقصد ہے، ہم میں سے بیشتر کو اس درندے پر نظر ڈالنے سے باز رکھنا جو وہ خود بن گئے ہیں۔ ٹھیک ہے، وہ رالف نادر سے نفرت کرتے ہیں، ان کی تشویش میں ہمارے لئے ایک تاکید ہے کہ اس وقت کیا ہوتا، جب ہم کبھی کسی ایسے شخص کو منتخب کر لیتے جو اس ملک کے نوے فیصد سب سے کم مایہ لوگوں کا نمائندہ ہوتا۔ نادر کو الزام دو، بش کو الزام دو۔ یہ سب اصل بات سے ہٹانے کی کوشش ہیں۔ ایک نہایت اہم حقیقت کو بغور دیکھنے سے باز رکھنا، زہر ری پبلکن کا ہو یا زہر ڈیموکریٹ کا۔ وہی ایک ہی گندگی ہے، جو ہمارے حلق میں ٹھونسی جا رہی ہے۔ لیکن بش کی سمجھ میں یہ کبھی نہیں آئے گا کہ جس خرابی سے کلنٹن بچ نکلے تھے، خود اس سے کس طرح بچ کر نکلے گا۔ اسے کلنٹن کی نقاب سحر و کرامات سے استفادہ کرنا ہوگا۔ یہ تھا وہ شخص جسے لوگوں کو جیتنے کا قرینہ آتا تھا۔ تم اس کے بارے میں کچھ بھی قیاس کر دو وہ پسند کئے جانے کے قابل تھا، تیز طرار تھا، خوش وضع تھا اور نہایت درجہ حقیقت پسند تھا۔ وہ جانتا تھا کہ امریکی لوگ اپنے صدر پر کامل اعتماد کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ جو قول ہے، وہی عمل

ہے۔ اگر تم نے یہ کہہ دیا کہ تم صاف ستھرے ماحول کے حق میں ہو تو یہ کہنا ہی کافی ہے، تمہیں ماحول کو صاف ستھرا بنانے کے لیے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ سب کچھ بھاڑ میں جائے تم تو صرف ماحول کو مسموم اور آلودہ کر کے بچ نکلو گے اور بیشتر لوگوں کو ان دونوں کے درمیان فرق بھی معلوم نہیں ہوگا۔ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ تم عورت کے انتخاب کے حق میں تھے اور پھر جب اسقاط حمل کی قانونی اجازت مل گئی تو یہ دیکھتے کہ ابورشن کلینک کس طرح بڑے پیمانے پر بند ہو رہے ہوں گے (عورت کے انتخاب کی حمایت سے حاصل بھی کیا جب امریکہ کی ۸۶ فیصد کاؤنٹیز میں کوئی ایک ڈاکٹر بھی نہیں ملے گا جو حمل گرانے میں مدد دے اور ایک عورت بھی نہیں ملے گی، جسے ایسا کوئی ڈاکٹر دستیاب ہو؟ کلنٹن نے یہ جان لیا تھا کہ عورتوں کی حمایت میں باتیں کر کے وہ یہ بھی کر دکھائے گا، چنانچہ تحریک نسواں کی کوئی بھی رہنما اس حکم نامے کی مخالفت نہیں کرے گی، جو انہوں نے ۱۹۹۹ء میں نافذ کیا تھا اور جس میں ایسے غیر ملکی گروپوں کے لیے طبی مشوروں کے دوران جو اسقاط حمل کے مسئلہ کو زیر بحث لائیں گے، وفاقی امداد دینے کی ممانعت کر دی گئی ہے۔ سبھی لوگ سوچتے ہیں کہ کیا اس طرح بش نے بھی سوچا ہوگا۔ آپ نے دیکھا کہ کلنٹن کتنا چالاک تھا، یہی وجہ تھی کہ کلنٹن نے عورتوں کے گروپ کے سارے ووٹ اپنی طرف کر لئے۔

تو یہ ہے وہ قرینہ جو آپ کو برتنا چاہئے، ایک قابل عمل بات کیجئے اور عملاً کچھ اور کیجئے یا کچھ نہ کیجئے اس کی تہہ میں جو نکتہ ہے، وہی ہمارا اصل مسئلہ ہے بالآخر یہ بش نہیں ہے، یہ تو ڈیموکریٹس ہیں۔ ڈیموکریٹس اگر واقعی حزب اختلاف کی طرح کام کرنا شروع کر دیں تو بش کو فالج ہو جائے گا۔ اگر ایک بھی ڈیموکریٹ ایوان میں کھڑا ہو جائے اور بش کے انتخابی حلقے کے ووٹوں کو چیلنج کر دے تو بش وہاں نظر بھی نہیں آئے گا لیکن کوئی کچھ نہیں کہے گا اور بش کے پہلے صدارتی دور میں یہ ڈیموکریٹ صاحبان ہی تو تھے جو بش کی دیوانگی میں کامل خوش دلی سے شریک ہوئے اور اس کی لازمی ضرورت بن گئے۔

بینک رپسی ریفارم ایکٹ سے (Bankruptcy Reform Act) بات شروع کیجئے، جس سے ان محنت کشوں کی زندگی اور بھی دشوار ہو جائے گی جو بینک رپسی (دیوالیے ہو جانے) کے سلسلے میں درخواست دینا چاہیں گے۔ اب بجائے اس کے کہ ان پر قرض کی رقم حذف کر دی جائے، اس نئے قانون کے تحت جسے کانگریس کے دونوں ایوانوں نے منظور

کیا اور جس پر بش نے دستخط کر دیئے، وہ افراد جن کے پاس کچھ بھی نہیں بچا، بینکوں اور کریڈٹ کارڈ کمپنیوں کے مقروض رہیں گے اور قرض چکانے کا کوئی حیلہ نکالیں گے۔ دوسرے لفظوں میں ان لاکھوں افراد کے لیے، جو قرض کے کمر توڑ بوجھ تلے دبے ہوں گے ان کے لیے بینک کرائسس کے بوجھ سے باہر نکلنا کبھی ممکن نہیں ہوگا۔ یہ قانون ۳۷ ڈیموکریٹ سنیٹر ارکان کے تعاون سے جن میں فرداً فرداً خواتین سینٹر بھی شامل تھیں منظور کیا گیا اور ان سب نے امریکہ کے محنت کش خاندانوں کی حمایت کی بجائے بینکنگ انڈسٹری کی طرفداری کی۔ اور ستم ظریفی یہ ہے کہ سینٹ میں وہ ڈیموکریٹ جو ارب پتی ہیں، یعنی کینیڈی، راک فیلر، نور زائن، ڈیٹن، انہوں نے اس تشدد آمیز قانون کی مخالفت کی۔ بش کے مقبوضہ وہائٹ ہاؤس سے یکے بعد دیگرے مسلسل بل آتے رہے اور ڈیموکریٹ ارکان کھلی بانہوں سے انہیں گلے لگاتے رہے۔ بش نے ٹیکس میں تخفیف کا جو بل تجویز کیا، اسے ڈیموکریٹ ارکان کی بھاری اکثریت نے منظور کیا، حالانکہ اسے بنایا اس لئے گیا تھا ملک کے دس فیصد امیر ترین لوگوں کو فائدہ ہو۔

ڈیموکریٹس نے عراق پر بمباری کے لیے بھی بش کی حمایت کی اور چین کے خلاف جارحانہ اقدام کی بھی تائید کی۔ اس اشتراک باہمی کا سب سے یادگار موقع تو اس وقت آیا جب اگست ۲۰۰۱ء میں ایوان نے الاسکا کے ویرانوں میں تیل کے لیے کھدائی کی منظوری دے دی۔ ۳۴ ری پبلکن ارکان نے اپنے جہاز پہلے ہی پہنچا دیئے تھے اور کہا تھا کہ اس معاملے میں وہ اپنی پارٹی کے خلاف ووٹ دیں گے۔ یہ خبر ان لوگوں کے لیے حیران کن تھی جو ہمارے ماحول کے بارے میں فکر مند رہتے ہیں لیکن اس وقت ساری خوشی پر پانی پھر گیا، جب بش کے منصوبے کی تائید میں ۳۶ ڈیموکریٹس نے ووٹ دیئے۔

ڈیموکریٹس کا دشمنوں سے اس طرح ہم آمیز ہونا، اس وقت حد درجہ المناک نظر آیا، جب انہوں نے بش کی کابینہ کی ایک ایک نامزدگی کی توثیق کی۔ ان میں سے چند ارکان جن کا تقرر ہوا۔ وہ سینٹ میں ڈیموکریٹس کی متفقہ تائید سے وہاں پہنچے۔ یہاں تک کہ جان ایش کرافٹ جیسے متنازعہ شخص کو ڈیموکریٹس کے چند بہت اہم ووٹ مل گئے اور کوئی ایک ڈیموکریٹ سینٹر بھی اس پر آمادہ نظر نہیں آیا کہ ایک کٹر ری پبلکن کے تقرر میں اپنے طویل بیان سے رکاوٹ ڈالتا اور یوں ایک ڈیموکریٹک صدر ایشن کرافٹ جیسے معمولی آزاد

خیال کو اٹارنی جنرل کے طور پر منتخب کر لیا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے، جینٹ رینو، بش کے انتخاب میں تیسرے نمبر پر تھے، پہلے دو کو اس وقت رد کرنا پڑا، جب ری پبلکن ارکان سینیٹر (Nannies) کے بارے میں سوچ کر پاگل ہو گئے لیکن ان میں یہی تو فرق ہے۔ ڈیموکریٹ ارکان میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت نہیں رکھتے۔ وہ ہمیشہ پیچھے ہٹ جاتے ہیں، ان کے طرفداروں میں ایسا کوئی نہیں جو اس طرح ہمارے لئے لڑے، جیسے ٹام ڈیلے یا ٹرنٹ لاٹ ان کے لیےلڑیں گے۔ وہ جب تک جیت نہ جائیں، اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ چاہے اس میں کتنی ہی جانیں چلی جائیں۔

ڈیموکریٹس کی اپنی کوئی حیثیت نہیں رہی، وہ ری پبلکن کا چربہ بن کر رہ گئے ہیں، چنانچہ میں ایک راہ عمل پیش کرتا ہوں۔ ڈیموکریٹس کو چاہئے کہ ری پبلکن پارٹی میں ضم ہو جائیں جو کام دونوں مل کر کر رہے ہیں، اسے اس طرح کرتے رہیں گے، یعنی دولت مندوں کی نمائندگی اور مرکزی دفاتر اور عملے کو اکٹھا کر لینے سے خاصی رقم کی بچت ہوگی اوردس فیصد ثروت مندوں کے لیےلڑائی کی مشین ہرطرح تیاررہے گی۔

اس انضمام کے نتیجے میں کیا کوئی اچھی خبرنہیں؟ اس ملک کے محنت کش عوام بالآخر اٹھ کھڑے ہوں گے کہ ان کی بھی کوئی سیاسی پارٹی ہونی چاہئے اوراس میں غلط بات کیا ہوگی۔ نئے جماعتی نظام میں یہ دوسری پارٹی ہوگی، سوائے اس کے کہ وہ دوسرے فریق کی نمائندگی کرے گی، یعنی ہم ۹۰ فیصد افراد کی۔

معاملے کو تیزی سے چلانے کے لیے میں یہ پیشکش، ڈیموکریٹس اور ری پبلیکنز کو کرتا ہوں۔اس انضمام کو سرکاری حیثیت دلوانے کے لیے فیڈرل الیکشن کمیشن کو درخواست اور کاغذات داخل کرنے پڑیں گے، اس کی فیس اور دیگر قانونی مصارف کے لیے میں رقم اپنی جیب سے دوں گا۔ یہ آل نیو ڈیموکریٹک ری پبلکن پارٹی ہوگی۔ شگون کے طور پر، جو ڈیموکریٹس سے منسوب ہے، میں گدھا بھی تمہارے پاس رہنے دوں گا، جس سے تم ری پبلکن ہاتھی کی نسل کشی کر سکتے ہو، بش یہ کام اب ہوجانا چاہئے۔

ان اسباب کی بنا پر میں یہ کہوں گا کہ ۳۱ دسمبر ۲۰۰۱ء کی آدھی رات تک ڈیموکریٹ پارٹی کے لیڈر پارٹی کے ہیڈ کوارٹر ۴۳۰ ساؤتھ کیپٹل سٹریٹ، واشنگٹن ڈی سی میں چابیاں مجھے پہنچا دیں (یا کسی اور شخص کو جو ان چابیوں کو ذمہ داری سے رکھنا چاہے ورنہ

میں شاید انہیں کھودوں) ہمارے درمیان بیس کروڑ سے زائد ایسے لوگ ہوں گے، جو صحیح معنوں میں دو پارٹی سسٹم کو پسند کریں گے (یا تین پارٹی اور چار پارٹی بھی ہوسکتا ہے، آخر یہ بہت بڑا ملک ہے) ایک پارٹی اس حق کا دعویٰ کرے کہ کسی کے گھر کے ٹینس کورٹ کے مصارف کو تجارتی اخراجات میں شمار کر کے کالعدم کر دیا جائے اور دوسری اس حق کے لیے لڑ رہی ہو کہ اگر کوئی بیمار ہو تو ڈاکٹر کے پاس ضرور جائے، یہ کتنی آسان سی بات ہے۔

ڈیموکریٹک پارٹی کی موجودہ قیادت اگر چابیاں مجھے نہیں دینا چاہتی تو میرا ارادہ ہے کہ ہم میں سے کسی بھی ایسے شخص کی جانب سے جس نے ڈیموکریٹ کو ووٹ دیا ہے، فوری کارروائی کے لیے دھوکہ دہی اور ٹریڈ مارک کے ضابطے کی خلاف ورزی کے الزام میں مقدمہ دائر کردوں کیونکہ یہ نام نہاد ڈیموکریٹس عملاً ری پبلکن پارٹی والوں کا روپ بدل کر کام کر رہے ہیں اور اس طرح ان شہریوں کو فریب دے رہے ہیں، جنہوں نے انہیں سرمایہ دیا، وقت دیا اور ووٹ دیئے۔ میں عدالت سے حکم امتناعی جاری کرنے کی درخواست کروں گا کہ وہ آئندہ ''ڈیموکریٹ'' کا لفظ ''ری پبلکن'' کے لاحقے کے بغیر استعمال نہ کرے۔

پھر ہم اپنا کام کریں گے۔ ہم اپنی پارٹی کا نام نیو ڈیموکریٹس (نئے جمہوریت دوست) یا گرین ڈیموکریٹس (ہریالے جمہوریت پسند) یا فری ہیئر ڈیموکریٹس (مفت پیئر والے جمہوریت پسند) رکھیں گے خیر ہم اپنی کمیٹی میں کوئی نام طے کرلیں گے۔

(وہ قارئین جو مجھے اس مقدمے کے مصارف سے بچانا چاہتے ہیں، یہ وعدہ کریں کہ اپنے ووٹ کے ذریعے تمام جعلی ڈیموکریٹس کو نکال باہر کریں گے اور ایماندار، ترقی پسند امیدواروں کو ووٹ دیں گے، جو ری پبلکن ارکان کے خلاف انتخابات میں کھڑے ہوں) اس دوران میں ان ڈیموکریٹ عہدیداروں کے لیے جو سیاسی قتل عام سے بچ نکلنا چاہتے ہیں، میرا ایک مشورہ ہے مقابلے کے لیے دہرا کردار ادا کرنا چھوڑ دیں۔ یہ اس پارٹی کو میرا آخری مشورہ ہے، جس نے میرے ہائی سکول کے نو لڑکوں کو ویتنام میں قبروں کے اندر اتار دیا۔ اگر تم اپنے اعمال درست نہیں کر سکتے تو تم بھی بھاڑ میں جاؤ اور تمہارا گدھا بھی جس پر تم نے سواری گانٹھ رکھی ہے۔

عوام کی دعائیں

میرا خیال ہے ایک بار تھامس ایکوناس (Thomas Aquinas) نے کہا تھا
''تمہارے پیشاب جیسی اور کوئی چیز نہیں جو تمہیں یہ احساس دلا دے کہ تم کتنے بدبودار ہو گئے ہو۔''

جولائی ۲۰۰۱ء میں نینسی ریگن نے جو رات دن اپنے قریب المرگ شوہر پر نظریں جمائے ہوئے تھیں، ریگن کے سابق ساتھیوں میکائیل ڈوور اور کینتھ ڈبرسٹن کو ایک پیغام کے ساتھ واشنگٹن ڈی سی بھیجا، یہ بالکل نجی پیغام تھا، جارج ڈبلیو بش اور ری پبلکن قیادت کے نام، مسئلہ اسٹم سیل Cell کے حوالے سے تھا (وہ خام خلیہ، جس سے دوسرے خلیے تشکیل پاتے ہیں) جس میں ایک کرک رسیدہ انسان کے جینن سے خلیے نکال کر انہیں ایک ایسے شخص کے علاج میں استعمال کریں جس کے بدن سے توانائی نکل چکی ہو اور جو الزیمر (Algheimer) جیسے مرض میں مبتلا ہو (سابق صدر ریگن اس مرض میں گرفتار تھے اس سسٹم سیل ریسرچ کے سلسلے میں پارٹی کے اندر اختلاف رائے پایا جاتا تھا۔ اسقاط حمل کے کٹر مخالفین، (جن میں ریگن اور بش کے قبیل کے لوگ شامل ہیں) جنھوں نے مدتوں سے پارٹی کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے، مطالبہ کیا کہ جینن پر کسی طرح کی تحقیق نہ کی جائے، چاہے زندہ لوگ کتنے ہی عذاب میں کیوں نہ مبتلا ہوں۔

ہم تحقیق کو ممنوع قرار دینے کے قریب تھے اور لوگوں کو مختصراً یہ بتا رہے تھے کہ ایک مردہ جینن ایک جیتے جاگتے بچے کی طرح ہے۔ میرے قیاس کے مطابق وہ اس خیال سے خائف تھے کہ اس طرح تو عورتیں اپنے بیضے کو بارآور کرانے کے لیے جنین تلاش کریں گی، پھر اسقاط حمل کے ذریعے اپنے جنین ریسرچ کی خاطر فروخت کر دیا کریں گی۔ وہ

قدامت پسند احمق جو ہمارے ملک کا بندوبست چلاتے ہیں، اسی طرح دور کی کوڑی لاتے ہیں لیکن اب ان کے کل پرزے ڈھیلے ہو گئے ہیں اور بہت سے قدامت پرست ٹومی تھاپسن سے لے کر کونی میک تک خلیوں پر ریسرچ کی تائید کرنے لگے ہیں، انھوں نے یہ کہہ دیا ہے کہ اس ریسرچ کا مقصد کسی ''انسانی زندگی'' کو ختم کرنا نہیں۔ اچانک اخبارات میں اس مسئلہ پر خبریں آنے لگیں کہ قدامت پرستوں میں بغاوت ہوگئی ہے۔ منطقی استدلال کی جانب ایک سیلاب اُمڈ رہا تھا لیکن ''رائٹ ٹو لائف'' (جینے کا حق) نے اس کے آگے زبردست دیوار کھڑی کردی لیکن ہمیں اس سے کوئی صدمہ نہیں پہنچا، ہم میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوئی۔ برطانوی وزیراعظم کا اسقاط حمل کے خلاف جو مؤقف تھا، اسے تبدیل کرنے کی بجائے ہماری دلچسپی اس بات میں تھی کہ وہ کون سا ٹوتھ پیسٹ استعمال کرتا ہے لیکن پھر یہ ہوا کہ نینسی کا پیغام آ گیا اور اس نے جو بیوگی کے قریب آ گئی تھی، بش سے کہا کہ اپنا خیال بدلو اور اسٹم سیل ریسرچ کو منظور کرو، اس کی مدد کرو اور اسے رقم مہیا کرو، بش سے چھوکروں کے ذریعے اس نے کہلوایا کہ اس ریسرچ سے رونی (ریگن) اور آئندہ بہت سے ''رونیوں'' کو الزیز پارکنس لوگہرک (Longehrig) اور دیگر کئی ہولناک امراض سے بچایا جا سکے گا۔ نینسی پہلے ہی ادھر چند برسوں سے اسقاط حمل کے بارے میں اپنے خیالات تبدیل کر رہی تھی اور اب پہلی بار یہ کہنا شروع کر دیا کہ نہیں، ہرگز نہیں، جینن کو انسانی زندگی قرار نہیں دے سکتے۔ بس ایک ہی لمحے کی دیر تھی، کھیل کا پانسہ ہی پلٹ گیا، صدر دروازے سے پیغام جاری ہو چکا تھا۔ نامولود کا راستہ روکو، جینے والوں کو جینے دو۔

اب بے بی بش کے اصول بڑی تیزی سے بھاپ کی طرح اڑ رہے تھے۔ ایوان صدر وہائٹ ہاؤس سے یہ بیان جاری ہوا کہ اسٹم سیل ریسرچ جیسی ''کچھ'' سننے میں آئی ہے، تو اس میں کوئی خرابی نہیں۔ اس کے بعد بش ٹی وی پر نمودار ہوئے البتہ یہ نہیں کہا انسانی جینن ''ایک زندہ وجود'' نہیں ہے۔ مدتوں ہمارے منہ میں یہ بیان ٹھونسنے کے بعد کہ ''انسانی زندگی وضع حمل کے ساتھ ہی شروع ہو جاتی ہے'' اب وہی شخص جس نے عورت کے اسقاط حمل کے حق کو ٹھکرا دیا تھا، ہم سے یہ کہہ رہا ہے کہ ''نامولود بچے'' دراصل مردہ جینیاتی عضلات سے زیادہ کچھ نہیں، جن سے بیمار دولت مندوں کو مزید چند سال کی زندگی مل سکتی ہے۔

پھر تو ملک کے کونے کونے میں ری پبلکن پارٹی کے عہدیداروں نے اسٹم سیل ریسرچ کو مزید ترقی دینے کے پیغام میں اپنی آواز ملانی شروع کردی اور بیچ نے اس مہم کی قیادت کی اور کہنا شروع کیا کہ ''یہ انسانی زندگی کو ختم کردینے کا معاملہ نہیں، یہ تو انسانی زندگی کو آسان تر بنانے کا معاملہ ہے۔'' یہاں تک کہ اسٹرام نے اتفاق کیا، جو حمل گرانے کے حق میں اس حد تک تھا کہ اس کا کہنا تھا کہ جو حمل زنا اور قریبی افراد میں ناجائز تعلق کے باعث قرار دیا گیا ہو اس کو گرادینا چاہیئے۔ تھرمنڈ نے اتفاق کیا ''اسٹم سیل ریسرچ سے نہایت مؤثر انداز سے متعدد امراض جیسے شدید عصبی خرابی، الزمر، پارکنسن، امراض قلب، کئی طرح کے سرطان اور ذیابیطس کا علاج ممکن ہے اس نئی سائنسی تحقیق سے میرا حوصلہ بڑھ گیا ہے'' یہ اس بوڑھے نے کہا جس کی بیٹی، اسے محض اتفاق نہیں کہنا چاہئے لیکن بہرحال بچپن سے ذیابیطیس میں مبتلا ہے۔

دائیں بازو والوں کی صف سے اگر کوئی ڈھیٹ منافق نظر آئے تو اس سے زیادہ پرلطف کوئی چیز نہیں۔ یہ لوگ اپنی پوری زندگی دوسرے لوگوں کی زندگیوں کو اندوہناک بنانے میں صرف کر دیتے ہیں لیکن جونہی انہیں زندگی میں کوئی تکلیف درپیش ہوتی ہے، ان کا قول یہ ہوتا ہے ''عقیدہ گیا بھاڑ میں مجھے نتیجہ چاہئے'' سالہا سال تک وہ اپنی توانائی کالے لوگوں، عورتوں اور مردوں کے لیے حالات کو دشوار بنانے میں صرف کر دیتے ہیں، جو دوسرے لوگوں کی طرح صرف یہ چاہتے ہیں کہ ان کے ساتھ بھی عزت کا سلوک کیا جائے اور آگے بڑھنے دیا جائے، لیکن جونہی ان کے اپنے خاندان کا کوئی فرد پیچھے رہ جاتا ہے، تو پکار اٹھتے ہیں ''اے میرے برخوردار کے لیے راستہ چھوڑ، وہ ہمارا خاص آدمی ہے۔''

ریگن، بش، چینی اور ان کی قبیل کے ڈھیروں دوسرے لوگوں نے مدتوں تک سنگدلانہ طرز کی قانون سازی کی ہے، جس کا مقصد نادار لوگوں کو اذیت دینا اور انہیں قید میں ڈالنا جو صحت کے مسائل سے دوچار ہیں (عادی نشئی خور) یا امریکہ میں اندوہناک حالات سے بیزار ننگے پھرنے والے ''غیر قانونی'' لوگ لیکن جب یہی لوگ خود کو اندوہناک حالات میں مبتلا پاتے ہیں تو اچانک ان میں سینٹ فرانس جیسی انسان دوستی اور مدر ٹریسا جیسی خدا ترسی بیدار ہو جاتی ہے۔

دولت مند اور مقتدر لوگوں نے اپنی زندگی کا یہ مشن بنا رکھا ہے کہ ہماری ہوا کو تہس

نہس کریں گے، پانی میں زہر گھولیں گے۔ ہمیں ہر طرح سے لوٹیں گے اور پوری کوشش کریں گے کہ کسٹمر سروس کی کھڑکی پر ہمارے لئے کسی طرح کی مدد حاصل کرنا غیر ممکن ہو جائے، لیکن ان کی اپنی کارروائیوں کا اثر جب ان پر پلٹ کر آتا ہے، تو وہ ہیبت زدہ نہیں ہوتے، بلکہ خیرات مانگنے لگتے ہیں۔

ٹھیک ہے، میں تو کہوں گا، یہ اچھی بات ہے۔ امید ہے کہ انہیں وہ سب کچھ مل جائے، جو وہ چاہتے ہیں، اب اگرانہیں ہوش میں لانے کے لیے کوئی ذاتی سانحہ پیش آئے، تو آنے دو کیونکہ اپنے سات غسل خانوں والے مکانوں اور ہٹلے گاڑیوں سے بھرے ہوئے گیراجوں کے باوجود، وہ آخر ہمارے ہی جیسے ہیں، وہ بھی انسان ہیں اور جب ان کا ایک چہیتا بستر میں لیٹے لیٹے بالغ عمر والوں کے پوتڑے گندے کرتا ہو، بستر کی نئی خوش وضع چادروں پر پیشاب کرتا ہو اور اپاہج روحوں کی طرح بڑبڑاتا ہو اور جس کی دیکھ بھال کے لیے وفاقی بجٹ سے رقم وضع کی جاتی ہو، تو ایسے میں کیا امیر اور کیا غریب جن کے چہرے کے مہاسوں سے پیپ رستی ہو، سب ایک سے لگتے ہیں۔ برابری آخر آہی گئی، ایک قوم، بوڑھی اور معذور، انصاف سب کے لیے۔

تو اب رونالڈ ریگن کی بدقسمتی کی بدولت ہمیں کچھ وفاقی مالی امداد سے اسٹم سیل ریسرچ میسر آجائے گی۔ ممکن ہے اس سے ہمیں معلوم ہو جائے۔ اس بارے میں بس ایک منٹ غور کیجئے۔ چھوٹی سی ایک ذمہ دارانہ سائنسی ریسرچ میں مالی امداد حاصل کرنے کے لیے آج کیا کچھ کرنا پڑتا ہے۔ ہمارا پیارا سابق رہنما جس نے لاکھوں عورتوں کی زندگیاں تباہ کردیں، محض اپنے اس گمان میں کہ ماں کے رحم میں جینن زندہ بچے ہیں، اب خود کو اچار کی قاش کی طرح اپاہج پڑا ہوا دیکھ رہا ہے اور محض اس لئے کہ بہت سے قدامت پرست اسے پاک دینی پیشوا سمجھتے ہیں، بالآخر لاکھوں کی تعداد میں عام امریکی شہری بالآخر اپنے مصائب سے چھٹکارا پالیں گے۔

یہ منظر ہر جگہ رونما ہورہا ہے۔ متقدر اور بااثر لوگ، جب خود شکار بن جائیں، تو وہ اپنے سارے انداز بدل دیتے ہیں۔ نیویارک سٹی کا ری پبلکن میئر روڈلف گیولیانی کئی سال تک اس بات کی مخالفت کرتا رہا کہ جن بچوں کا بیمہ نہیں ہوتا، انہیں شہری انتظامیہ کی طرف سے طبی امداد کے لیے رقم نہ دی جائے۔ ایک دن اچانک اس نے پلٹا کھایا۔ اسے کینسر ہو گیا

تھا، گیولیانی، شکستہ اور مضمحل پریس کے سامنے آئے، اس نے اپنے وضاحتی بیان میں کہا ''جب مجھے کینسر ہو گیا، تو مجھے بہت سی باتوں کو بالکل ایک نئی روشنی میں رکھ کر دیکھنا پڑا۔''

بڑے صاحب ڈک چینی کی مثال۔ ہم جنس پرستی کے خلاف جو بھی تدابیر سفارش کی صورت میں وہائٹ ہاؤس سے آتی ہے، چینی اسے خاموشی سے دبا دیتے ہیں کیوں؟ اس لئے کہ خود ان کی بیٹی ہم جنس پرست ہے، اگر ڈک چینی کی بیٹی ہم جنس پرست نہ ہوتیں تو یہ شخص آج کہاں کھڑا ہوتا، شاید جنوب میں وومنگ میں کچھ فاصلے پر جہاں میتھیو شیپر ڈ کو باڑھ کی صلیب پر مرنے دیا گیا تھا، یہ ہم جنس پرست عورتیں اور مرد، اس وقت ایک بالکل نئی وضع اختیار کر لیتے ہیں جب انہی میں سے کوئی تمہارے اپنے اندر سے نکل کر سامنے آجائے جس دن اس کی بیٹی پردے سے نکل کر سامنے آگئی کم ازکم اس دن ڈک چینی کا انداز ایک مغروری پبلکن کا نہیں تھا اس دن تو اس نے ایک انسان اور ایک باپ کی طرح سنبھل کر باتیں کیں، جب سر پر بیماروں کے لیے مدد، تفریق کے شکار ہو جانے والوں کے لیے تحفظ اور کلفت زدہ لوگوں کے لیے بہتر زندگی کے حصول کی ایک ہی صورت ہے کہ بالکل دیوانوں کی طرح یہ دعا کی جائے کہ جو لوگ صاحب اقتدار ہیں ان کو بدترین قسم کے امراض لاحق ہوں، المیوں سے اور زندگی کے مسائل و حالات سے سابقہ پڑے، اس لئے کہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جونہی ان پر مار پڑے گی، ہم سب کے لیے تحفظ کا راستہ کھل جائے گا۔

اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے میں نے ایک دعا لکھی ہے تاکہ تمام ضرورت مندوں کی بحالی کا راستہ کھل جائے۔ میں نے خدا سے اپنی دعا میں کہا ہے کہ پریس اس رہنما اور کارپوریٹ (سرمایہ داری) کے کسی بڑے عہدیدار کو کوئی خوفناک بیماری لگا دے۔ مجھے معلوم ہے کہ خدا سے دوسروں کو نقصان پہنچانے کے لیے دعا مانگنا اچھی بات نہیں لیکن میں تو اس طرح سوچتا ہوں کہ خدا نہ صرف رحم کرنے والا اور عادل ہے بلکہ اس میں نہایت اعلیٰ درجے کی حس مزاح ہوگی۔ میرا خیال ہے، وہ یہی چاہے گہ کہ تھوڑا سا عرصہ ایسے لوگوں کو ضرر پہنچے جنھوں نے اس کرۂ ارض کے وسائل کا غلط طریقے سے استعمال کیا اور اس کے بچوں کو اذیت پہنچائی۔ چنانچہ میں نے لکھی: ایک دعا، آسودہ حال لوگوں کو امکانی حد تک زیادہ سے زیادہ اذیت میں مبتلا رکھنے کے لیے تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ خدا کو کبھی کبھار وہی اپنے پرانے طریقے سے سزا دے کر خوشی ہوتی ہے اور ان کے اس کام کے لیے ان

گورے احمق جیسے لوگوں سے بڑھ کر اور کون ہوگا، جنہوں نے ہمیں ان خراب حالات میں مبتلا رکھا ہے۔

براہ مہربانی ہر صبح بلکہ بہتر ہوگا نیویارک سٹی کے گھڑیال کا پہلا گھنٹہ بجنے سے پہلے، ہمارے ساتھ اس دعا میں شریک ہو جایا کیجئے، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ آپ کس مذہب سے ہیں یا کسی بھی مذہب سے نہیں۔ اس دعا میں کسی طرح کی تفریق نہیں ، یہ ہر جگہ آپ کے ساتھ ہوگی اور اس دعا کے ساتھ چندے کی پلیٹ بھی درکار نہیں۔

آدھی افریقی آبادی جلد ہی ایڈز سے مرنے والی ہوگی۔ ایک کروڑ بیس لاکھ بچے اس غذا سے محروم ہیں، جن کی انہیں ضرورت ہے۔ ٹیکساس میں اب تک بے گناہ شہریوں کو موت کی سزا دی جارہی ہے۔ وقت ضائع ہوتا جا رہا ہے، سر جھکائیے اور میرے ساتھ دعا میں اسی وقت سریک ہو جایئے۔

ایک دعا برائے اذیت آسودہ حالوں کے لیے

اوخدائے بزرگ وبرتر (گاڈ، یاہودہ، بدھ، باپ، کوئی نہیں)

ہم تجھ سے التجا کرتے ہیں، اے رحمٰن و رحیم! ان کا آسودہ حال کردے جو بوجوہ اذیت میں مبتلا ہیں، تیرے اورقدرت کے سبب سے عالمی بینک کی بدولت جس نے یہی مناسب سمجھا۔ ہم یہ محسوس کرتے ہیں اے عرش نشین باپ کہ تم سب بیماروں کو ایک دم شفا یاب نہیں کر سکتے، اس سے تو وہ ہسپتال ہی خالی ہو جائے گا جسے تمہارے نام پر نیک دل راہباؤں نے قائم کیا ہے اورہم تمہیں حاضر و ناظر مانتے ہیں کہ تم دنیا میں ساری برائیاں ختم نہیں کر سکتے ء کیونکہ اس کے بعد پھر تمہارے پاس کرنے کو کچھ نہیں رہ جائے گا۔

اس کے بجائے اے خدا، ہم تم سے درخواست کرتے ہیں کہ ایوان نمائندگان کے ہر رکن کو دماغ، عضو تناسل اور ہاتھ (اگرچہ یہی ترتیب لازمی نہیں) کے خوفناک لاعلاج کینسر میں مبتلا کردے۔ اے ہمارے محبت کرنے والے باپ، ہم درخواست کرتے ہیں کہ جنوب سے آنے والے ہر سینیٹر کو منشیات کا عادی بنا کر زندگی سے دور کردے، ہم آپ سے التجا کرتے ہیں ہر سینیٹر کی اولادوں کو ماؤنٹین ٹائم زون میں واقعی ہم جنس پرست بنا دے۔ مشرق کے سینیٹروں کی اولادوں کو وہیل چیئر پر بٹھا دے اور مغرب کے سینیٹروں کی اولادوں کو

پبلک سکول میں پہنچا دے۔ اے رحمٰن رحیم! ہم ہاتھ باندھ کر دعا کرتے ہیں کہ جس طرح تم نے لوٹ (Lots) کی بیویوں کو نمک کے ستون میں تبدیل کر دیا تھا، اسی طرح دولت مندوں کو، تمام دولت مندوں کو، ان کی ساری بچت رقوم سے، جائیداد اور املاک سے اور میوچل فنڈ سے محروم کر کے ایک دم قلاش اور بے گھر کر دے۔ انہیں اقتدار کے منصب سے ہٹا دے اور اس قابل کر دے کہ وادی سے چلتے ہوئے رفاہی دفتر کے اندھیرے میں نابود ہو جائیں۔ ان کو بے چارے ٹوٹے پھوٹے لوگوں کی زندگیوں میں بدل، جیسے بل کی وصولی سے بھاگنے والے۔ کوچ کی ۴۳ ویں قطار کے بیچ میں بیٹھ کر معصوم لوگوں کے گریہ وزاری کو سننے پر مامور کر اور جو لوگ دانت پیس رہے ہوں، ان کی حالت کو بھی محسوس کرنے دے، وہ جو تعداد میں دس کروڑ اسی لاکھ ہیں اور جن کو دانتوں کے علاج کی کوئی ضمانت نہیں۔

اے عرش نشیں باپ، ہم دیا مانگتے ہیں کہ سارے سفید فام رہنما (خاص طور پر باب جونز یونیورسٹی کے سابق طلباء) جن کا خیال ہے کہ سیاہ فام لوگ آج کل بہت مزے کر رہے ہیں، کل صبح سو کر اٹھیں تو ان کے بدن کی جلد اتنی سیاہ ہو، جیسے لمبی لیموزین گاڑی کی پالش تاکہ وہ بھی امریکہ میں رہتے ہوئے کالے ہونے کی بنا پر اس پھلوں کی لدی پھندی فصل سے بہرہ مند ہوں۔ ہم بعد انکسار درخواست کرتے ہیں کہ اپنے مقرر کردہ مقدس رومن کیتھولک چرچ کے بشپ صاحبان کے بدن میں بچہ دانیاں لگا دے اور کسی منصوبے کے بغیر ان کے بھی حمل ٹھہرتے رہیں اور انہیں وہ کتابچہ عنایت کر دے، جس میں نانغے کا طریقہ درج ہو۔

آخر میں، اے خدا، ہم یہ درخواست کرتے ہیں کہ جیک ویلچ کو جس نے ہڈسن کے پانی کو سموم کیا ہے، اسے تیر کر پار کرنے کی ہدایت کر دے اور ہالی وڈ کے سربراہوں کو مجبور کرے کہ وہ اپنی بنائی ہوئی فلمیں ایک بار، دوبارہ بلکہ بار بار دیکھیں۔ جیسی ہیلمس کو اس کی جنس کا کوئی مردہ ہونٹوں پر بوسہ دے، کریں میتھوس سے گویائی چھین لے، مل اور ریلے کی ہوا نکال دے اور جو لوگ میرے دفتر میں سگریٹ پینے والوں کے ذمہ دار ہیں انہیں راکھ کر دے اور اپنے غضب سے مسی سپی کی عظیم ریاست میں سینٹ کے اقلیتی رہنما کے مصنوعی بالوں میں ٹڈیوں کو گھونسلا بنا کر رہنے پر مامور کر دے۔

اے بادشاہوں کے بادشاہ، اگر آپ نے ہماری دعائیں سن لی ہیں اور انہیں قبول

کر لیا ہے تو آپ جو بلندیوں پر سرفراز ہیں اور ہمیں بخوبی دیکھ رہے ہیں تو آپ جان رہے ہوں گے ہم سب کس قدر بگڑ چکے ہیں، ہمیں اپنے مصائب اوراذیتوں سے کچھ عافیت دیجئے۔ ہمیں معلوم ہے کہ آپ جنہیں عذاب میں مبتلا کریں گے، وہ اپنی بدنصیبیوں سے نجات پانے کی کوشش نہایت تیزی سے کریں گے، اس کے نتیجے میں ہماری بھی نجات ہوگی۔

اختتامیہ: تلاہیسی

میں جارج ڈبلیو بش کی ''صدارت'' کا ذمہ دار ہوں...... میں میکائیل مور، میں ایسا ہونے سے روک سکتا تھا، میں نے بہت سے لوگوں کو ناراض کر دیا اوراب ملک گندگی میں پھنسا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں روپوش ہو گیا ہوں، میں یہ اختتامیہ شمالی مشیگن کے جنگلات سے کسی ایسے مقام سے جو ۴۵ ویں خط استوا کے متوازی واقع ہے، اپنی زمین دوز پناہ گاہ میں بیٹھا لکھ رہا ہوں۔ مقامی لوگ یہ بتاتے ہیں کہ میں خط استوا اور قطب شمالی کے عین درمیان میں بیٹھا ہوں لیکن مجھے محسوس ہوتا ہے کہ لاکھوں میل دور، معلوم نہیں کہاں سے دور ہوں۔

میں نے اب یہ سوچنا چھوڑ دیا ہے کہ میں اب ملک کو یا کرۂ ارض کو کس طرح بچا سکتا ہوں۔ اب تو میرا مسئلہ یہ ہے کہ اپنی کھال بچا سکتا ہوں۔ اس سارے قصے کی ابتداء تلاہیسی (Tallahasee) فلوریڈا سے ہوئی، جی ہاں تلاہیسی سے۔ ۲۰۰۰ء کے انتخابات کے بعد میڈیا (ذرائع ابلاغ) نے جو ۳۶ روزہ سرکس چلا رکھا تھا، ریاست کے دارالحکومت فلوریڈا میں، میری موجودگی کا اس سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ وہ سلوموشن (آہستگی سے حرکت کرنے والا) فلم کا چھوٹا سا ٹکڑا جیسے سڑک پر حادثے میں زخمی ہونے والا جانوران لوگوں کی دلچسپی کا باعث تھا جو ایک پل کے لیے مونیکا کو دیکھنے کے لیے بے تاب تھے۔ نیوٹ گنگرچ کی شادی کی طرح، قوم کی انتہائی کثافت کو منکشف ہوتے ہوئے دیکھنا......تو میں تلاہیسی اس لئے نہیں آیا تھا اور نہ ان ۳۷ دنوں کے لیے۔

میں الیکشن سے پندرہ روز پہلے تلاہیسی پہنچ گیا تھا۔ طلوع آفتاب سے پہلے فلوریڈا

کے گورنر جیب بش سے میری ملاقات تھی، جس پر میں بھروسہ نہیں کرتا تھا۔ تلاہیسی شہر کے جنوب میں ، ایک اندھیری گلی کے اندر ا سکے اور میرے درمیان اس کے باڈی گارڈ کہیں چھپے بیٹھے تھے کہ ایک پل کے اشارے پر مجھے صبح کے ناشتے کی طرح چٹ کر جائیں۔ میں فلوریڈا اس بارے میں کوشش کرنے گیا تھا کہ اس کے بھائی کو الیکشن جیتنے سے باز رکھوں اور افق پر جو تباہی نظر آ رہی تھی۔ دشمن کو شکست دینے کے لیے اسے روک دوں۔ تلاہیسی میں بیس سیکنڈ ناکامی اس مشن کا مقدر تھی۔

اپنی حرکتوں کے نتیجے میں، مجھے نہیں معلوم کس سے زیادہ ڈرنا چاہئے، اس سے جو کارپوریشن کی مشنری کو چالو رکھنے کے لیے اس میں تیل ڈالتا ہے، یعنی ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے اوول آفس سے کارروائی کرتا ہے یا ان مخبوط الحواس لبرلز (رواداروں لوگوں) سے ڈرنا چاہئے جو اپنے اس خیال کے تحت کہ نادر کی مہم کے پیچھے میں ہوں، میرا سر قلم کرنے کے درپے ہیں۔ جی ہاں، میں، میں اور صرف میں۔

ٹھیک ہے، یہ درست ہے کہ وہ میں ہی تھا، سب میری ہی غلطی تھی، جو میں سوچ رہا تھا۔ کیا میں واقعی سوسان سارنگ سے ملاقات کا اس شدت سے خواہشمند تھا۔ اوہ خدایا! مجھے معاف کر دے، میں نے اس ملک کو تباہ کر دیا۔ یہ مشابہت پسندوں اور محاسبوں کی نفسیاتی بیمار قوم جسے صرف یہ استحقاق چاہئے کہ پھلدار درختوں کے صحرا سے اپنی پر شکوہ گاڑیاں چلاتے ہوئے گزریں اور جن کی ایک ہی خواہش یہ ہوتی ہے کہ انہیں کوئی شخص ''جزوی طور پر روشن'' اور ''جزوی طور پر ابر آلود'' کا فرق بتاتا رہے اور ریڈیو ٹیلیفون کا ایسا نظام ان کی دسترس میں ہو، جس کے اندر طویل وقفے کی گنجائش ہوتا کہ جب ان کے ننھے صاحبزادوں میں سے کوئی سکول میں شوٹنگ (گولی چل جانے) کی خبر دے اور ممی یا ڈیڈی کی ضرورت محسوس ہو کہ وہ فوراً سی این این کو فون کریں اور کیفیٹیریا میں خون خرابہ ہوا ہے، اس کی فلم کے حق کے لیے مذاکرات کریں تو یہ پیغام سن سکیں۔

تاہم میرا خیال ہے کہ ہالی برٹن اور این رون کے ٹھگوں سے (جنہیں اب وائس پریذیڈنٹ کا سپیشل اسسٹنٹ کہا جا رہا ہے) میں پنٹ لوں گا۔ انہیں گرفت میں لے لوں گا۔ قرنطینہ میں ڈال دوں گا اور انہیں اپنے مصائب سے جلد نجات دلا دوں گا لیکن خواہ کتنی ہی معذرت کی جائے گورسٹاپو کی تسلی نہیں ہو سکے گی، جو بجا طور پر پریشان ہے کہ ان کے آدمی

کو اس منصب سے دور رکھا گیا ہے، جسے اس نے جیت لیا تھا۔ وہ غصے سے کھول رہے ہیں۔ میں آپ کو بتا دوں کہ روادار لوگوں کو ہم نے کبھی اس طرح مشتعل ہوتے نہیں دیکھا تھا کیونکہ بہر طور یہ بھی نہیں کہ وہ کرسچین رائٹ (Christian Right) ہوں، جو ہمیشہ اپنے لئے راستہ نکال لیتے ہیں کیونکہ خدا ان کے ساتھ ہوتا ہے اور دیوانگی بھی۔

یہ سارے لبرلز (روادار) ایک بات پر متفق ہیں۔ رالف نادر کو ملزم گردانتے ہیں اور مجھے بھی ملزم گردانتے ہیں لیکن مجھے کیوں؟ انہیں پوری کہانی کا علم نہیں۔ رالف نادر نے ۱۹۸۸ء میں مجھے برطرف کر دیا، ٹھوکر مار کر گلی میں نکال دیا، قلاش بنا دیا اور اب زندہ رہنے کے لیے اور جن لوگوں سے مجھے محبت ہے، ان کے تحفظ کے لیے اور اپنی اس کتاب کی خاطر آپ میں سے ان خوش نصیب لوگوں کے لیے، جو اسے قومی ریسلنگ (پہلوانی) کے ہیروز کے بارے میں مطبوعات کے درمیان پائیں گے، میں نے پسپائی اختیار کرتے ہوئے گھنے جنگلوں کی راہ لی، ساتھ میرا لیپ ٹاپ (کمپیوٹر) ہے اور کمپاس (قطب نما) ہے اور قدرت کے حسب منشا زمین سے ہم رشتہ نہیں ہوں اور آخری لحات میں بھی جو خیال ذہن میں آتا ہے، اسے فوراً رقم کر لیتا ہوں کہ ممکن ہے اس سے کوئی سبق حاصل کیا جا سکے۔

گزشتہ ہفتے جب میں ڈیٹرائٹ میں طیارہ بدل رہا تھا، ایک شخص، باچھیں کھلی ہوئیں، میرے پاس آتا ہے، اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے اور ان الفاظ کے ساتھ مجھے تہنیت پیش کرتا ہے،''ہر ایک کہتا ہے کہ تم ایک احمق آدمی ہو، اس لئے میں نے چاہا کہ تم سے مل لوں'' یہ کہا مڑا اور بھاگ لیا، میرا جواب چھوڑ گیا،''ہر ایک درست کہتا ہے۔''

مشیگن کی پوری ریاست ایسے ہی لوگوں سے بھری پڑی ہے، ایماندار اور نرم خواس خط کی طرح جو مجھے آج ملا، ان بہت سے خطوط کی طرح، جو ادھر کچھ عرصے سے وصول کرتا رہا ہوں۔ لکھا ہے''ڈیئر جرک، میرا خیال ہے، تم نے جو کچھ کیا، اس سے مطمئن ہو۔ تم اور وہ سر پھرا دیوانہ رالف نادر، ہماری بے خبری میں ہمارے پینے کا پانی تیزاب حل کرتے رہو گے، ایک مہربانی کرو، مرو۔''

میں انہیں جوابی خط میں بتا سکتا تھا کہ رالف نادر نے اس کے سوا اور کچھ نہیں کیا اس نے تقریباً اسی لاکھ نئے ووٹروں میں یہ ولولہ پیدا کیا کہ ووٹ دینے کے لیے آئیں کیونکہ وہی تنہا امیدوار تھا جو سچ بیان کر سکتا تھا کہ اس ملک میں ہو کیا رہا ہے۔ ۱۹۹۰ء کے

عشرے میں ، پچاس لاکھ امریکی شہریوں کے لیے جن کے لیے صحت کا بیمہ نہیں ان کے مصائب کے ازالے کے لیے بالکل کچھ نہیں کیا گیا۔ اجرت کی کم سے کم شرح غلامی کی شرح کی طرح ۱۵ء۵ ڈالر اب تک ہے۔

میں انہیں یہ بتاتا کہ رالف نادر چونکہ ووٹ دینے کے لیے واشنگٹن کی ریاست میں تھا لہٰذا ۱۰۱۹۰۶ شہریوں میں سے ان بیشتر لوگوں نے جنہوں نے نادر کو ووٹ دیئے، انہوں نے امریکی سینٹ میں ڈیموکریٹ کے لیے بھی ووٹ دیئے۔ نادر کے انہی ووٹوں کی بدولت ماریا کینٹ ول ۲۲۲۹ ووٹوں کے ساتھ واشنگٹن کی نئی سینیٹر منتخب ہوئیں۔ اگر تم نادر کو اس بات کا الزام دیتے ہو کہ اس نے فلوریڈا میں گور کے ووٹ لے لئے تو تمہیں نادر کی اس خوبی کا بھی اقرار کرنا چاہیے کہ وہ ہزاروں نئے ووٹروں کو انتخابات میں لے کر آیا، جن سے کینٹ ول کے لیے خاصا فرق پڑا اور اس طرح سینٹ میں ڈیموکریٹس نے برابر کا مقابلہ کیا پھر جب ایک بار برابر کا مقابلہ ہوا تو دومنٹ میں ایک سینیٹر نے اچانک یہ اندازہ کیا کہ وہ خاصا طاقتور ہو چکا ہے چنانچہ اس نے یہ طاقت اس طرح استعمال کی کہ ری پبلکن پارٹی چھوڑ دی اور سینٹ کو ڈیموکریٹس کے تصرف میں دے دیا۔ نادر کے بغیر یہ سب کچھ نہ ہوتا۔

میں اپنے مراسلہ نگار کو یاد دلاتا کہ گور کے بجا طور پر جیتے ہوئے انتخابات کو ہاتھ سے نکال دینے کے ذمہ دار سپریم کورٹ کے پانچ جج ہیں، جنہوں نے تمام ووٹوں کو شمار ہونے ہی نہیں دیا اور میں یہ بھی بتا سکتا تھا کہ گور اس وقت ہرگز مصیبت میں مبتلا نہیں ہوتا، اگر اس نے خود اپنی ریاست میں کامیابی حاصل کی ہوتی یا کلنٹن کی آبائی ریاست میں کامیابی حاصل کی ہوتی یا قطعی فیصلہ کن انداز سے تین میں سے کم از کم ایک مباحثہ جیت لیا ہوتا۔ گور نے ان میں سے کوئی بھی بات نہیں کی اور اسی وجہ سے وہ مشکلات میں مبتلا ہوا اور اگر گور قابل تعریف ہے کہ اس نے رالف نادر کو الزام نہیں دیا۔ کلنٹن کی پینٹ لگی ہوئی زپ کو ہی مشکلات کا سبب گردانا۔ میں جواب دے سکتا تھا اور اپنے مراسلہ نگار دوست کو یہ ساری باتیں بتا سکتا تھا لیکن میں ایسا نہیں کروں گا۔ اس کے بجائے میں اسے (آپ کو بھی) وہ قصہ بتانا چاہوں گا، جو میں نے چند قریبی دوستوں کو ہی بتایا ہے، یہ چودہ گھنٹوں کی وہ سرگذشت ہے، جو میں نے جیل میں گزارے، وہ جگہ جسے تلاہیسی کہتے ہیں۔

میں فلوریڈا جانے سے بچتا ہوں، یہاں کا موسم اتنا مرطوب اور چپچپا ہے کہ اپنے

آپ کوخشک رکھنے کے لیے ہمہ وقت ٹشو پیپر کا رول رکھنا پڑتا ہے۔ پوری ریاست میں پسو اور مچھر بہت ہیں، اتنے کہ کیوبا کے لڑکوں کو اٹھالے جائیں اور پھر ان کے باپوں کو واپس نہ کریں یہ تو یومیہ شکار کا موسم ہوگیا۔ ان جرمن سیاحوں کے لیے جو کرائے کی گاڑیوں پر نکل کھڑے ہوتے ہیں پھر والٹ ڈزنی ورلڈ ہے اور گلوریا ایسٹافین ہے۔ ویسٹ پام کے ساحل پر دوڑتے بھاگتے کینیڈا گھرانے کے لڑکے، تازہ تازہ بدلے ہوئے انڈر ویئر میں، اور پھر سمندر کی طوفانی ہواؤں کی بات ہی کیا...... بیب روبوزو، ٹڈ نیڈی، انیتا برائنٹ ، نشیبی کیچڑ بھری زمین، گھٹیا بندوقیں اور (اخبار) دی نیشنل انکوائرر، مجھے فلوریڈا سے نفرت ہے۔ اس کے باوجود اندر سے کوئی بات مجھے مجبور کر رہی تھی کہ میں وہاں ضرور جاؤں، کیونکہ نومبر کے انتخابات قریب تھے، ہوسکتا ہے میں نے اس وقت کچھ کھالیا ہو یا کچھ نہ کھایا ہو۔

مجھ سے کہا گیا کہ فلوریڈا اسٹیٹ یونیورسٹی میں طلبہ کی تنظیم سے خطاب کروں ۔ پہلے تو میں نے کہا ہاں، لیکن بعد میں اسے منسوخ کردیا کیونکہ میری فلم کی شوٹنگ ہونے والی تھی۔

پھر یہ ہوا کہ لاگور، جارج ڈبلیو بش کے ساتھ مباحثہ کے تیسرے اور آخری مقابلے میں جیتنے سے رہ گیا، اب میں جو نتیجہ اخذ کیا ہے، وہ یہ کہ مذاکرے میں تیز طرار شخص جیت جاتا ہے، کم گو ہار جاتا ہے۔ یہ تو بالکل سامنے کی بات ہے لیکن اس بار ایسا نہیں ہوا، مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ صاف پتہ لگتا تھا کہ الگور وہ سب کچھ کر رہا تھا، جس سے وہ انتخاب ہار جائے۔

میں نے فلوریڈا میں تلاہیسی کے مقام پر لوگوں سے رابطہ پیدا کیا، محض یہ دیکھنے کے لیے کہ میں کیا اس وقت بھی لوگوں کے لیے پسندیدہ تھا اور وہ مجھے اپنے درمیان پاکر خوش تھے۔ چنانچہ آئندہ ہفتے یعنی انتخابات سے صرف دو ہفتے قبل طلبہ سے خطاب کے لیے ایک تاریخ مقرر کی گئی۔ طے پایا کہ میں ریاستی ذرائع ابلاغ کے لیے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کروں گا اور اس موقع پر ایک اعلان کروں گا۔

رالف نادر کے بارے میں کہنے کے لیے میرے پاس کچھ باتیں تھیں۔ رالف کے ساتھ میرے تعلق کی نوعیت پیچیدہ ہے۔ سن ۸۰ء کے آخری برسوں میں مجھے اس کے دفتر میں کام کرنے کا اتفاق ہوا، اس نے مجھے ایک جاب اس وقت دی جب میں بیروزگار تھا اور

میں نے عہد کر لیا تھا کہ اس کی اس فیاضی کو کبھی فراموش نہیں کروں گا۔ اینڈریو کارنیگی کی تعمیر کردہ عمارت کی دوسری منزل میں میرا چھوٹا سا کمرہ، رالف کے دفتر کے پہلو میں تھا، جہاں سے میں ایک خبرنامہ ذرائع ابلاغ کے بارے میں ''میڈیا واچ'' کے طور پر شائع کرتا تھا۔ ہم نے انکسار برتتے ہوئے اس کا نام ''مورز ویکلی'' رکھا۔ میں نے فلم بندی بھی شروع کر دی، جو بعد میں راجر اینڈ می کے نام سے موسوم ہوئی۔

سب کچھ بالکل ٹھیک چل رہا تھا، یہاں تک کہ میں نے ایک پبلشر سے جنرل موٹرز کے بارے میں کتاب لکھنے کا معاہدہ کر لیا، جب رالف کو میری اس خوش قسمتی کی خبر ملی تو اس نے اپنا پچاس ڈالر والا سگار ڈبے سے باہر نہیں نکالا۔ اس نے مجھ سے پوچھا، تم جنرل موٹرز کے بارے میں کتاب لکھنے کے اہل کس طرح ہوگے؟ اس نے مجھ سے یہ بھی پوچھا کہ مجھے یہ فلم بنانے کا حق کیسے مل گیا اور یہ کہ میں واشنگٹن کی بجائے، فلمی مرکز پر زیادہ وقت گزارتا ہوں اور یہ خبر نامہ زیادہ پابندی کے ساتھ کیوں شائع نہیں ہوتا؟ آخر میں اس نے مجھے گھور کر دیکھا اور تاسف سے سر ہلا کر رہ گیا۔ پھر یوں ٹھیک ہے، تم مائیک کو فلنٹ (Flint) سے نکال کر لے جا سکتے ہو لیکن فلنٹ کو مائیک سے نکال کر نہیں لے جا سکتے، اس کے لہجے میں تضحیک تھی اس نے کہا، سامان سمیٹو اور یہاں سے چلتے بنو۔

میں بہت بری طرح ٹوٹ پھوٹ گیا۔ میں نے ایک جگہ ڈھونڈ لی، جہاں میں اپنی فلم کی ایڈیٹنگ کر سکوں اور وہاں چلا گیا، جب فلم بن گئی تو تعاون کے جذبے سے اور کسی کشیدگی کے بغیر میں نے رالف کو یہ پیشکش کی کہ واشنگٹن میں اس فلم کی پہلی بار نمائش سے جو آمدنی ہوگی، وہ تمہارے منصوبوں پر لگاؤں گا۔ اس نے میری پیشکش کو رد کر دیا۔ اس کے بجائے خود اس نے اور اس کے دوستوں نے نیویارک ٹائمز میں مجھ پر خوب لعن طعن کی۔ میں ایک بار پھر پس کے رہ گیا۔ دوبارہ گھائل ہونے کے بعد مجھے ان کا پیغام مل گیا۔ آئندہ آٹھ سال تک میں نے اس سے بول چال بند رکھی۔

۱۹۹۰ء کے اواخر میں مجھے احساس ہوا کہ ایک بار اسے فون کرنا چاہئے۔ (میں نے اپنی زندگی میں بہت زیادہ ٹھوکریں نہیں کھائی تھیں) میں نے رالف اور اس کے عملے کو اپنی تازہ ترین ''فلم دی بگ ون'' کے افتتاحی شو پر مدعو کر لیا۔ انہوں نے دعوت قبول کر لی۔ میں تھیٹر کے عقب میں کھڑا رالف کو دیکھتا رہا، جو خاصا خوش تھا اور کھل کر قہقہے لگا رہا تھا۔

اس کے بعد میں نے اسے کھڑا کیا اوراس کے سامنے دوبار سر جھکایا، جس پر پر جوش قہقہہ لگا یا گیا اورخوب تالیاں بجیں، رخصت کرتے وقت میں اس سے گلے ملا۔ رالف اندر سے سخت آدمی نہیں ہے اوروہ میں بھی نہیں ہوں۔ میرا خیال ہے وہ ایک فلم تھی، جس نے اس کواندر سے نرم کر دیا تھا۔

دو سال بعد، میں مشیگن میں اپنے مکان کے برآمدے میں بیٹھا کسی کام میں مصروف تھا، جب رالف نے مجھ سے رابطہ کیا کہ میں امریکہ کے صدارتی امیدوار کی حیثیت سے اس کے نام کی تصدیق کروں۔ میں نے کہا میں سیاستدانوں کے نام کی تصدیق نہیں کرتا اور اس کی تصدیق خودتم بھی نہیں کرتے کیونکہ وہ سب کے سب تیز طرار اورچرب زبان ہوتے ہیں۔ وہ دوفقرے بھی جھوٹ کے بغیرنہیں بول سکتے۔ رالف میں اسی طرح کی کوئی خرابی نہیں، بس یہ ہے کہ ایک جھکی جینئس ہے۔ دوسرے میں ایک صدارتی شے ۱۹۹۶ء میں اس نے انتخابات میں اپنے نام کا اندراج تو کرالیا لیکن کوئی انتخابی مہم نہیں چلائی۔ اس بات سے اس کے معاونوں کو بہت مایوسی ہوئی تھی۔ کیا اس مرتبہ وہ سنجیدہ تھا؟ ''جی ہاں'' اس نے کہا اب کے بالکل ''صحیح معاملہ'' ہے، اب کے وہ خاصی بڑی رقم اکٹھا کرنے جا رہا تھا اور پابند تھا کہ ملک کی پچاس ریاستوں کا دورہ کرے۔ اسے کل وقتی عملے کی بھی ضرورت ہوگی۔ خوش نصیب ہوں گے وہ سب۔

میں چاہتا تھا کہ ٹیلیفون سے پیچھا چھڑاؤں اوراپنے فضول کاموں میں لگ جاؤں۔ اس طرح کے کاموں میں جو ہونا ہوتا ہے، میں اس میں شامل ہونا نہیں چاہتا تھا لیکن میرے انتخاب کے لیے کیا رہ گیا تھا؟ یہ ظاہر کرنا گویا ملک برے حال میں ہے اوراپنی قسمت ملک کی کسی ایک بڑی پارٹی کے امیدوار کے حوالے کر دینا، جنہیں وہی بڑے بڑے لوگ چندہ دیتے ہیں جس کے خلاف میں لڑائی لڑتا ہوں اورفلمیں بناتا ہوں۔ کیوں نہ مشیگن میں بیٹھا رہتا اورگلہریوں کو چارہ دیتا۔ لیکن میں رالف کو مایوس کرنا نہیں چاہتا تھا، اس نے بہت عرصہ پہلے مجھے بھی مایوس نہیں کیا تھا اوراس نے ملک کو بھی مایوس نہیں کیا تھا۔ اگر انتخابات کے دوران میں بھی اس کی آواز بلند نہیں ہوئی، تو ان میں سے کوئی بھی مسئلہ جن سے ہمیں گہراتعلق ہے، کبھی سنائی نہیں دے گا اس پر بحث تو دور کی بات رہی۔

اس سے پہلے کہ میں ''ہاں'' کہتا میں نے یہ طے کیا کہ الگور کو ایک نجی خط لکھوں

اور وضاحت کرنے کا ایک موقع دوں اور اس سے پوچھوں کہ کلنٹن/الگور ماضی کے پیش نظر میں اسے ووٹ دینے کے بارے میں آخر سوچوں بھی کیوں؟ جواب میں اس نے مجھے چار صفحے کا ایک خط لکھا...... ایسا خط کہ اس کے پہلے اور آخری فقروں کی نوعیت ذاتی تھی، باقی سب کچھ کمپیوٹر کا مواد تھا۔ اس نے میرے ''اشتعال انگیز خط'' پر میرا شکریہ ادا کیا تھا اور پھر اپنے موقف کی بہ تکرار اور وضاحت کی جس کا مجھے پہلے سے علم تھا اگر چہ میں نے کھلے ذہن سے بات کی تھی لیکن اس کی اس بات نے مجھے مطمئن نہیں کیا کہ اگر وہ اوول آفس میں پہنچ گیا تو کوئی تبدیلی رونما ہوگی۔ میں نے رالف کو فون کیا اور کہا کہ اب میں تمہارے ساتھ ہوں، جب تک مجھے خاکستری رنگ کا سوٹ پہننے، گاڑھے مسالے والا ہمس (Hummus) کھانے یا وہیل کی آنتیں صاف کرنے کے لیے نہیں کہا جاتا۔

رالف کی انتخابی مہم میں مولی آئونز (Molly Ivans) کا ایک کالم تقسیم کیا گیا، جس میں ان لوگوں کے لیے ایک مشورہ تھا جو نادر کو ووٹ دینا چاہیں گے لیکن جارج ڈبلیو بش کو وہائٹ ہاؤس میں دیکھنا نہیں پسند کریں گے اگر وہ ایک ایسی ریاست میں رہتے ہوں، جہاں یہ امکان ہو کہ یا تو الگور کامیاب ہوگا یا بش تو وہ اپنا ووٹ آئندہ صدارت کے لیے نادر کو دیں گے لیکن اگر وہ کسی ایسی ریاست میں رہتے ہوں، جہاں مقابلہ برابر کا ہو تو وہ بش کا راستہ روکنے کے لیے گور کو ووٹ دیں میں عام طور پر سی کو ووٹ دیتا ہوں، جسے بہترین سمجھتا ہوں، یہ وہی سبق ہے جو میں نے ساتویں کلاس میں پڑھا تھا، لیکن مجھے کیا معلوم؟

نجی طور پر میں سمجھتا ہوں کہ نادر کے دھڑے کے لوگ اسی طرح سوچتے تھے، جس طرح میں سوچ رہا تھا، یہی کہ ایک بار الگور کو موقع مل جائے تو مباحثے میں وہ بش کو صاف کر دے گا اور الیکشن ختم ہوجائے گا چنانچہ ہم نے طے کیا کہ ہم نادر کے لیے لاکھوں ووٹ حاصل کریں گے اور آئندہ صدر الگور کو مطلع کر دیا جائے کہ فوج پر مزید خرچ کرنے اور ملازمتوں کو نظر انداز کرنے کی پالیسی آئندہ نہیں چلے گی۔

جی ہاں، ہم سب واقعی جینئس تھے۔

پھر یہ ہوا کہ ڈبیٹ یا مباحثے شروع ہو گئے۔ رالف کو ان سے الگ رکھا گیا، اس کے بعد ۳۹۰ منٹ کا مقابلہ رہ گیا، جن میں الگور اور بش نے ایک دوسرے سے زیادہ اتفاق

کیا اور اختلاف کم کیا۔ دوسرے مباحثہ میں انہوں نے ۳۷ مختلف مسائل پر ایک دوسرے سے اتفاق کیا۔ یہ سب کچھ انتہائی حیران کن تھا۔

الگور نے اس موقع کو ضائع کر دیا، وہ بش کی لاعلمی اور حماقت کا پردہ چاک کرنے میں ناکام رہا۔ وہ خود کو دوسروں سے مختلف ثابت نہ کر سکا تاکہ قوم کو یہ دکھا دیتا کہ اس کے اور دوسرے فریق کے درمیان فرق ہے۔ اس کے پاس بش کے بچے کو، ایک جعلی آدمی کو تہس نہس کر دینے کے تین مواقع تھے اور وہ ان سے فائدہ نہ اٹھا سکا، ملک کے لیے یہ اس امر کی طرف اشارہ تھا کہ جو کمتر ہیں، جب وہ ان کے آگے گھٹنے ٹیک دیتا ہے تو اس وقت کیا ہوگا، جب کمرے میں روسی اس کے مقابل ہوں یا کینیڈا والے ہوں۔

ان مکانات کے بارے میں مجھے سوچ کر شدید صدمہ ہوا۔ کچھ یوں نظر آرہا تھا کہ الگور ہار جائے گا، وہ خود اپنی ریاست میں شکست سے قریب تھا۔ وہ کلنٹن کی آبائی ریاست نہیں ہار رہا تھا۔ وہ انتخابات سے پانچ دن پہلے تک مغربی ورجینیا کے رابرٹ بائرڈ کو جو سینیٹ کے ڈیموکریٹک ڈین تھے، اپنے کاغذات کی توثیق پر آمادہ نہ کر سکا (اس طرح مغربی ورجینیا کو جو روایتی طور پر ڈیموکریٹس کا گڑھ تھا، بش پر قربان کر دیا) ان میں سے کوئی بھی ریاست الگور کو انتخابی کامیابی کے لیے اور ایوان صدر میں پہنچانے کے لیے مطلوبہ تعداد میں ووٹ دے سکتی تھی۔

الگور ٹوٹ کر بکھر رہا تھا اور نادر کی ووٹر ہر جگہ ایک ڈوبتے ہوئے جہاز سے نکل نکل کر بھاگ رہے تھے۔ (اچھے چوہے تھے گدگدے اور پیارے پیارے) رالف نے دیکھا کہ اس کے ووٹر آدھے رہ گئے ہیں۔ اسے یوں لگا جیسے اسے وہ پانچ فیصد ووٹ بھی نہیں ملیں گے جو آئندہ انتخابات میں وفاق سے انتخابی امیدواری کے لیے ضروری تھے۔

نادر کے مرکزی ادارے میں حالات بگڑ چکے تھے۔ آئرن کے منصوبے سے دست کش ہو جانے کا فیصلہ کیا گیا اور طے پایا کہ ان ریاستوں کا ایک بار پھر دورہ کیا جائے، جہاں الگور چند فیصد ووٹوں سے جیت یا ہار سکتا تھا اور وہاں رالف کی موجودگی سے بڑا فرق پڑ سکتا تھا (ان میں سے چند ریاستوں میں نادر کے ووٹوں کی تعداد ۱۲ فیصد تک پہنچ گئی تھی) یہ ایک جرأت مندانہ حکمت عملی تھی، منہ در منہ مقابلے کی تدبیر جس میں ڈیموکریٹس کے لیے یہ پیغام تھا ''تم اپنا مرکز چھوڑ کر بھاگ گئے اب تم ڈیموکریٹ نہیں رہے۔ یہی وقت تھا کہ

تمھیں ایک سبق سکھا دیا جاتا۔اس سے بہتر کوئی بات نہ ہوگی کہ ہیڈ ماسٹر نادر تمھارے چوتڑوں پر بید لگائے۔

دیکھئے یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ سیاستدان ایک ہی بات سے ڈرتا ہے کہ اسے اپنے حواریوں کے ساتھ اس کے صاف ستھرے آرام دہ دفتر سے جہاں صرف خرچ کا حساب ہوتا ہے ،نکال باہر کیا جائے (یہ تو ہے ہی اس کے بعد اصل جاب کے حصول کا امکان رہتا ہے) اگر تم وہ سب کچھ ان کے سر پر لے کر کھڑے نہیں ہو گے، وہ کبھی شائستگی نہیں برتیں گے،کبھی ہماری بات نہیں سنیں گے،کبھی ہم بستر سے نہیں نکلیں گے اور نہ کام پر آئیں گے۔ رالف نادر ملک کی واحد امید تھا اور الگور کو صحیح کام کرنے پر مجبور کرتا رہے ہر شخص جانتا تھا کہ ہماری یہ ذہنی کاوش، ان غیر متوازن ریاستوں میں گور کے لیے ناکامی کا پیش خیمہ بن جائے گی اور بش جیب جائے گا لیکن جب دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ جس انتظامیہ کو تم نے ووٹ دے کر کامیاب بنایا، وہ روایتی ڈیموکریٹس سے زیادہ ری پبلکن ارکان کے ساتھ چلے گئے ۔ ڈیموکریٹس غریبوں کی زندگی کو دشوار تر بنا دیتے ہیں، دولت مندوں کے لیے وہ تاریخ کی بدترین غارت گری کی راہ ہموار کریں گے۔کلنٹن اورالگور کے آٹھ سالہ دور میں میرے اپنے آبائی شہر میں جتنے لوگ جنرل موٹرز کی ملازمت سے برطرف اور بیروزگار ہوئے ہیں، اتنے تو ریگن اور بش کی بارہ سالہ حکومت میں نہیں ہوئے تھے، بہر حال انتخاب آپ کو کرنا ہے۔ کیا تم یہ چاہو گے کہ کوئی ایسا شخص تمھیں بے آبرو کرے جو یہ کہتا ہو کہ میں ابھی تمھارے کپڑے اتارتا ہوں، یا اس آدمی سے بے آبرو ہونا گوارا کرو گے جو تم سے جھوٹ بولتا ہو،لیکن بعد میں کرے گا وہی ......مجھے اس بدزبانی کا افسوس ہے لیکن میرے نزدیک یہ اس بات کی وضاحت کا سب سے سہل طریقہ ہے کہ میں اور لاکھوں دوسرے امریکی انتخابات کو کس نظر سے دیکھ رہے تھے۔

میں جانتا ہوں کہ بہت سے اچھے لوگوں کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ڈیموکریٹ کو ووٹ دیں۔ ان سے یہی کہا جا سکتا تھا کہ ’’مجھے تم سے محبت ہے‘‘ جبکہ جواب میں نقصان ہی ہوگا۔ اس کے بجائے اپنے سر پر بیٹھے ہوئے اس جانور کو چار سال تک برداشت کروں۔ اتنا کہہ دو کہ ’’مجھے تم سے محبت ہے‘‘ اس کے بعد میرے ساتھ جو بھی سلوک کرو اس میں نیویارک ٹائمز میں میری مذمت بھی شامل ہے لیکن الگور کے یہ بادل

ناخواستہ ڈیموکریٹ، واقعی ہمارے معاون تھے، وہ ایسی بہت سی باتوں کو پسند کرتے تھے جو ہم نے کہیں البتہ ان کا راستہ مختلف تھا۔ میرا رویہ یہ تھا کہ اگر بش کامیاب ہوجاتا ہے تو ہم دنیا کو بچانے کے لیے کسی کمتر درجے کے بش کے ساتھ مل کر کام کریں گے۔ یہ بات تو درست نہیں ہوگی کہ ان سے کہیں، بھاڑ میں جاؤ اور بس۔ چنانچہ میں نے نادر کے عملے کو لوگوں سے کہا، یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ اپنے دوستوں کو، بڑے مضبوط دوستوں سے ہم دانستہ کنارہ کش ہو جائیں۔ ہماری لڑائی ان لوگوں کے ساتھ ہے، جنھوں نے ڈیموکریٹ کا نام چوری کر لیا ہے۔ پارٹی میں بھاڑے کے ٹٹو، دھڑے باز، مکار اور فریبی لوگ جو کسی وجہ سے ری پبلکن پارٹی میں راستہ نہیں بنا سکے کیونکہ ان میں وہ اہلیت نہ تھی، جو قومی جنگلات کو تباہ کرنے اور ایک ہزار کتب خانے بند کرا دینے اور اندرون شہر کے نیم فاقہ کش بچوں کے منہ سے نوالہ چھین لینے کے لیے درکار ہے۔ اس طرح کے کام کرنے کے لیے واقعی حوصلہ چاہیۓ اور اس سے لطف لینے کی اہلیت چاہیۓ جو لوگ ایسا نہیں کرتے ڈیموکریٹک پارٹی میں کام سے لگ جاتے ہیں۔

ہماری لڑائی ان لوگوں سے نہیں تھی، جو ہمارے پکے ووٹر تھے اور جواب بھی اس پارٹی سے والہانہ وابستگی رکھتے ہیں جسے ''ڈیموکریٹک پارٹی'' کہا جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ لاکھوں امریکی اب تک یہ توقع کرتے ہیں کہ ڈیموکریٹس، ان کے مفادات کی نمائندگی ری پبلکن پارٹی سے بہتر طور پر کریں گے، بجائے خود ہماری اس ناکامی پر تبصرہ ہے کہ ہم ملک کے لوگوں کو یہ نہ بتا سکے کہ دونوں پارٹیاں کس قدر ایک جیسی ہیں اور کس طرح ڈیموکریٹس تقریباً ہر مرتبہ انہیں بیچتے رہے ہیں اور آئندہ بھی بیچتے رہیں گے۔

نادر کے لیے مہم چلانے والوں نے مجھ سے کہا کہ الیکشن سے پہلے آخری چند ہفتوں میں ان ریاستوں کا دورہ کروں جہاں کے نتائج غیر یقینی ہیں۔ میں نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں ان ریاستوں میں زیادہ شدومد سے کام کرنا پسند کروں گا، جہاں سے رالف کو خاصے ووٹ ملیں گے اور انتخابات میں بش کو کامیاب بنانے کی ذمہ داری بھی نہیں آئے گی کیوں نہ اپنی توانائی نیویارک میں اور ٹیکساس میں صرف کریں، جہاں سے نتائج کا پہلے ہی سے اندازہ ہے۔ ان ریاستوں میں لوگوں سے کہو کہ اپنے ووٹ الگور پر ضائع نہ کریں۔ اس کا اثر بالکل صفر ہوگا لیکن نادر کو اگر دس فیصد ووٹ مل گئے، تو ان لوگوں تک ایک محکم پیغام

پہنچ جائے گا۔

یہ وہ حکمت عملی نہ تھی، جس کے لیے فیصلہ کیا گیا تھا۔ انہوں نے میرے فیصلے کا احترام کیا اور میرے لئے نیک خواہشات کا اظہار کیا۔ میں ۲۳ اکتوبر ۲۰۰۰ء کی سہ پہر کو تلاہیستی پہنچا۔ فلوریڈا ریاست کے ایک طالب علم، اس کے بھائی اور سالی نے مجھے ایئر پورٹ سے لیا۔ ہم کار میں سوار ہونے کے لیے جا رہے تھے کہ انہوں نے مجھ سے اس ''دعوت نامے'' کے بارے میں پوچھنا شروع کیا، جس کے لیے انہوں نے سنا تھا کہ میں نے جیب بش کو بھیجا ہے انہوں نے مجھ سے کہا ''ہر شخص اس کے بارے میں باتیں کر رہا ہے'' میں نے پوچھا، آپ لوگ کس ''دعوت'' کی بات کر رہے ہیں؟ جس کے لیے آپ نے گزشتہ روز کے اخبار میں لکھا انہوں نے مجھے شہر کے روزنامے سنڈے تلاہیستی ڈیموکریٹ کی ایک کاپی دی۔ اس کے پہلے صفحے کے ایک طرف وہ انٹرویو شائع ہوا تھا جو میں نے ایک رپورٹر کو ایک ہفتہ پہلے فون پر دیا تھا۔ میری ایک بڑی سی تصویر تھی اور مجھ سے منسوب ایک عبارت درج تھی کہ میں نے گورنر کو چیلنج کیا ہے کہ آج رات اسٹیج پر آئے اور میرا سامنا کرے۔

میں نے اپنے دل میں کہا، ہزار میل کے فاصلے سے چیلنج کرنا کتنا آسان ہوتا ہے۔ معاملہ تو اب درپیش ہے جب تم اس ریاست میں ان پر ہجوم لوگوں کے درمیان ہو جو شمال سے آنے والے گدھوں کو خاطر میں نہیں لاتے لیکن میں اتنی دور تک نہیں دیکھ رہا تھا۔ میں یونیورسٹی پہنچا اور اپنی پریس کانفرنس شروع کی۔ میں گھبرایا ہوا تھا، میں جو کچھ کہنے جا رہا تھا، اس کے بارے میں نہیں چاہتا تھا کہ کسی طرح کی غلط فہمی پیدا ہو۔

میں نے میڈیا کے ان لوگوں سے جو وہاں تھے، یہ کہا کہ بش کو بہر طور روکنا پڑے گا۔ میں نے فلوریڈا کے لوگوں سے اپیل کی کہ اگر وہ الگور کو پسند کرتے ہیں تو پھر انہیں چاہئے کہ گھروں سے باہر نکلیں اور اسے ووٹ دیں لیکن اگر وہ نادر کو ووٹ دینا چاہتے ہوں تو اس بارے میں بہت دیر تک اور اچھی طرح سوچ بچار کر لیں۔ میں نے اندازہ کیا کہ فلوریڈا میں زیادہ مشکل پیدا نہیں ہوگی۔ اگر یہ بات آپ کے نزدیک زیادہ اہم ہے کہ بش کو آگے جانے سے روکیں تو پھر الگور کو ووٹ دینا ہوگا۔ میں آپ کے فیصلے کو مان لوں گا اور اس کا احترام کروں گا۔

رپوٹر کسی قدر حیران ہوئے تو کیا میں الگور کو ووٹ دینے جا رہا تھا؟ میں نے کہا، نہیں میں رالف کو ووٹ دوں گا۔ یہاں میرے لئے قیام کی آسانی ہوگی۔ میں ایک ایسی ریاست میں رہتا ہوں، جہاں الگور پہلے ہی بھاری اکثریت سے جیت رہا ہے لیکن فلوریڈا میں صورت حالات مختلف ہے۔ پھر تو ساری ریاست میں یہ بات پھیل گئی کہ رالف نادر کے ایک ''مشہور حمایتی'' نے فلوریڈا میں الگور کو ووٹ دینے کی حامی بھرلی ہے، اگر دوسرے رائے دہندگان بھی اسی کو درست سمجھتے ہیں تو ٹھیک ہے۔ جونہی پریس کانفرنس ختم ہوئی، میں بھاگ کر باتھ روم میں پہنچا۔ مجھے قے ہوگئی۔ یہ وقت میرے اسٹیج پر پہنچنے کا تھا۔ آڈیٹوریم میں دو ہزار کا مجمع تھا اور ہال سے ابلا پڑ رہا تھا۔ شو کے منتظمین دروازہ پیٹ رہے تھے۔ خاتون نے چیخ کر کہا، اب ہمیں شروع کر دینا ہے۔

''مجھے بس چند منٹ دو'' میں نے جواب دیا۔ اب میری طبیعت پہلے سے زیادہ خراب ہوگئی، کسی نے پھر زور سے دروازہ پیٹا۔ میں نے جواب دیا ''میرے ٹی وی شو کا ایک ٹوٹا دکھاؤ، میں ایک منٹ میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔''

مجھے نہیں معلوم کہ مجھے قے کیوں ہو رہی تھی، کیا اس شدید دباؤ کی وجہ سے جو اس وقت محسوس کر رہا تھا، یا اس بنا پر کہ وہاں آتے ہوئے میری تواضع ''وہاٹا برگر'' سے کی گئی تھی (یہ تلاہسی والوں کا مرغوب برگر ہے) یا شاید یہ بات ہو کہ میرے علم کے مطابق سارا الیکشن ...... اور سارا ملک میرے ساتھ ایک عذاب سے گزر رہا تھا اور ہم میں سے کسی کے لیے جائے فرار باقی نہیں رہ گئی تھی۔

میں اسٹیج پر بیس منٹ کی تاخیر سے پہنچا۔ سارے گرینز (Greens) سامنے بیٹھے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں نادر کی حمایت کے نشان تھے۔ میں نے ان سے اور باقی تمام ناظرین سے کہا، میں جانتا ہوں کہ تم میں سے کچھ لوگ ایک کڑوی گولی نگلنا پسند کریں گے۔ میں نے پورے مجمع سے کہا، آپ کو اپنی بہترین قوت فیصلہ استعمال کرنی ہوگی۔ اپنے ضمیر کی آواز پر عمل کیجئے۔ اگر آپ یہ محسوس کرتے ہوں کہ الگور کو ووٹ دینا چاہئے تو یقین کیجئے آپ کے بارے میں میری رائے کم نہیں ہو جائے گی، میں اس کے باوجود نادر کو ووٹ دوں گا۔ پھر میں نے وہ متعدد وجوہ بیان کیں جن کی رو سے نادر کے لیے ووٹ میرے لئے ضمیر کا مسئلہ بن گیا تھا۔ میں ایسے شخص کے خلاف جتنا بھی ووٹ دوں کم ہوگا جو دوسرے

انسانوں کو قتل کرنے پر یقین پر رکھتا ہو جس کا عقیدہ یہ ہو کہ ہمیں دوسرے ملکوں کی شہری آبادی پر ہفتہ وار بمباری کرتے رہنا چاہئے، جس کا خیال یہ ہو کہ مزدور کی کم سے کم اجرت فی گھنٹہ صرف ایک ڈالر سے زیادہ نہ ہو اور جو یہ چاہتا ہو کہ نافٹا (Nafta) جیسے معاہدوں کی طرح مزید تجارتی معاہدے کئے جائیں، تاکہ پہلے سے زیادہ امریکی بیروزگار ہوں۔

میں نے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ الگور کے لیے لیور نہیں دباؤں گا (کاغذ کو پنچ نہیں کروں گا) کیونکہ یہ شخص بش سے بھی زیادہ فوج پر خرچ کرنا چاہتا ہے۔ وہ تمام شہریوں کے لیے علاج معالجے اور صحت کی ضمانت فوری طور پر نہیں دے گا اور اس کے خیال میں ایلیئن گونزالاز کو کیوبا کے حوالے کر کے غلطی کی گئی۔ یہ ہے الگور۔ لیکن میں نے کہا، آپ فلوریڈا میں جس عجیب گومگو کی کیفیت میں مبتلا ہیں، میں اسے سمجھتا ہوں۔ اس لئے میری بات مت سنو۔ وہی کرو جو تمہارے خیال میں بہترین ہے۔ ہم بعد میں معاملات کو سلجھا لیں گے اور یہاں جو نیچے، سامنے کی نشستوں پر نادر کے طرفدار لڑکے لیٹے ہیں، میں ان کے حوصلے اور اپنے موقف پر استقامت کو دیکھتے ہوئے کہوں گا، ان پر خدا کی رحمت ہو، یہ وہ خوبیاں ہیں جو سن ساٹھ کی دہائی میں، ان کے اکثر والدین کے دلوں سے رخصت ہو گئی تھی۔

تقریر کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا۔ پھر سٹوڈنٹ یونین میں دو سو طلبہ اور سرگرم سماجی کارکنوں کے ساتھ (جن میں سے کچھ لوگ تین گھنٹے کے سفر کے بعد وہاں پہنچے تھے) زبردست بحث ہوئی، سوال یہ تھا کہ جو سیلاب امڈ آرہا تھا، اسے کیسے سنبھالا جائے۔ جب تک یہ سلسلہ ختم ہوتا ڈیڑھ بج گیا، یعنی ساڑھے پانچ گھنٹے بعد، میں نے وہاٹا برگر کے ساتھ اپنے معاملات طے کر لئے تھے یہاں سے چلتے وقت میں نے بھانپ لیا تھا کہ یہاں ایک طوفان آنے ہی والا ہے لہٰذا عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اپنا بچاؤ کر لیا جائے۔ مجھے گاڑی میں ہوٹل لے جایا گیا۔ چھوٹی سی پرانی وضع کی عمارت، پگڈنڈی پر واقع جو ریاست کی کیپیٹل بلڈنگ کی طرف جاتی ہے۔ میں نے ٹی وی چلا دیا اور گیارہ بجے کی خبریں دیکھنے لگا۔ ''نادر کا ایک سرکردہ حمایتی کہتا ہے کہ بش کو ضرور روکنا ہوگا، چاہے کچھ بھی ہو جائے۔'' خبر سنانے والی نے کہا، میں نے ٹی وی بند کیا اور سو گیا۔

صبح ساڑھے چھ بجے میری آنکھ کھلی۔ گھر واپسی کے لیے ہوائی جہاز پکڑنا تھا۔

ایک طالبعلم مجھے ایئر پورٹ لے جانے کے لیے نیچے زینے پر منتظر تھا۔ میں کاؤنٹر سے باہر نکل ہی رہا تھا کہ لڑکے نے پکار کر کہا، گورنر بش ابھی ابھی اندر گیا ہے۔ کچھ سوچے بغیر میرے منہ سے بے ساختہ نکلا ''اسے روکو'' (غالباً ایک عادت کے تحت، خواہ میں ٹیکساس میں ہوں یا فلوریڈا میں، جب میں گورنر بش کے الفاظ سنتا ہوں تو جبلی طور پر میرا ردعمل یہی ہوتا ہے ''اسے روکو'') لڑکے نے دروازہ کھولا اور آواز دی۔ ''گورنر بش، یہاں کوئی آپ سے ملنا چاہتا ہے'' اس وقت تک میں دروازے سے نکل چکا تھا۔ ایک ویران پگڈنڈی پر جو صبح کے جھٹپٹے میں کسی اندھیری گلی کی طرح نظر آرہی تھی، گورنر جیب بش اور اس کا باڈی گارڈ، چہل قدمی کرتے نظر آئے۔ ایک سیاہ ایس یو وی جس میں سکیورٹی کے اور بھی آدمی تھے، کاروں سے خالی سڑک پر گورنر سے کوئی چالیس فٹ پیچھے آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔

بش مڑے، یہ دیکھنے کے لیے کہ انہیں کون ملنا چاہتا ہے، پھر مجھے کھڑے ہوئے دیکھ لیا۔ اس نے ایک کھسیانی ہنسی کے ساتھ جو بش گھرانے سے مخصوص ہے۔ میری طرف قدم بڑھایا اور باڈی گارڈ اس طرح مستعدی سے کھڑے ہو گئے کہ ذرا اندیشہ ہو تو مار مار کر کچومر بنا دیں۔

بش بولا مسٹر مور اور اس کے ساتھ ہی سر کو اس طرح جنبش دی کہ جیسے ایک ہی بدمزہ کھانے کی پلیٹ آج پھر تیسرے دن کھا رہا تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھایا، بش نے ہاتھ پکڑ لیا۔ میں نے ملائمت سے کہا، گورنر میں صرف مصافحہ کر کے آپ کے خیریت پوچھنا چاہتا تھا۔ اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے جکڑ لیا اور اس وقت تک چھوڑنا نہیں چاہتا تھا، جب تک ساری بات، جو اس کے دل میں تھی، کہہ نہ لے۔ اس کی آنکھیں سوئیوں کی طرح میرے اوپر جمی ہوئی تھیں۔ باڈی گارڈ اور قریب آ گیا۔

اس نے مجھ سے براہ راست سوال کیا۔ اچھا تو انہوں نے تمہیں آنے کے لیے کافی رقم دے دی تھی؟ جس کا ترجمہ یہ تھا ''تم، خوشامدی مور'' میرا منہ سوکھ گیا اور دل کی دھڑکن اتنی تیز ہو گئی کہ مجھے ڈر لگ رہا تھا کہ وہ کہیں سن نہ لے۔

''کافی تو کبھی نہیں ہوتی، گورنر، یہ تمہیں معلوم ہے۔ یہ الفاظ میں بمشکل ادا کر سکا۔ اس کو اس سے کیا غرض کہ مجھے کس نے دیا اور کیا دیا۔ پھر مجھ پر یہ منکشف ہوا کہ اس نے رقم فراہم کی تھی۔ فلوریڈا اسٹیٹ یونیورسٹی کے ذریعے رقم دی تھی، یقیناً اسے سخت غصہ تو

آنا ہی تھا۔ میرے دورے کے لیے وہ موقع کے ہی انتظار میں تھا کہ فلوریڈا کے ہزاروں شہریوں کو یہ بتا سکے اور خاص طور پر نادر کے حمایتیوں کو باور کرا دے کہ اہم بات تو بش کو شکست دینا تھا۔ بش کے طرفدار یہی تو نہیں چاہتے تھے کہ نادر کے حمایتی اس طرح سوچیں۔

کیا اس نے میرے آنے کی خبر گزشتہ رات ٹی وی پر دیکھ لی تھی؟ اس نے مجھے گھور کر دیکھا اور ہاتھ چھوڑ دیئے۔ اچانک اس نے سوال کیا ''کیون، کیا تمہارے ساتھ ہے؟'' کیون؟ کیا یہ کوئی خفیہ اصطلاع ہے، اپنے باڈی گارڈ کو بتانے کے لیے کہ میرا تیاپانچہ کئے جانے کا وقت آگیا ہے؟ پھر اچانک مجھے یاد آگیا کہ وہ مجھ سے اپنے خالہ زاد کیون ریفرٹی کے بارے میں پوچھ رہا تھا، فلم ساز کیون، جس نے ''راجر اینڈ می'' کی فلم بندی کے زمانے میں میری مدد کی تھی۔ میں نے کیون کے ساتھ پچھلے بارہ سال سے کام نہیں کیا تھا، پھر وہ مجھ سے اس کے بارے میں کیوں پوچھ رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس سے کیا کہوں۔

''نہیں'' وہ یہاں نہیں ہے'' میں نے دبے دبے لہجے میں کہا۔

''اس سے کہنا، میری بہترین خواہشات تمہارے ساتھ ہیں۔''

''یقیناً'' میں نے جواب دیا۔

اس نے پوچھا، تو اب کیا تم جا رہے ہو؟

میں نے جواب دیا'' ہاں، اس وقت''

''ٹھیک''

اس نے ایک بار پھر مجھے اس کھسیانی مسکراہٹ سے دیکھا، جو بش خاندان سے مخصوص ہے۔ سر کو جنبش دی، جیسے کہہ رہا ہو، اچھا ہے، جان چھوٹی، مڑا اور رخصت ہو گیا۔ اسے ویران کچے راستے پر جاتے ہوئے میں نے سوچا، وہ چالاکی سے ابھی پھر پلٹے گا لیکن وہ مجھ سے بیس قدم آگے تھا۔ اس کی سیاہ ایس یو وی کی کھڑکی کے شیشے کھل گئے۔ ریاستی سپاہیوں نے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا اور آہستہ آہستہ میرے پاؤں کے پاس گاڑی گزر گئی۔ صبح کی پہلی کرن ریاستی ایران کے گنبد پر نمودار ہو رہی تھی۔ میں اس مقام کو دوبارہ نہیں دیکھوں گا۔ سوائے دو ہفتے بعد، اس وقت مسلسل چلنے والے ٹی وی پر دیکھا۔ بش کے لونڈوں

سے جب بھی میری اتفاقیہ مڈ بھیڑ ہوئی، میں نے اسے ایک حوصلہ شکن اور روح فرسا تجربہ پایا کسی وجہ سے انہی کا ہاتھ ہمیشہ اوپر ہوتا ہے۔ لودا میں جب میری ملاقات جارج ڈبلیو بش سے ہوگئی تو میں نے اس سے اپنے ٹی وی کے لیے سوال کرنے کی کوشش کی۔ جواب میں وہ چیخ پڑا اور بولا ''جاؤ'' کوئی ڈھنگ کا کام کرو۔'' پورے مجمع نے جو اردگرد موجود تھا، زور کا قہقہہ لگایا۔ اس وقت سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہوں، اس نے ٹھیک ہی کہا، یہ کوئی کام تو نہیں ہے، لیکن میرے لئے واپسی کا راستہ بھی تو نہیں تھا۔

جس روز میری ملاقات نیش بش سے ہوئی، میں ڈیٹرائٹ میں جنرل موٹرز کی لابی میں ایک ریڈیو انٹرویو کر رہا تھا۔ نیل کا نام سلوار یڈیو سیونگس اینڈ لون کے سکینڈل میں آتا تھا، اگرچہ باقاعدہ الزام عائد نہیں کیا گیا تھا۔ وہ ان چار ایشیائی باشندوں کے ساتھ دروازے سے گزرا۔ تائیوان کے بینکار سے، اس نے بعد میں مجھے وہاں دیکھتے ہی وہ چونک پڑا۔ میں وہ آخری آدمی تھا، جس سے جنرل موٹرز میں موجودگی کی توقع کی جا سکتی تھی۔

تمہارا کیمرہ کہاں ہے؟ اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

اوہ، آج میرے پاس کیمرہ نہیں ہے۔ میں نے دبے دبے لہجے میں کسی قدر تاسف کے ساتھ کہا۔ مسکراہٹ اس کے پورے چہرے پر پھیل گئی، ''ہاء، مکی اپنا کیمرہ نہیں لایا؟ وہ پاس آیا، میرے گال کی چٹکی لی ''ٹو بیڈ'' اس نے الفاظ کو لمبا کھینچ کر کہا اور ہنستا ہوا چلا گیا، چینیوں کو یہ بتا رہا تھا کہ میں کون ہوں اور کس طرح اس نے مجھے زک پہنچائی ہے۔

صرف ایک ہی بش ہے، جسے میں نے پیس کر گودا بنا دیا اور یہ میں ندامت کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ وہ ایک لڑکی ہے اور وہ ہے، ان کی بہن ڈوروتھی۔ وہ بہت پیاری، وہ ایک ماں ہے اور جب میں نے اس سے پوچھا کہ اس کے خیال میں اس کے بھائیوں میں یہ مقابلہ کون جیتے گا، جارج یا بش کہ دیکھیں کون زیادہ سے زیادہ قیدیوں کو موت کے گھاٹ اتارتا ہے، تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا جواب دے۔

اس کی خفگی ظاہر تھی، سچ تو یہ ہے کہ بجا طور پر اسے تکلیف پہنچی جیسے اس کے بھائیوں کو سفاک قاتل بتایا جا رہا تھا۔ اس نے میرے چہرے پر اس طرح نظر ڈالی جیسے ابھی رو دے گی۔ مجھے ایک جھٹکا سا لگا، میں نے سوچا، مائیک اب چلتے بنو، بالآخر تم نے

ایک بش کو چت کر دیا۔

جی ہاں، بش ایک اور بھی ہے، وہ ہے مارون، اگرچہ میڈیا میں اس کا نام نہیں آتا۔ مارون سے میں کبھی نہیں ملا۔ مارون سے کبھی کوئی نہیں ملا۔ خدا جانے وہ کہاں ہے اور کیا کرنا چاہتا ہے، سوائے اس کے کہ مجھ پر قابو پانے کے لیے منصوبہ بندی کرتا ہے۔ جیب سے اس لرزہ خیز ملاقات کے بعد، میں لاس اینجلز جانے کے لیے طیارے میں سوار ہوگیا۔ اس دن کے واقعے کو کسی طرح اپنے ذہن سے نکال نہیں پا رہا تھا۔ ابھی میں شہد میں لگی مونگ پھلیوں کا پیکٹ کھول ہی رہا تھا کہ اچانک مجھے خیال آیا میں نے وہ ایئرفون جو بہت مہنگا ہوتا ہے، کان سے لگایا اور رالف سے بات چیت شروع کردی۔ میں نے ان تین افراد سے گفتگو کی جو اس کی انتخابی مہم چلا رہے تھے۔ میں اس بات سے آگاہ تھا کہ سامنے بیٹھا ہوا شخص میری باتیں سن رہا ہوگا۔ میں نے کہا، دوستو! یا تمہیں یہ معلوم ہے کہ آج امریکہ کا سب سے طاقتور شخص کون ہے؟ وہ رالف نادر ہے۔

فون کے دوسرے سرے پر خاموشی۔

میں پوری سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔ اس کے پانچ فیصد ووٹوں سے بڑا فرق پڑے گا۔ بش کو اس ہفتے سب سے زیادہ جس شے کی ضرورت ہے، وہ رالف کی ہے، جو اس کی کامیابی کے لیے کام کرے گا اور الگور کو نادر کی ضرورت ہے تاکہ وہ اسے کامیاب بنائے۔ مقابلے میں اگر رالف شامل نہ ہوتا، تو الگور کامیاب ہوجاتا۔ اب ایک ہی شخص ہے جو فیصلہ کن ثابت ہوسکتا ہے۔ صرف ایک ہی امیدوار ہے، جس کا واقعی حکم چلتا ہے اور وہ ہے رالف نادر''

اپنی بات کو آگے چلاتے ہوئے میں نے کہا، لیکن 7 نومبر کے بعد وہ طاقت تو چلی گئی۔ اکا مصرف بس آئندہ ایک آدھ ہفتے تک ہے کیونکہ الگور اور بش دونوں کے منصوبے صرف ایک شخص کے فیصلے کے منتظر ہیں......رالف نادر کے، تو پھر یہ طاقت کسی اچھے کام کے لیے کیوں نہ استعمال کروں؟''

تمہارا اپنا کیا خیال ہے؟ ان میں سے ایک نے سوال کیا۔

الگور کے مستقبل کو رالف نے اپنی مٹھی میں لے رکھا ہے، کیا ہوا، اگر وہ الگور کو فون کرے اور کہے، تم صدر بننا چاہتے ہو تو کل دوپہر تک یہ کام کر ڈالو' پھر وہ الگور دھلائی

والوں کی ایک فہرست دے کہ ان میں سے ایک کو چن لو......حفظان صحت کی ضمانت سب کے لیے، منشیات کے خلاف جھوٹ موٹ کی جنگ کا خاتمہ، دولت مندوں کے ٹیکس میں ہرگز کوئی تخفیف نہیں ہوگی۔ رالف اپنے لیے کچھ نہیں مانگتا، کابینہ میں کوئی عہد نہیں ، اپنے منصوبوں کے لیے کوئی مالی معاونت نہیں۔ وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ الگور صحیح کام کرے اور اگر الگور علانیہ ایسا کرنے کا وعدہ کرے تو رالف ٹی وی پر آ کر اعلان کر دے گا۔ ''ہم نے اپنا مقصد پالیا ہے، ہم نے الگور کو اس قابل کر دیا ہے کہ نادر اور ایرے غیرے لوگوں کی ضرورت کا احساس کرے۔ اس نے قوم سے اس عمل کی پابندی کا وعدہ کر لیا ہے، لہٰذا آئندہ منگل کے روز اگر آپ غیر متوازن نتائج والی کسی ریاست میں ہوں اور ووٹ مجھے دے رہے ہوں تو میں کہوں گا کہ آپ الگور کو ووٹ دیں۔ باقی چالیس ریاستوں میں مجھے اب بھی آپ کے ووٹ کی ضرورت ہوگی تا کہ ہم ایک مضبوط اور قابل عمل پارٹی بنا سکیں جو الگور کو متحرک رکھے گی۔

''دوسرے الفاظ میں اپنی فتح کا اعلان کر دو، کیونکہ بہر حال رالف کے الیکشن میں کھڑے ہونے کا مقصد یعنی اپنے سیاسی ایجنڈے کو آگے لے جانا، وہ مقصد تو حاصل ہو چکا ہوگا۔''

''ہم اپنے پانچ فیصد ووٹوں پر انحصار اس وقت تک نہیں کر سکتے، جب تک ہر ریاست اقرار میں سر ہلاتے ہوئے کہا، اس مرحلے میں ہم ایک ووٹ بھی نہیں چھوڑ سکتے۔''

میں نے جواب دیا ، لیکن پانچ فیصد ووٹ لینے کے بعد دوسرے دن تمہارے پاس کیا ہوگا، پانچ فیصد ووٹ اور صفر فیصد طاقت۔ آج اگرچہ تم اور ہم ساری طاقت کے مالک ہیں، ایک امیدوار کہتا ہے، نادر کو اندر لاؤ۔ دوسرے کا تقاضا ہے نادر کو باہر نکالو۔ اس الیکشن کا فیصلہ ایک یا دو فیصد سے ہوگا۔ رالف کہیں بھی دو سے پانچ فیصد ووٹ رکھتا ہے۔ آج اسی وقت تم کو اور رالف کو یہ بتانا ہوگا کہ آئندہ صدر کون ہوگا۔ اس طرح کی طاقت آئندہ ساری زندگی تمھیں کبھی نہیں ملے گی۔''

نادر کا ایک دیرینہ رفیق جو فون پر تھا، وہ سب کچھ سمجھ گیا، جو میں کہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے کہا، لیکن اب تم رالف کو پیچھے ہٹ جانے کے لیے آمادہ نہیں کر سکتے، یہ تو کچھ اس طرح معلوم ہوگا کہ جب معرکہ گرم ہو گیا تو اس نے پسپائی قبول کر لی۔ اس کے

علاوہ ڈیموکریٹس نے اس کے ساتھ اتنا توہین آمیز سلوک کیا ہے کہ اب اسے اس بات پر قائل کرنا ممکن نہیں ہوگا کہ وہ کس طرح ان کی مدد کرے۔

''مزید برآں'' اس نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا، آپ نے یہ کیسے سوچ لیا کہ الگور اپنے وعدے پر قائم رہے گا؟ یہ لوگ کبھی کسی وعدے کا پاس نہیں کرتے۔'' اور کیمپس کے ان ہزاروں لڑکوں کا کیا ہوگا، جنہوں نے اتنی سخت محنت کی ہے؟ انتخابی مہم کا منیجر بیچ میں ٹپک پڑا اور وہ ہزاروں لوگ جو ریلی میں شرکت کے لیے آتے رہے، جن سے تم نے اور رالف نے خطاب کیا؟ ان کا کیا بنے گا؟ انتخابی سیاست سے ان کا یہ پہلا تجربہ ہے، اور وہ امیدوار جس کے لیے انہوں نے سب کچھ تج دیا، آخر میں سپر ڈال دیتا ہے؟ تم ان کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کر سکتے، اس کے عوض وہ بڑے ہو کر سنکی بن جائیں گے اور پھر انتخابی عمل میں شامل نہیں ہوں گے۔ اس گفتگو میں خاصا وزن تھا۔ سنکی قسم کے لوگوں کے ایک بے پایاں ہجوم، جنہوں نے رائے دہی کے عمل میں دلچسپی چھوڑ دی ہے۔ میں ایسے لوگوں کی تعداد میں اضافہ کرنے کے لیے سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

''لیکن'' میں نے پیش کش کی ''کیا ہم ایسا کام نہیں کر سکتے جو اپنی حقیقت کی بنا پر تسلیم کر لیا جائے......یعنی گرینز (Greens) کے لیے فتح اور رالف کے لیے فتح اور ہر اس فرد کے لیے فتح، جس نے اس کے لیے کام کیا، کیونکہ الگور کو اپنے موقف کی تبدیلی پر آمادہ کر کے ہم نے وہ سب کچھ حاصل کر لیا جو ہمیں ناممکن نظر آتا تھا۔ یہ کچھ ایسی ہی بات ہے جیسے اسرائیل کی انتہائی قدامت پسند پارٹی، جن کے حکومتی ایوان میں صرف پانچ ووٹ بنے، لیکن ارکان کی اکثریت کو اپنی حکومت بنانے کے لیے ان پانچ ووٹوں کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے۔ جو بھی جماعت ان کے زیادہ سے زیادہ مطالبات پورے کرتی ہے، وہی ان کے ووٹ حاصل کرتی ہے۔ حکومت سازی کے لیے اگر وہ لبرلز کے ساتھ مل جاتے ہیں، تو ان کے انتہائی قدامت پرست حمایت اس بات پر آگ بگولہ نہیں ہو جاتے اور انہیں طعنے نہیں دیتے کہ اپنے آپ کو انہوں نے بیچ دیا بلکہ اس کے برعکس انہیں ہیرو سمجھ کر خیر مقدم کیا جاتا ہے، کیونکہ ان کے پانچ ہی ووٹ ہیں لیکن ان سے وہ اپنے مقاصد پورے کرتے ہیں۔

واہ، کیا زبردست بات ہے، میں نے اپنے دل میں کہا، پولیٹیکل سائنس کا سبق تیس ہزار فٹ کی بلندی پر۔

فون پر کسی نے کہا" مائیک تم خیریت سے تو ہونا؟ یہ اسرائیل کا آئینی ادارہ (Knesset) نہیں ہے۔تم امریکہ میں ہو یہاں اس طرح نہیں چلتا۔ رالف نے اگر الگور کی حمایت کی تو اسے الٹا لٹکا دیا جائے گا اور الگور نے اگر اپنا موقف بدلا جبکہ اتنی تاخیر ہو چکی ہے تو اسے بھی لٹکا دیا جائے گا۔ یہ اس طرح نہیں ہوگا۔"

میں نے جواب دیا، وہ میں سمجھتا ہوں، پھر انہیں یاددلایا کہ اس کا مقصد رالف کا دستبردار ہونا نہیں بلکہ بعض غیر یقینی ریاستوں میں اپنا ووٹ الگور کو دلوانا ہے۔بس اتنی سی بات ہے۔ الگور ایک بار وہائٹ ہاؤس پہنچ گیا، تو اس کا اقرار بڑے پیمانے پر کرے گا۔ وہ ہمارے کیک کا مالک ہوگا اور اسے کھا بھی سکے گا لیکن بظاہر کسی کو کیک سے دلچسپی نہیں تھی۔

میں نے ان سب کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے میری بات سن لی، پھر۱۴۰ ڈالر کی فون کال بند کر دی۔ آرام سے اپنی نشست پر دراز ہونے کے بعد میں نے مشروب لانے کو کہا، جو جہاز میں میری پہلی فرمائش تھی۔ ٹیکساس کے نواح سے گزرتے ہوئے میں سو گیا۔

۷ نومبر ۲۰۰۰ء کو کیا ہوا، اب اس کی جگہ ہمیشہ تاریخ کی کتابوں میں ہوگی، جس روز میں فلوریڈا پہنچا، اس دن سے پہلے وہاں نادر کے چھ فیصد ووٹ تھے اور جس روز وہاں سے نکلا یہ کم ہو کر چار فیصد رہ گئے اور الیکشن کے دن ایک اعشاریہ ٦ اور چار فیصد کر درمیان تھے لیکن وہ فلوریڈا میں نادر کے ۹۷۴۸۸ ووٹوں کی نمائندگی کر رہے تھے۔ اگر ۷ نومبر کو انہیں معلوم ہوتا کہ انہی کے ووٹوں سے نمایاں فرق پیدا ہو جائے گا، تو کیا ان میں سے کم از کم ۵۳۸ ووٹر اپنے ووٹ تبدیل نہ کر لیتے؟ یقیناً کرتے۔

میں یہ سوچ کر حیران ہوتا ہوں کہ جو لوگ نادر سے ناخوش ہیں، ان کے تھوڑے سے غم و غصے کا رخ ان دوسرے امیدوارں کی طرف کیوں نہیں ہوتا، جو بائیں بازو کے تھے اور وہ بھی فلوریڈا سے صدارتی ووٹوں کے امیدوار تھے۔ سوشلسٹ پارٹی کے یعنی ڈیوڈ میک رینلڈز جنھیں ۶۲۲ ووٹ ملے۔ سوشلسٹ ورکر پارٹی کے جیمس ہیرس، جنھیں ۵۶۲ ووٹ ملے، یا ورکرز ورلڈ پارٹی کی مونیکا مور ہیڈ جسے۱۸۰۳ ووٹ ملے۔ یقیناً اس گروپ میں ۵۳۸ ووٹر تو وہ تھے، جو اپنی ناک پر ہاتھ رکھ کے الگور کو ووٹ دے دیتے اگر ان کو یہ معلوم ہوتا کہ بش اور اس کے حواری الیکشن جیت رہے ہیں۔

ویسے ذاتی طور پر میں جسے الزام دوں گا وہ یہ ہے مونیکا مور ہیڈ۔ ۱۹۹۰ء کے

عشرے سے ہم نے ایک ہی سبق سیکھا ہے۔ یہ ہمیشہ مونیکا (معاف کرنا) ہوتی ہے۔ مور ہیڈ (زیادہ دماغ والی) لہٰذا مونیکا کا الزام دو، نہ رالف کو الزام دو اور نہ مجھے ملزم گردانو۔

یا مجھے الزام دو، اگر ڈیموکریٹس نادر کے ساتھیوں کو زیادہ طاقتور بنانے پر اصرار کر رہے ہیں، تو یہ قبول ہے۔ جی ہاں، وہ ہم ہی تھے، ہم ہی نے یہ کام کیا، ہم ہی باخبر لوگ ہیں۔ ہمارے راستے میں جو کچھ بھی آئے گا اسے تہس نہس کر دیں گے۔ اپنا رویہ بدلو، ورنہ تمہیں جلا کر راکھ کر دیں گے۔ ڈیموکریٹک پارٹی کو ہم نے نہیں چھوڑا، وہ تم تھے جو اسے چھوڑ گئے اور وہ دوسرے لوگ بھی جو سمجھتے تھے کہ ڈیموکریٹس کا ایک مقصد ہے مثلاً محنت کشوں کے حقوق کے لیے جدوجہد کرنا لیکن تم ری پبلکن والوں کے ساتھ ان کے بستر میں گھس گئے۔ لہٰذا ہمارے پاس اس کے سوا کیا چارہ تھا کہ اپنے ضمیر کی آواز سنیں اور رالف نادر کو ووٹ دیں۔

جی ہاں، آپ کو وہائٹ ہاؤس میں جانے سے ہم نے روکا، تمہارے گدھے کو ہنکار کر واشنگٹن سے باہر ہم نے نکالا اور ہم آئندہ بھی یہی کریں گے۔ ہمارے پاس کیمپس پر نو سو سے زائد گرین (Greens) تنظیمیں ہیں۔ ہمارے پاس پر جوش اور سرگرم دو لاکھ رضا کاروں کے پتے موجود ہیں۔ ۲۰۰۰ء کے الیکشن میں ہم نے ملک کے طول وعرض میں ۲۲ مقابلے جیتے اور وہ ۵۳ دوسرے گرین ارکان میں شامل ہو گئے، جو منتخب ہو کر مختلف عہدوں پر پہنچے ہیں۔ اس طرح گزشتہ نومبر سے اب تک آمنیز نے مزید سولہ نشستیں جیت لی ہیں۔ اس طرح امریکہ کے منتخب عہدوں پر اس وقت ۹۱ ارکان فائز ہو چکے ہیں۔ کیلیفورنیا کے پانچ شہروں کے میئر گرین پارٹی کے ارکان ہیں۔ ۲۰۰۰ء میں جن امریکی ووٹروں نے نادر کو ووٹ دیئے تھے، اب ان کی تعداد میں حیران کن طور پر پانچ سو فیصد کا اضافہ ہوا۔ اب یہ تحریک بڑھ رہی ہے اور یہ محض گرین پارٹی کی بات نہیں یا رو میں تو اس کا ممبر بھی نہیں۔ ایسے لوکھوں افراد ہیں جنہوں نے ڈیموکریٹس اور ری پبلکنز دونوں کو دیکھ لیا ہے اور وہ صحیح انتخاب چاہتے ہیں۔ اس لیے تو ایک شخص جس کا پیشہ پہلوانی ہے مینوسٹا کا گورنر منتخب ہو گیا ہے اور ورمونٹ کا واحد رکن کانگریس ایک آزاد امیدوار ہے، (اور اب تو سینیٹرز میں شامل ہیں) آئندہ برسوں میں اور بھی آزاد ارکان آئیں گے اور تم کچھ نہ کر سکو گے لیکن نہیں یہ درست نہیں۔ ڈیموکریٹک اور ری پبلکن پارٹی کے اشتراک سے، ان کے عمل یا بے عملی کی

بدولت ہوا تو بہت کچھ ہے۔ اس لئے اپنی جان بچا کر بھاگو۔ میں اپنی پناہ گاہ سے باہر نکل آیا ہوں۔ میں محض ''زندہ رہنے'' کے تسلسل سے عاجز آچکا ہوں، جھینکنے والوں کی بکواس سنتے رہنا جو نادار لوگوں کی حمایت کے لیے کبھی پہلی صف میں کھڑے نہیں ہوں گے۔ گرفتاری کا خطرہ مول نہیں لیں گے۔ ایک ہفتے میں چند گھنٹے سیٹزنز (Citizens) کے لیے صرف کریں گے، جو کسی بھی جمہوریت میں افراد کے لیے سب سے بڑا اعزاز ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ جو اندیشے درپیش ہیں، ہم سب ان کا سامنا کریں اور اس طرح زندہ رہنے کا رویہ ترک کر دیں، جیسے ہمارا مقصد زندہ رہتا ہے۔ ''بقائے محض'' نکمے لوگوں کے لیے ہے اور ایک طرح کا کھیل ہے، جو کسی جنگل میں یا ویران جزیرے میں پھنسے ہوئے افراد، مقابلے کے طور پر کھیلتے ہیں، ہم کہیں بھی پھنسے ہوئے نہیں ہیں۔ اس ملک کے مالک تم ہو، وہ جو برے لوگ ہیں، بس مٹھی بھر گاؤدی گورے ہیں اور ان کے مقابلے میں ہماری پاس کہیں زیادہ وسائل ہیں۔ اپنی قوت کو استعمال کرو، تم بہتر زندگی کے مستحق ہو۔